

# سیرت اُمّہ البیت

جلد دوم

ہاشم معروف حسنی  
(لبنان)

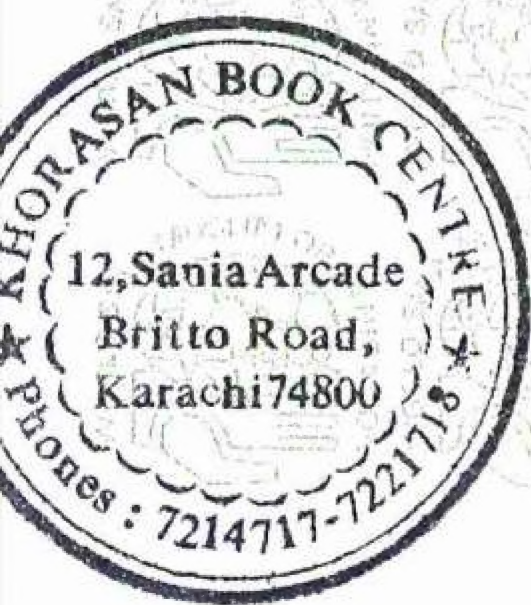
جامعہ تعلیمات اسلامی  
پوسٹ بکس ۵۴۲۵ کراچی ۲ پاکستان



*[Handwritten signature]*







وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ  
لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ  
لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ  
لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ  
مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ  
يَعْلَمُ الْغُيُوبَ  
وَهُوَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ







# سیرت ائمہ اہلبیتؑ

جلد دوم

ہاشم معروف حسنی  
(لبنان)

چھاپہ شریعت اسلامی  
پوسٹ بکس ۵۴۲۵ کراچی ۲ پاکستان



ترجمہ \_\_\_\_\_ سید علی رضا

اصلاح و نظر \_\_\_\_\_ شاکر علی سرور

کتابت \_\_\_\_\_ اشرف راحت

طبع اول \_\_\_\_\_ ۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۶ء

مطبع \_\_\_\_\_ پرائمری پرنٹرز کراچی

مکتبہ  
الاحیاء  
والترغیہ  
کراچی

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ یہ کتاب کُلّی یا جزوی طور پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے کہ جامعہ ہذا کی پیشگی اجازت حاصل کیے بغیر یہ موجودہ جلد بندی اور سرورق کے علاوہ کسی بھی شکل تجارت یا کسی اور مقصد کی خاطر نہ تو عاریتہ کرائے پر دی جائے گی اور نہ ہی دوبارہ فروخت کی جائے گی۔ علاوہ ازیں کسی آئندہ خریدار یا بطور عطیہ حاصل کرنے والے پر یہ شرط عائد نہ کرنے کے لیے بھی ایسی ہی پیشگی اجازت کی ضرورت ہوگی۔  
جامعہ تعلیمات اسلامی



# فہرست

۸	امام حسینؑ شہیدِ کربلا
۱۵	امام حسینؑ چار خلفاء کے عہد میں
۲۰	امیر المومنینؑ کی امام حسینؑ کے لیے وصیت
۲۲	امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ
۲۴	غزوۂ قسطنطنیہ
۲۶	امام حسینؑ اور معاویہ کے اہلکار
۲۷	امام حسینؑ کی سخاوت و عبادت
۴۱	یزید بن معاویہ کے ولی عہد ہونے کے متعلق امام حسینؑ کا موقف
۵۸	امام حسینؑ عہدِ یزید میں
۶۲	امام حسینؑ مکہ میں
۶۶	مسلم بن عقیل کے ساتھ غداری
۷۰	امام حسینؑ کی مکہ سے عراق روانگی
۹۰	امام حسینؑ کا سر اقدس
۹۷	صلح حسنؑ اور جہادِ حسینؑ پر ایک نظر
۱۱۴	شہادتِ امام حسینؑ کی شیعہ تعبیر - ڈاکٹر احمد صبحی وغیرہ کی نظر سے
۱۱۹	شیعہ اور محرم کا پہلا عشرہ
۱۲۳	امام زین العابدینؑ
۱۲۹	آپ کی صفات اور لباس
۱۳۱	امام زین العابدینؑ کو فہ و شام میں
۱۴۲	امام زین العابدینؑ مدینہ میں
۱۴۷	امام حسینؑ کی شہادت سے پیدا ہونے والی انقلابی تحریکوں پر ایک نظر
۱۵۶	امیرِ فتنہ کی تحریک
۱۶۱	امام زین العابدینؑ کے اخلاق و صفات پر ایک نظر
۱۷۷	صحیفہ سجادہ
۱۷۹	دعائے مکارم الاخلاق



۱۸۰	اس کے لیے امامؑ کی دعا جس نے آپ پر ظلم کیا
۱۸۱	سرحدی علاقوں کی سپاہ اور کفار سے جنگ کرنے والوں کے لیے آپ کی دعا
۱۸۴	رسالہ حقوق
۱۸۹	امام زین العابدینؑ کے اقوال
۱۹۳	امام زین العابدینؑ کی اولاد
۲۰۲	عبداللہؑ ، عمر اور حسینؑ فرزند ان امام زین العابدینؑ
۲۰۵	امام محمد باقرؑ
۲۱۲	جامعہ اہل بیتؑ
۲۲۳	امام محمد باقرؑ کے مناظرے
۲۳۵	امام محمد باقرؑ اور عبدالملک بن مروان
۲۴۲	امام محمد باقرؑ کے اقوال و نصائح
۲۴۸	امام جعفر صادقؑ
۲۶۳	امام جعفر صادقؑ کے بارے میں بعض آراء
۲۷۰	جامعہ اہل بیتؑ اور امام جعفر صادقؑ
۲۷۶	امام جعفر صادقؑ کے غالی اصحاب
۲۹۱	امام جعفر صادقؑ اور خلیفہ منصور
۳۰۲	امام جعفر صادقؑ کے مناظرے
۳۱۶	اپنے اصحاب کو امام جعفر صادقؑ کی ہدایت
۳۲۶	امام جعفر صادقؑ کے حکیمانہ اقوال
۳۳۱	امام جعفر صادقؑ کی اولاد اور آپ کی وفات
۳۳۵	امام موسیٰ کاظمؑ
۳۳۸	امام موسیٰ کاظمؑ کی تصریحات
۳۴۴	امام موسیٰ کاظمؑ کا حلم ، سخاوت اور دیگر صفات
۳۵۷	امام موسیٰ کاظمؑ کے مناظرے اور نصیحتیں
۳۶۱	امام موسیٰ کاظمؑ کے مختصر کلمات
۳۶۲	امام موسیٰ کاظمؑ اور حکام وقت
۳۸۱	امام موسیٰ کاظمؑ کی وفات
۳۸۷	امام علی رضاؑ
۳۹۱	امام علی رضاؑ کی خصوصیات و صفات
۴۰۲	امام علی رضاؑ کی امامت کے متعلق تصریح



۴۰۵  
۴۰۸  
۴۱۵  
۴۲۰  
۴۳۰  
۴۳۵  
۴۴۵  
۴۴۷  
۴۵۳  
۴۶۴  
۴۷۱  
۴۷۴  
۴۸۲  
۴۸۶  
۴۹۰  
۵۰۰  
۵۰۵  
۵۰۷  
۵۱۳  
۵۱۹  
۵۲۵  
۵۳۷  
۵۳۹  
۵۴۲  
۵۴۳  
۵۴۵  
۵۵۴  
۵۶۳  
۵۷۲  
۵۷۷

امام علی رضاؑ اور فرقہ واقفہ  
فرقہ واقفہ کے نمایاں افراد کے اقدامات  
امام علی رضاؑ اور حکومت وقت  
امام علی رضاؑ اور خلیفہ مامون  
امام علی رضاؑ کی ولی عہدی کے سیاسی اسباب  
حدیث سلسلۃ الذہب  
امام علی رضاؑ کی نماز عید کو روانگی  
امام علی رضاؑ اور علویوں کی فوجی مہمیں  
امام علی رضاؑ کے جوابات اور مناظرے  
امام علی رضاؑ کے زمانہ میں شریعت کی کیفیت  
امام علی رضاؑ کے اقوال اور نصائح  
امام علی رضاؑ کی شہادت  
امام محمد تقیؑ  
مامون کی بیٹی سے امام محمد تقیؑ کی تزویج  
امام محمد تقیؑ کی مدینہ واپسی  
امام محمد تقیؑ کے جوابات اور ارشادات  
امام محمد تقیؑ کی شہادت  
امام علی نقیؑ  
فقہ میں امام علی نقیؑ کا حصہ  
غالیوں کے بارے میں امام علی نقیؑ کا رویہ  
امام علی نقیؑ کے سامرا جانے کے اسباب  
امام علی نقیؑ کے پند و نصائح  
امام علی نقیؑ کی شہادت  
امام حسن عسکریؑ  
آپ کی امامت کی تصریحات  
امام حسن عسکریؑ کے ہمعصر فرماں روا  
امام حسن عسکریؑ کا عہد اور شیعیت  
امام حسن عسکریؑ کے جوابات اور مختصر کلمات  
امام حسن عسکریؑ کی شہادت  
امام محمد مہدیؑ



۵۸۰

مذاہب عالم میں مہدیؑ کا تصور

۵۸۶

بارھویں امام کے بارے میں اسلامی روایات

۵۹۳

ائمہ کرام اور امام مہدیؑ کی امامت و غیبت

۶۰۱

امام مہدیؑ اور ان کے چچا جعفر

۶۰۷

امام مہدیؑ کی غیبتِ صغریٰ اور نوابینِ اربعہ

۶۰۹

عثمان بن سعید عمری

۶۱۰

محمد بن عثمان عمری

۶۱۱

ابو القاسم حسین بن روح

۶۱۳

علی بن محمد السمری

۶۱۴

امام مہدیؑ کی سفارت کے جھوٹے مدعی

۶۱۵

حسین ابو محمد شریعی

۶۱۶

محمد بن نصیر نمیری

۶۱۶

احمد بن ہلال کرخی

۶۱۷

محمد بن ہلال

۶۱۷

محمد بن احمد بن عثمان عمری

۶۱۸

محمد بن علی بن شامفانی

۶۲۰

حسین بن منصور حلاج

۶۲۴

غیبتِ صغریٰ کے زمانے میں امام کے وکیل

۶۲۵

حاجز بن یزید

۶۲۵

محمد بن علی بن ہلال

۶۲۶

محمد بن ابراہیم بن ہزیار

۶۲۶

احمد بن اسحاق اشعری

۶۲۷

محمد بن صالح ہمدانی

۶۲۷

محمد بن جعفر اسدی

۶۳۰

داستانِ سرداب



## بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

سیرت ائمہ اہلبیتؑ کی پہلی جلد میں صحابیہ اولیٰ جَدَّہ ائمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ان کی نحتِ جگر جناب صدیقہ فاطمہ زہراؑ کی عظیم خدمات کا اعتراف کرنے اور ان دونوں کے اس حق کو ادا کرنے کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہر فرد پر ہے، ان مُخَدَّرَات کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز دو عظیم المرتبت اماموں یعنی امام علی بن ابی طالبؑ اور ان کے فرزند نواسہ رسولؐ امام حسنؑ کی سیرت اور ان کی زندگیوں میں پیش آنے والے واقعات کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اب اس دوسری جلد میں تیسرے امام سید الشہداء حسینؑ بن علیؑ سے لیکر بارہویں امام حجت منتظر تک کی سوانح حیات پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان واقعات کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے جو ان حضرات کو اموی اور عباسی فرمانرواؤں کے عہد میں پیش آتے رہے، کیونکہ اصلاح پسندوں اور انسانی بہبود کے لیے کام کرنے والوں پر ظلم و تشدد، ان دونوں ادوار کی تاریخ کا نمایاں ترین پہلو رہا ہے۔



# امام حسینؑ شہیدِ کربلا

حُسَيْنٌ مِّنِّيْ وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، اَللّٰهُمَّ اَحَبَّ مَنْ يُّحِبُّ حُسَيْنًا.  
حُسينؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اے اللہ دوست رکھ اس  
کو جو حسینؑ کو دوست رکھے

حضرت ابو عبد اللہ حسینؑ جو انانِ جنت کے سردار، باغِ مصطفیٰ کے پھول اور ان خمسہٴ نجباء میں کے ایک فرد ہیں جن سے اللہ نے ہر برائی کو دُور رکھا اور ان کو پوری طرح پاکیزہ قرار دیا ہے۔ نیز اکثر مفسرین، محدثین اور مؤرخین کے بیان کے مطابق نبی اکرمؐ نے ان کی معیت میں نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ فرمایا تھا۔ آپ اپنے نانا رسول اکرمؐ، اپنے والد امام علیؑ اور اپنے بھائی امام حسنؑ کی صراحت کے مطابق امام برحق تھے۔

آپ ۵ شعبان ۴ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ آپ اپنے بھائی حسنؑ کی ولادت سے ایک سال بعد فاطمہ زہراؑ کی آغوش میں آئے۔ پس نبی اکرمؐ تشریف لائے اور فرمایا: اے اسماء! میرے بیٹے کو لاؤ۔ تب اسماء نے ان کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرتؐ کے سپرد کر دیا۔ آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ان کے دامنے کان میں اذان اور بایں کان میں اقامت کہی۔ اسکے بعد آنحضرتؐ نے ان کو اپنی گود میں



لے لیا اور رونے لگے۔

اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں، آپ روکیوں رہے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں اس واقعہ پر رو رہا ہوں جو اس بچے کو میرے بعد پیش آنے والا ہے۔ اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی کہ جس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے ابوالحسن! کیا آپ نے اس کا نام رکھا؟ انھوں نے جواب دیا میں اس معاملے میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا۔ البتہ میری خواہش ہے کہ ان کا نام ”حرب“ رکھا جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم اس کا نام حسینؑ رکھ دو۔ پھر ساتویں روز آنحضرتؐ نے آپ کا عقیقہ فرمایا۔ اس کے لیے ایک مینڈھا ذبح فرمایا اور آپ کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ میں دی جیسا کہ اس سے پہلے آنحضرتؐ نے آپ کے بھائی حسنؑ کے لیے کیا تھا۔

بیشتر روایات میں آیا ہے کہ آپ نے اپنی مادر گرامی کا دودھ پیا نہ کسی دوسری عورت کا، بلکہ رسول اکرمؐ اپنا انگوٹھا آپ کے منہ میں دیدیتے تھے۔ پھر آپ اس کو اتنا چوس لیتے تھے کہ وہ آپ کو دو یا تین روز کے لیے کافی ہو جاتا۔

مناقب ابن شہر آشوب میں روایت ہے کہ حسینؑ کی ولادت کے بعد فاطمہ زہراؑ علیل ہو گئیں۔ تب رسول اکرمؐ نے چاہا کہ کوئی دوسری عورت آپ کو دودھ پلا دے لیکن کوئی بھی دودھ پلانے والی نہ تھی۔ پس آنحضرتؐ اپنا انگوٹھا آپ کے دہن مبارک میں دیدیا کرتے اور آپ اسی کو چوستے رہتے تھے۔ چنانچہ چالیس دن تک یہی آپ کی غذا رہی اور آپ کا گوشت رسول اکرمؐ کے گوشت سے پرورش پاتا رہا۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: میرے جد بزرگوار حسینؑ نے نہ فاطمہ زہراؑ کا دودھ پیا اور نہ کسی اور عورت کا۔ بلکہ رسول اکرمؐ اپنا انگوٹھا آپ کے دہن مبارک میں دیدیتے تھے۔ پھر آپ اس کو اتنا چوس لیتے کہ وہ آپ کو دو یا تین روز کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔

بحر حال اس میں شک نہیں کہ رسول اکرمؐ کبھی آپ کو اپنا انگوٹھا اور کبھی اپنی



زبان مبارک چساتے تھے، کیونکہ نہ آپ نے اپنی مادر گرامی کا دودھ پیا اور نہ کسی غیر عورت کا۔ پس آپ کے بچپن کے متعلق وہ روایات صحیح نہیں ہیں جو اس صورت واقعہ کے خلاف ہوں۔

روایات بتلاتی ہیں کہ امام حسینؑ کا بدن اور امام حسنؑ کا چہرہ سب سے زیادہ رسول اکرمؐ سے مشابہہ تھا۔ آپ کے قوی مضبوط اور قد میانہ تھا۔ لوگوں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی اور نہ دیکھا تھا۔ رسول اکرمؐ آپ سے بہت محبت رکھتے اور بے حد شفقت فرماتے تھے۔ آپ کے رونے سے آنحضرتؐ رنجیدہ ہو جاتے تھے، اس لیے بی بی فاطمہ زہراؑ کو آپ کا خیال رکھنے کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ کبھی آنحضرتؐ آپ کو اپنے ہاتھوں پر لے لیتے، کبھی کندھے پر بٹھا کر باہر لے جاتے تھے۔ جب آپ بیٹھتے تو حسینؑ کو اپنی گود میں لے رہتے تھے۔ اگر آپ آنحضرتؐ کے پاس سے ادھر ادھر جانے لگتے تو حضورؐ کی نظریں ان پر سے ہٹتی نہ تھیں۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ لوگوں سے خطاب کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے دیکھا کہ حسینؑ اپنی قمیص میں الجھ کر گر پڑے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فوراً منبر پر سے اتر کر آپ کو سنبھالا اور پھر اپنا خطبہ وہیں سے شروع کر دیا جہاں اس کو چھوڑا تھا۔ اس وقت آنحضرتؐ یہ بھی فرماتے جا رہے تھے کہ اولاد ذریعہ آزمائش ہے۔

پروفیسر احمد عاشور اپنی کتاب ”سید شباب اہل الجنة“ میں رقمطراز ہیں کہ: اگر آپ اہل سنت کی کتابوں میں صرف صحاح ہی کی ورق گردانی کریں تو آپ کو امام حسینؑ کی فضیلت میں دسیوں ایسی حدیثیں مل جائیں گی جو آپ کی منزلت اور آپ سے رسول اکرمؐ کی محبت کو ثابت کرتی ہیں بلکہ آپ کو ان کتابوں میں دسیوں ایسے اشارے اور قرینے بھی ملیں گے جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو ان بیشتر مصیبتوں و شواہدوں اور آزمائشوں سے آگاہ کر دیا تھا، جو امام حسینؑ کو اپنی زندگی میں پیش آنے والی تھیں۔ پس یہ امر بھی یقینی تھا کہ آنحضرتؐ کربلا کے مقام پر ہونیوالی خونریزی اور دوسرے مصائب سے آگاہ کر دیتے۔ چنانچہ آپ نے بعض موقعوں پر اپنے اصحاب کو اس



کے متعلق بتلایا بھی دیا تھا۔ جیسا کہ زہیر بن قین کے طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ جب امام حسینؑ کر بلا کی جانب سفر فرما رہے تھے تو آپؑ نے زہیر بن قین سے ملاقات فرمائی۔ زہیر عثمانی مسلک پر تھے اور حج کر کے واپس جا رہے تھے۔ جب امام حسینؑ اپنی سواری کو ان کی سواری کے قریب لائے تو زہیر بن قین نے بیان کیا کہ: ایک مرتبہ ہم لوگ سلمان فارسیؑ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک تھے۔ اس میں اللہ نے ہم کو فتح عطا کی اور بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس وقت سلمان نے ہم لوگوں سے کہا، اگر تم کو سید شباب اہل الجنة (یعنی امام حسینؑ) کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے کا موقع مل جائے تو اس جنگ میں شرکت پر تم اس سے زیادہ خوش ہو گے جتنا آج یہ مال غنیمت حاصل ہونے سے خوش ہوئے ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ سلمان فارسیؑ کو مستقبل میں ہونیوالے واقعات کا علم ہو ہی نہیں سکتا تھا تا وقتیکہ نبی اکرمؐ نے ان کو بتایا نہ ہو۔

× راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ جب امام علیؑ کر بلا سے گزرے تو آپؑ نے وہاں بڑیک توقف فرمایا۔ وہاں آپؑ نے گریہ فرماتے ہوئے ان واقعات کا ذکر کیا جو اس مقام پر آپؑ کی اولاد کو پیش آئی ہوالے تھے جبکہ آنحضرتؐ کو یہ علم وحی کے ذریعے سے حاصل ہوا تھا۔ جیسے بی بی ام سلمہؓ نے اور ان کے حوالے سے دوسرے راویوں نے کر بلا میں ہونیوالے واقعات بیان کیے ہیں کہ: جب جبریلؑ نے رسول اکرمؐ کو کر بلا میں ان کے بیٹے حسینؑ پر گزرنے والے واقعات کی اطلاع دی تو آنحضرتؐ نے کر بلا کی ایک مٹھی بھر خاک ان معظّمہ کو دی اور ان کو بتلایا کہ: حسینؑ کے قتل ہونے کے وقت یہ مٹی جوش مارتا ہوا خون بن جائے گی۔ پھر ایک مدت کے بعد جب امام حسینؑ سفر عراق پر چلے تو آپؑ بی بی ام سلمہؓ سے رخصت ہونے آئے تب انہوں نے امامؑ کو بھی یہ حدیث سنائی۔ امامؑ نے اس خبر کی تصدیق کی اور پھر آپؑ نے بھی ان کو کر بلا کی مٹی دی۔ چنانچہ جب سے امام حسینؑ عراق کی جانب روانہ ہوئے تھے، وہ معظّمہ اس مٹی کا بہت دھیان رکھتی تھیں۔ یہاں تک کہ محرم کی دسویں تاریخ کو جب انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اس مٹی پر نظر کی تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ خون تازہ کی مانند جوش مار رہی ہے۔ اسی طرح کی بہت سی روایات کے مطابق وہ بی بی ام سلمہؓ ہی ہیں کہ جن کو حجاز



میں سب سے پہلے امامؑ کے قتل کا علم ہوا۔ حالانکہ ان روایات میں سے بیشتر وہ ہیں جن پر خاص طور پر تحقیق نہیں کی گئی۔

بہر حال حسینؑ سات سال یا (تاریخ ولادت میں اختلاف کے لحاظ سے) اس سے کچھ کم عرصے تک اپنے نانا رسول اللہؐ کے زیر سایہ رہے۔ آنحضرتؐ نے آپ کا نام حسینؑ رکھا جیسا کہ اس سے قبل آپ کے بھائی کا نام حسنؑ رکھا تھا۔ آپ انہی کی تربیت میں رہے، یہاں تک کہ آنحضرتؐ اپنے رب سے جاملے۔ پس کم سنی کے باوجود آپ کے ذہن شریف پر ہر وہ شے نقش ہوتی رہی جو آنحضرتؐ کے قول و فعل سے ظہور میں آتی تھی۔ گویا آپ اپنے جد بزرگوار سے پہلے کسی اور سے واقف نہیں ہوئے، نہ آپ کو آنحضرتؐ کی شفقت سے پہلے کسی انسان کی شفقت ملی۔ وہ آپ کو اپنی زبان مبارک چسا چسا کر اتنی غذا بہم پہنچا دیتے تھے جو راولیوں کے بقول آپ کو دو یا تین روز کے لیے کافی ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کا بدن مضبوط ہو گیا اور آپ کے عظیم ذہن میں رسالت کے علوم اور مقاصد کے لیے اتنی وسعت پیدا ہو گئی کہ وہ روحانیت اس میں پوری طرح رچ بس گئی۔ آپ کے جد بزرگوار نے بارہا آپ کے متعلق فرمایا: **حُسَيْنٌ مِّنِّيْ وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ** یعنی حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

براء بن عازب سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے نبی اکرمؐ کو دیکھا کہ حسینؑ کو اپنے کندھے پر لیے ہوئے یہ فرما رہے ہیں: **بارِ الہا! میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کو بھی جو اس کو محبوب رکھے! اپنے جد بزرگوار کے بعد آپ اپنے والد عالی قدر کی تربیت میں آگئے۔ اس وقت آپ اپنی عمر کے ساتویں سال میں تھے۔ آپ اپنے والدین کے اس رنج میں شریک رہے جو ان کو رسول اکرمؐ کے انتقال اور پھر آپ کے الوداعی کو خلافت سے محروم رکھے جانے پر لاحق ہوا تھا۔ نیز آپ نے دیکھا کہ ان چند مہینوں کے دوران جبکہ آپ کی والدہ گرامی آپ کے جد بزرگوار کے بعد زندہ رہیں، ان کو اپنے والد کے فراق میں قرار نہ آتا تھا۔ وہ رات دن آنحضرتؐ کے لیے روتی رہتی تھیں لیکن اس تاریک فضا میں بھی انہوں نے قوم سے ان چیزوں کا مطالبہ کرنے میں جھجک محسوس نہ کی جو ان لوگوں نے ان سے اور ان کے شوہر سے چھین لی تھیں۔ وہ ان کے سامنے اپنے حق میں مضبوط اور محکم دلیلیں پیش**



کیا کرتی تھیں۔ مگر وہ لوگ ان پر ظلم ڈھانے اور ان کے حقوق غصب کرنے پر مجھے ہی رہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک آپہنچی کہ راویوں کے بقول ان لوگوں نے بی بی کے گھر پہلہ بول دیا اور اس گھر کو اس کے مکینوں سمیت جلا دینے پر تیار ہو گئے۔

ابو عبد اللہ حسینؑ اپنے اس لڑکپن میں یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ چنانچہ آپ رنج سے پیچ و تاب کھاتے اور ان واقعات کی تلخی کو محسوس فرماتے تھے۔ آپ اپنے پدر عالی قدر اور برادر عزیز کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ آپ کی مادر گرامی کا انتقال ہو گیا۔ اب تو آپ کا غم دو چند ہو گیا اور آپ کے ذہن پر اس کا شدید اثر ہوا لیکن صبر اور استقامت میں اپنے والد بزرگوار کی پیروی فرماتے رہے۔ آپ نے اپنے والد اور بھائی کی طرح اپنی زندگی کا یہ مرحلہ اللہ کی مشیت اور اس کے فیصلے پر بڑے اطمینان اور حوصلے کے ساتھ طے کیا۔ آپ تیس سال سے زیادہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے۔ جبکہ آپ خلوص قلب سے اپنے جدا مجد کی رسالت کے معتقد تھے۔ باطل اور اہل باطل سے نفرت فرماتے اور ظالموں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ آپ دین کے معاملہ میں نہ کسی سے مصالحت فرماتے نہ کسی کی بے جا طرفداری کرتے تھے۔ دنیا کی فتنہ انگیزیاں اور دلفریبیاں آپ کو بھٹکانہ سکتی تھیں۔ اگر کوئی کسی پر زیادتی کرتا تو آپ کو جوش آجاتا تھا۔ کمزوروں کی فریاد اور پریشان حالوں کی پکار پر آپ انکے حق میں آواز بلند کرتے جس سے ظالموں اور جابروں کی خوابگاہوں میں ہلچل پڑ جاتی تھی۔

آپ کا قول یہ تھا: آگاہ ہو جاؤ کہ میں موت کو خوش بختی سمجھتا ہوں اور اس کے مقابل ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو ایک گناہ تصور کرتا ہوں۔

تمام مؤرخ اور راوی اس امر پر متفق ہیں کہ آپ ذاتی فضیلت، اخلاقی برتری اور حسن عمل میں مثالی حیثیت کے حامل تھے۔ آپ اس وسیع علم سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے جو آپ کو اپنے جدا مجد اور پدر عالی قدر سے ورثے میں ملا تھا۔ آپ اقوال سے پہلے اعمال میں پیش پیش رہتے تھے۔ اپنے مال کو ناداروں اور حاجتمندوں پر صرف کرنے میں سخی اور متواضع تھے۔ آپ حق کی نصرت فرماتے اور برائیوں سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ آپ صبرِ بردباری، عفتِ مروت اور خدا ترسی سے آراستہ تھے۔ آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور



سب سے زیادہ دنیا اور اس کی لذتوں سے روگرواں تھے۔

”آپ دنیا اور اس میں انسان کی حیثیت کے بارے میں کلام فرماتے تو کہتے: ”اے بندگانِ خدا! اللہ سے ڈرو اور دنیا (کے فریب) سے خبردار رہو۔ کیونکہ اگر وہ کسی کے لیے سدا باقی رہتی یا کوئی اس میں ہمیشہ رہتا تو اس کا سب سے زیادہ حق انبیاء کو تھا اور وہی اس سے بہرہ یابی کے سب سے زیادہ سزاوار تھے لیکن اللہ نے دنیا کو آزمائش کے لیے خلق کیا ہے اور اس کے باشندوں کو ایک مقررہ مدت کے لیے پیدا کیا ہے۔ پس اس کی نئی سے نئی چیزیں بوسیدہ ہو جانے والی ہیں۔ اس کی نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں اور اس کی خوشیاں زائل ہو جانے والی ہیں۔ تم لوگوں کو چاہیے کہ آخرت کے لیے سامانِ سفر مہیا کر لو اور بہترین سامان اللہ کا خوف ہے۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو کہ تم اسی سے فلاح پاؤ گے“

مختصر یہ کہ امام حسینؑ کا کلام شرافت، قربانی اور فداکاری کے جذبات و احساسات سے بھرا ہوا ہے۔ چنانچہ آپ اصلاح چاہنے والوں، تاریخ کی عظیم ہستیوں اور ظلم و بکشتی کے خلاف برسرِ پیکار رہنے والوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ آپ کی باشرف اور پاکیزہ زندگی، ہر اصلاح چاہنے والے، ظلم اور ظالموں سے مقابلہ کرنے والے نیز ہر اس صاحبِ فضیلت شخص کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ اور عمدہ مثال بنی رہے جو ظالموں کے چنگل میں ذلت کے ساتھ زندہ رہنے کے مقابلے میں اپنی گردن تلوار کی دھار پر رکھ دینے کو ترجیح دیتا ہو۔ چنانچہ آپ کی زندگی بھی اسی طرح تمام ہوئی کہ تلواریں آپ کے جسم کو پارہ پارہ کر رہی تھیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہی کلمات جاری تھے: ”میں اپنے آپکو ذلیل فرد کی طرح تمہارے حوالے نہیں کروں گا اور نہ میں تمہارے ساتھ ایک غلام کی مانند زندہ رہوں گا“

اسی لیے آپ دلیری و فداکاری کا ایسا باشرف اور پاکیزہ نمونہ عمل بنے رہے اور بنے رہیں گے جس کے اثرات و خصوصیات سے انسانیت کی طویل تاریخ میں آنے والی تمام نسلیں تقویت حاصل کرتی رہیں گی۔



اب امام حسینؑ کی سیرت بیان کرنے کا موقع آگیا ہے۔ پس ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے تمام مراحل کو تیزی سے طے کر لیں۔ پھر اللہ سے امید کریں کہ ہم کو بھی ان کی سیرت طیبہ سے حق جوئی، حق کو شہی، سخاوت اور قربانی کا وہی جذبہ حاصل ہو جو سید الشہداءؑ کے دل میں تھا۔

امام حسینؑ چار خلفاء کے عہد میں | ہم امام حسینؑ کی ولادت اور آپ کے جد امجد رسول اکرمؐ کے ساتھ آپ کی زندگی پر ہلکی سی

روشنی ڈال چکے ہیں لیکن تاریخ ہم کو پہلے خلیفہ کے زمانہ میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتاتی۔ شاید اس وجہ سے کہ آپ اس وقت کم سن تھے اور حضرت ابوبکر صرف دو سال کے قریب خلیفہ رہے جبکہ ان کی وفات کے وقت امام حسینؑ اپنی عمر کے نوے سال میں تھے۔ البتہ حضرت عمر بن خطاب کی خلافت کے دوران میں ہر تلاش کرنے والے کو امام حسینؑ کی سیرت کے متعلق کہیں کہیں تھوڑا سا مواد مل جائے گا۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب کی خلافت کے ابتدائی زمانے کے متعلق امام حسینؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں حضرت عمر کے پاس گیا تو وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے تھے اور مسلمان ان کے چاروں طرف جمع تھے۔ میں لوگوں میں سے گزرتے ہوئے ان کے قریب پہنچا اور ان سے کہا: میرے باپ کے منبر پر سے اتر جاؤ اور اپنے باپ کے منبر پر بیٹھو۔ اس پر وہ مسکراتے ہوئے بولے: میرے باپ کا کوئی منبر نہیں ہے اور قسم بخدا یہ منبر آپ کے والد بزرگوار ہی کا ہے۔ پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو اپنے برابر میں بٹھالیا۔ جب وہ منبر پر سے اترے تو مجھ کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں لے گئے جہاں انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ: آپ کو یہ بات کس نے سکھائی تھی۔ میں نے کہا: بخدا یہ بات مجھ کو کسی نے نہیں سکھائی۔ تب وہ کہنے لگے: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ کاش کہ میں اپنے حواس میں نہ رہوں! پھر ایک روز میں ان کے ہاں گیا۔ وہ معاویہ کے ساتھ تنہائی میں باتیں کر رہے تھے اور ان کا بیٹا عبداللہ دروازے پر کھڑا تھا۔ چنانچہ جب وہ وہاں سے چلا گیا تو میں بھی اس کے ساتھ ہی واپس ہو گیا۔ اس کے بعد



میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے: جب آپ مجھ سے مل کر گئے تھے دوبارہ میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں۔ تب میں نے ان کو بتلایا کہ میں آپ کے پاس آیا تو تھا لیکن آپ معاویہ کے ساتھ تنہائی میں محو گفتگو تھے۔ البتہ آپ کے فرزند عبداللہؑ دروازے پر کھڑے تھے میں بھی ان کے ساتھ ہی واپس چلا گیا تھا۔ اس پر وہ کہنے لگے: آپ میرے بیٹے سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ یہ جو (نشان حکمرانی) آپ ہمارے سروں پر دیکھتے ہیں یہ اللہ کا اور پھر آپ کے گھرانے ہی کا دیا ہوا ہے۔

مذکرۃ الخواص وغیرہ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ اور حسینؑ سے محبت کرتے اور ان کو اپنے بیٹوں پر مقدم قرار دیتے تھے۔ ایک روز انھوں نے مال تقسیم کیا تو حسنؑ و حسینؑ کو دس دس ہزار درہم دیے اور اپنے بیٹے عبداللہؑ کو ایک ہزار دیے۔ تب ان کے بیٹے نے ان سے شکایت کی اور کہا: آپ اسلام میں میری سبقت اور رسول اکرمؐ کی طرف میری ہجرت سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان دونوں صاحبزادوں کو مجھ پر افضل قرار دیتے ہیں۔ اس پر انھوں نے کہا: اے عبداللہؑ وائے ہو تجھ پر، ذرا ان دونوں کے سے نانا، ان دونوں کے سے باپ، ان دونوں کی سی ماں، ان دونوں کے سے ماموں، ان دونوں کے سے چچا اور ان دونوں کی سی پھوپھی تو لے کر آؤ، کیونکہ ان کے نانا رسول اکرمؐ، ان کے باپ علیؑ بن ابی طالب، ان کی ماں فاطمہ زہراؑ، ان کی نانی خدیجہ بنت خویلد، ان کے ماموں ابراہیم بن رسول کریمؐ، ان کے چچا جعفر طیار اور ان کی پھوپھی ام ہانی بنت ابی طالب ہیں۔

تاریخ ابن عساکر میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے حسنؑ اور حسینؑ کے لیے وہی روزینہ مقرر کیا جو ان کے والد بزرگوار کے لیے مقرر کیا تھا۔ نیز عطایا کے معاملہ میں بھی ان دونوں کو اہل بدر میں شامل کر دیا۔ ایک مرتبہ یمن کے گورنر نے کچھ حلے بھیجے جو انھوں نے تقسیم کر دیے لیکن ان میں سے حسنؑ و حسینؑ کو کچھ نہیں دیا۔ لوگ وہ لباس پہن کر خوش ہونے لگے۔ اتنے میں حسنؑ و حسینؑ اپنی مادر گرامی کے مکان سے نکلے جو مسجد سے ملا ہوا تھا۔ ان کو دیکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ رنجیدہ ہو کر اپنے چاروں طرف کے لوگوں سے کہنے لگے:



میں نے انصاف نہیں کیا، کیونکہ تم کو یمن کے حلے پہننے کو دیے اور ان دونوں صاحبزادوں کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے یمن میں اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ حسن و حسینؑ کے لیے جلدی سے دو حلے بھیج دے، چنانچہ گورنر نے دو حلے بھیجے۔ تب انہوں نے وہ ان دونوں شہزادوں کو پہنا کر کہا: اب میرا دل خوش ہو گیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ان کے پاس اولاً جو حلے آئے تھے، ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان دونوں بھائیوں کے لیے مناسب ہوتا۔ چنانچہ انھوں نے یمن کے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ دوا ایسے حلے بھیجے جو ان دونوں کے لیے موزوں ہوں۔

تاریخ کی کتابوں میں اس بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ آپؐ نے روم اور فارس کے ساتھ مسلمانوں کی جنگوں میں شرکت فرمائی ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں آپؐ ابتداءً شباب کی منزل سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آپؐ پورے شباب کو پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ آپؐ اور آپ کے بھائی حسنؑ عملی زندگی میں عام لوگوں کے ساتھ شریک ہونے لگے تھے جیسا کہ افریقہ اور فارس کے بعض معرکوں میں بھی شریک ہوئے تھے۔

ابن خلدون یہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفانؓ نے عمر بن العاصؓ کو مصر کی گورنری سے علیحدہ کر دیا تو وہاں اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سرحؓ کو مقرر کیا اور اس کو اہل افریقہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی عقبہ بن نافع بن عبد القیس اور عبداللہ بن نافع بن حرث کو لشکر پر امیر مقرر کیا۔ یہ لوگ افریقہ کی طرف بڑھے لیکن وہاں کے لوگوں نے خراج دینے کے وعدہ پر ان سے صلح کر لی۔ البتہ وہاں کی کثیرا فرادی قوت کی وجہ سے مسلمان پیش قدمی نہیں کر سکے۔ اس کے بعد ابن سرحؓ نے افریقہ میں پیش قدمی کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ سے اجازت طلب کی۔ اس نے یہ بھی درخواست کی کہ لشکر میں اضافہ کیا جائے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو انھوں نے لشکر کشی کے حق



میں رائے دی۔ چنانچہ خلیفہ نے مزید فوج وہاں بھیج دی۔ جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن جعفر اور حسنؑ و حسینؑ بھی شامل تھے۔<sup>۱</sup>

طبری اور ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ امام حسینؑ نے طبرستان کے نواح میں اہل فارس کے ساتھ مسلمانوں کی جنگوں میں شرکت فرمائی۔<sup>۲</sup> جیسا کہ دونوں کتابوں میں ہے کہ: ۳۰ھ میں سعید بن عاص نے طبرستان پر فوج کشی کی۔ حالانکہ وہاں کے بادشاہ، اجہید نے عمر بن خطاب کے زمانے میں مسلمانوں کو ہر سال کچھ مال دینے کی شرط پر سوید بن مقرن سے صلح کر لی تھی۔ تاہم جب سعید بن عاص حضرت عثمان کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے اجہید پر فوج کشی کر دی۔ اس وقت صحابہ کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہو گئی۔ جس میں حسنؑ و حسینؑ، عبداللہ بن عباس اور مہاجرین و انصار کی اولاد میں سے کچھ افراد تھے۔ یہ غازی جرجان اور ہماوند وغیرہ تک بڑھتے چلے گئے۔ تب یہ سارے علاقے ان کے آگے سرنگوں ہوتے چلے گئے۔ البتہ مورخوں کی ایک جماعت نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی ان جنگوں میں حسنؑ و حسینؑ کی شرکت کا ذکر نہیں کیا جو اس وقت کامیابیوں سے ہمکنار ہوتی رہیں۔ حتیٰ کہ افریقہ، طبرستان اور اس کے نواح کے معرکوں میں بھی ان دونوں بھائیوں کی شرکت کو اسی طرح نظر انداز کر دیا ہے جس طرح بعض دوسرے تاریخی حقائق پر غبار ڈالا ہے لیکن صرف شرکت کے نظر انداز کرنے ہی پر معاملہ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے تو ان جنگوں میں حسینؑ کی شرکت کا معاملہ ہی شک میں پڑ جاتا ہے حالانکہ اہلبیتؑ کی تاریخ، دین اسلام کی خاطر قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔

بعض مورخین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے بھائی امام حسنؑ حضرت عثمان کو مظاہرین سے بچانے میں شریک رہے۔ امام علیؑ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ انکے

۱۔ احمد بن خالد ناصری سلاوی۔ استقصاء الاخبار المغرب الاقصیٰ۔ جلد ۳۹ صفحہ ۳۹۔ تاریخ طبری

جلد ۵ صفحہ ۵۷-۵۸۔ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ کتاب العبر صفحہ ۱۳۴-۱۳۵



دروازے پر کھڑے رہیں اور شورشیوں کو ان پر حملہ کرنے سے روک رکھیں۔ بعض مورخ اس پر یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ: مظاہرین حضرت عثمان تک اس دروازے سے جاتے ہوئے ڈرے جس پر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کھڑے تھے، اسی لیے وہ لوگ دیوار پھاند کر حضرت عثمان تک جا پہنچے اور ان کا خاتمہ کر دیا۔ میں اس معاملے میں حسنؑ و حسینؑ کے طرز عمل کے بارے میں اس کتاب کی پہلی جلد میں حضرت عثمان اور ان کی حکومت کے خلاف خروج کے سلسلے میں اس قسم کی روایات پر تبصرہ پیش کر چکا ہوں، اس لیے اب اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امام حسینؑ اپنے والد بزرگوار کی خلافت کے زمانے میں تمام سیاسی، فوجی اور انتظامی معاملات میں شریک رہے۔ البتہ خود امام علیؑ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ آپ اور آپ کے بھائی حسنؑ قتال میں حصہ نہ لیں۔ چنانچہ آپ جنگ میں اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو آگے رکھتے تھے۔

اسی بنا پر محمد بن حنفیہ سے کہا گیا کہ آپ کے والد بزرگوار کیوں آپ ہی کو خطرے میں ڈالتے ہیں جبکہ حسنؑ اور حسینؑ کو خطرے میں نہیں ڈالتے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ وہ دونوں ان کی آنکھیں ہیں اور میں ان کا دست راست ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ایک اور موقع پر امیر المومنینؑ سے کہا گیا کہ آپ محمد بن حنفیہ کو قتال کرنے کی اجازت کیوں دیدیتے ہیں حالانکہ آپ حسنؑ اور حسینؑ کو روکتے رہتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں میری آنکھیں ہیں اور محمد میرا ہاتھ ہے۔ پس میں ہاتھ سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتا ہوں۔

صفین میں قرآن کے نیروں پر بند کیے جانے اور ہنگامہ تحکیم کے بعد امیر المومنینؑ جب کوفہ واپس پہنچے تو آپ نے کسی کو یہ کہتے سنا: ان کو چاہیے تھا کہ جو لوگ انکی اطاعت میں تھے ان کی معیت میں جنگ جاری رکھتے، یہاں تک کہ فتح یا بربت ہو جاتے یا قتل ہو جاتے۔ اس پر آپ نے فرمایا: یہ خیال میرے ذہن سے باہر نہیں تھا۔ میں تو خود ہی دنیا میں اپنے کو قیدی سمجھتے ہوئے موت کو اپنے لیے خوشگوار پاتا تھا۔ میں نے تو یہ ارادہ بھی کیا کہ دشمن کے خلاف اقدام کروں لیکن جب میں نے حسنؑ و حسینؑ کو دیکھا کہ یہ مجھ سے بھی آگے ہیں، پھر میری نظر جو عبداللہ بن جعفر اور محمد بن حنفیہ پر پڑی کہ وہ بھی میرے ساتھ بڑھ رہے ہیں



تب میں سمجھ گیا کہ اگر حسینؑ قتل ہو گئے تو اس امت سے رسول اکرمؐ کی نسل نابود ہو جائے گی۔ پھر ان دونوں کے متعلق میں نے ایسا خیال کیا کہ اگر یہ مر گئے اور مجھ کو دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا تو میں ان سے ضرور مقابلہ کروں گا خواہ میرے ساتھ فوج بھی نہ ہو۔

اسد الغابہ میں شفیق بن سلمہ سے روایت ہے کہ خوارج یا بیعت شکنوں کے ساتھ کسی جنگ میں حسینؑ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے۔ آپ میدان میں آئے اور آواز دی کہ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا! آپ کی آواز پر آل ذی لعوہ کا ایک شخص جس کا نام زبرقان بن سلم تھا، مقابلے کے لیے آیا جو نہایت قوی اور بہادر تھا۔ اس نے امام حسینؑ سے کہا: تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں حسینؑ بن علیؑ ہوں۔ اس پر زبرقان بولا: اے بیٹے واپس چلے جاؤ۔ قسم بخدا! ایک روز میں نے رسول اکرمؐ کو دیکھا جبکہ وہ ایک سرخ اونٹنی پر قبائے آرہے تھے۔ اس وقت میں نے تم کو ان کے آگے بیٹھے دیکھا تھا۔ پس میں تمہارے خون میں ہاتھ رنگ کر رسول کریمؐ سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا۔ پھر وہ خود ہی آپ کے سامنے سے چلا گیا۔

**امیر المومنینؑ کی امام حسینؑ کے لیے وصیت**

رادمی بیان کرتے ہیں کہ جب ابن ملجم نے امیر المومنینؑ کو تلوار

سے گھائل کر دیا پھر آپ کو اپنے مکان میں لے جایا گیا تو آپ کو غش پر غش آرہے تھے۔ چنانچہ اس رات کہ جس میں آپ نے شہادت پائی، آپ کے سب بیٹے آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت آپ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی امامت کا اعلان فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے دوسرے بیٹوں کو ان دونوں کی فرمانبرداری کا حکم دیا۔ تب آپ نے ان دونوں سے فرمایا: میں تم دونوں کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تم دنیا کی خواہش نہ کرنا خواہ وہ تمہارے پیچھے پڑی رہے۔ دنیا کی جو چیز تم سے لے لی جائے اس پر افسوس نہ کرنا۔ مظلوم کے مددگار اور ظالم کے مخالف رہنا۔ پھر آپ



نے اپنے دوسرے بیٹوں اور بنی ہاشم کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہہ کر مسلمانوں کا خون بہانے لگو کہ امیر المومنینؑ قتل کر دیے گئے ہیں۔ میرے قصاص میں میرے قاتل کے علاوہ کسی اور کو مت مارنا۔ میری موت جو کہ مقرر ہے، اگر اسی ضربت سے واقع ہو جائے تو تم لوگ بھی اس کو ایک ضربت کے بدلہ میں صرف ایک ہی ضربت لگانا۔ اس آدمی کے اعضاء قطع نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اکرمؐ کو یہ کہتے سنا ہے: خبردار! کسی کے اعضاء قطع مت کرنا، خواہ وہ کاٹنے والا کتنا ہی کیوں نہ ہو۔

ابو منصور ثعلابی کی الاعجاز والایجاز میں ہے کہ آپ نے امام حسینؑ کو یوں وصیت فرمائی: ”اے بیٹے! وہ برائی برائی نہیں جس کے بعد جنت حاصل ہو جائے اور وہ اچھائی“ اچھائی نہیں جس کے بعد نار جہنم ملے۔ جنت کے علاوہ ہر نعمت وقتی ہے اور جہنم کے علاوہ ہر مصیبت عاقبت ہے۔ میرے بیٹے! جان رکھو کہ جو کوئی اپنے عیب دیکھتا رہتا ہے وہ دوسروں سے بے نیاز رہتا ہے۔ جو کوئی اللہ کے دیے ہوئے پر مطمئن رہتا ہے وہ کسی چیز کے نہ ملنے پر رنجیدہ نہیں ہوتا۔ جو بغاوت میں تلوار اٹھاتا ہے وہ اسی سے قتل ہو جاتا ہے۔ جو کوئی اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، خود اسی میں گر پڑتا ہے۔ جو کوئی دوسرے کا پردہ چاک کرتا ہے، وہ اپنے ہی گھر کی پوشیدگی لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔ جو اپنی خطاؤں کو بھول جاتا ہے وہ دوسروں کی خطاؤں کو بڑا سمجھتا ہے۔ جو مشکلوں سے دب جاتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ جو سمندر میں پھاند پڑتا ہے، وہ ڈوب جاتا ہے۔ جو اپنی رائے کو بہترین مانتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ جو عقل سے کام نہ لے وہ ذلت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ جو دوسروں پر بڑائی جتاتا ہے وہ نور ہی خوار ہوتا ہے۔ جو دوسروں کو گالی دیکارہ خود بھی گالی کھائیگا۔ جو برائی کے مقامات پر جائیگا وہ بدنام ہو جائے گا۔ جو کمینوں سے ملے جلے گا وہ حقیر ہو جائے گا۔ جو علماء کی صحبت اختیار کرے گا وہ عزت پائے گا۔“

”اے بیٹے! انسان کی خود پسندی عقل کی کمزوری کی پہچان ہے۔ تم اپنے آپ کو اس چیز سے بچائے رکھو جو تم دوسرے میں ناپسند کرتے ہو۔ تمہارے بایوں کے تمہارے اوپر وہی حقوق ہیں جو تمہارے ان کے اوپر ہیں۔“

اس کے علاوہ امیر المومنینؑ کی دی ہوئی اور نصحتیں اور ہدایات ہیں جو حدیث



اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں ملتی ہیں۔

**امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ** | امیر المومنینؑ نے اپنے بیٹے حسنؑ کو امامت کا منصب تفویض فرمایا اور

تبرکات نبوت ان کے سپرد کر دیے۔ نیز امام حسینؑ اور اپنے دوسرے بیٹوں کو ان کی اطاعت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ امام حسینؑ ان تمام معاملات میں جو ان کے بھائی حسنؑ کو درپیش ہوئے، ان کے ساتھ رہے۔ دونوں بھائیوں میں ان تمام تدبیروں کے بارے میں مکمل اتفاق رائے رہا جو امام حسنؑ نے اہل عراق کی کنارہ کشی، معاویہ کی چالوں اور جاسوسی کی کارروائیوں کے مقابلہ میں اختیار فرمائیں کیونکہ لشکر عراق کی اکثریت، معاویہ بن ابی سفیان اور ان کی ہمنوا جماعت کے زیر تصرف تھی۔ یہ بات امام ابو عبد اللہ حسینؑ سے چھپی ہوئی نہیں تھی کہ امام حسنؑ معاویہ سے جنگ کرتے تو نتیجہ معاویہ کے حق میں ہوتا۔ ہاں وہ جنگ اس طرح ختم ہوتی کہ امام حسنؑ، امام حسینؑ دیگر بنی ہاشم اور ان کے پرخلوص ساتھی قتل ہو جاتے یا قیدی بنالیے جاتے۔ جیسا کہ امام حسنؑ کی مختصر سی مدت خلافت کے ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے، جن کا ذکر ہم امام حسنؑ کی سیرت میں کر کے یہ واضح کر چکے ہیں کہ امام حسنؑ کے موقف پر کسی طرح کا شک کرنے یا آپ پر کوئی الزام لگانے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، اس بارے میں جو روایات بیان کی ہیں کہ امام حسنؑ نے معاویہ کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا تھا، امام حسینؑ اس کو پسند نہ فرماتے تھے جیسا کہ اسد الغابہ میں ہے کہ امام حسینؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا: میں آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ آپ معاویہ کی بات کی تصدیق اور اپنے والد بزرگوار کی بات کی تکذیب نہ فرمائیے۔ اس پر امام حسنؑ نے ان سے فرمایا کہ تم چپ رہو۔ میں اس معاملے کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں یا ابن اثیر نے البدایہ والنہایہ میں بیان کیا ہے کہ امام حسنؑ نے فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ میں تم کو ایک مکان میں نظر بند کر دوں تاہینکہ میں یہ کام اپنے طور پر انجام دیکر فارغ ہو جاؤں۔ اس کے بعد تم کو وہاں سے باہر نکالوں۔ نیز ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ امام حسنؑ نے ان سے فرمایا: قسم بخدا جب بھی میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں



تم اس کی مخالفت کرنے لگتے ہو۔ اسی طرح وہ تمام واقعات اور پیچیدگیاں کہ جو امام حسنؑ کے موقف پر اثر انداز ہوئیں اور جن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں، ان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان روایات کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے۔ علاوہ بریں امام حسینؑ ان سب معاملات اور ان کے اسباب پر اس زمانے کے ان نمایاں افراد سے کہیں زیادہ وسعت فکر و نظر کے حامل تھے جو امام حسنؑ کے اس عاقلانہ موقف کو قدر کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار باقی نہیں رہا تھا۔ پھر امام حسینؑ کی شان تو یقیناً اس سے بلند تھی کہ ان سے اپنے بھائی کے افعال کی وہ مصلحت مخفی رہتی جسے دوسرے افراد بخوبی سمجھ رہے تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے ان دونوں اماموں کے مابین اختلاف کا افسانہ تیار کیا، میرے خیال میں وہ یہ چاہتے تھے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک پر کوئی نہ کوئی الزام ضرور تھوپ دیں، خواہ وہ غلط ہی ہو کیونکہ وہ لوگ ان دونوں بھائیوں کی مشکلات اور حادثات میں گھری ہوئی، مگر بے عیب زندگی میں کوئی فکری خامی یا کوئی عملی غلطی نکالنے سے قاصر رہے تھے تاہم اپنے بھائی کے موقف سے امام حسینؑ کے اختلاف کا لازمی نتیجہ ہی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ضرور غلطی پر تھا یعنی جب ایک کی رائے اور طریقہ عمل دوسرے کی رائے اور طریقہ عمل سے مختلف ہو تو پھر یہ بات قرین عقل نہیں ہے کہ وہ دونوں ہی صحیح ہوں۔ جن لوگوں نے ان دونوں اماموں کے مابین اختلاف کا افسانہ گھڑا اور اپنے بھائی کے متعلق اس موقف کو امام حسینؑ سے منسوب کیا۔ شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ صرف آپ ہی کو غلطی پر قرار دیں۔ وہ اس دلیل سے کہ جو کچھ امام حسنؑ نے کیا وہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے تھا اور اس سے رسول اکرمؐ کے اس قول کی تصدیق ہوتی تھی، جسے ابو بکرؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: بے شک یہ (حسنؑ) سردار ہے اور خدا اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کروادے گا۔ پس ان لوگوں کے خیال کے مطابق اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ نہ تو حسینؑ اپنے بھائی کے عہد میں صحیح موقف پر تھے اور نہ وہ اپنی انقلابی تحریک میں صحیح موقف پر تھے۔ گویا کہ ان لوگوں کے خیال کے مطابق، آپ مسلمانوں کی مصلحت کو سمجھ پانے سے قاصر رہے تھے۔

بہر حال میری رائے یہ ہے اور دسیوں ثبوت اس کی تائید کرتے ہیں کہ یہ دونوں امام



تمام معاملات اور ان کے نتائج کے متعلق اپنی فکر و نظر میں پوری طرح متحد تھے۔ البتہ لوگوں نے امام حسینؑ سے بھی اسی طرح کی باتیں منسوب کیں جس طرح امام حسنؑ سے منسوب کی تھیں۔ جیسے یہ کہ وہ اپنے والد بزرگوار کی خلافت سے قبل اور اس کے دوران میں بہت سے سیاسی معاملات میں ان سے اختلاف رکھتے تھے، بلکہ بعض لوگ تو اس پر یہ اضافہ بھی کرنے لگے کہ وہ عثمانی مسلک پر تھے۔ مزید برآں لوگوں نے ان کو اپنے والد بزرگوار سے اس طرح پیش آتے ہوئے دکھایا ہے جس طرح کسی کے لیے بھی اپنے باپ سے پیشی آنا مناسب نہیں ہو سکتا۔ لوگوں نے اس بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے، ہم قبل ازیں اس کو امام حسنؑ کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ یہ باتیں امویوں کی گھڑی ہوئی ہیں کیونکہ امام حسنؑ اپنے پدر بزرگوار کے سیاسی طرزِ عمل سے پوری طرح متفق تھے اور وہ تمام مراحل کہ جن سے وہ گزرتے رہے، ان میں آپ نے کسی بھی مرحلہ میں اپنے والد بزرگوار کی مخالفت نہیں کی۔

**غزوہ قسطنطنیہ** | بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے معاویہ بن ابی سفیان کے عہد خلافت میں یزید بن معاویہ کی قیادت میں ۶۰۹ء بحری اور ۶۱۰ء میں دو مرتبہ فوج کشی کی۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ دوسرے حملے میں ابوالیوب انصاری اور حسین بن علیؑ بھی شریک تھے۔ تاریخ ابن کثیر میں لکھا ہے کہ حسینؑ اپنے بھائی کی وفات کے بعد معاویہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایسا اتفاق ہوا کہ ۶۱۰ء میں جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے تو یزید بن معاویہ کی قیادت میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اپنی تاریخ کی چوتھی جلد میں علی بن حسین بن عساکر نے بھی اس بیان کی تائید کی ہے۔

تاہم تحقیق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابن عساکر اور ابن کثیر کے علاوہ کسی اور مورخ نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ابن جریر طبری نے تو اپنی تاریخ میں صرف ایک جگہ ۶۰۹ء کی فوج کشی کا حال لکھا ہے جس میں ابن عباسؑ، ابن عمرؓ، ابن زبیر اور ابوالیوب انصاری کی شرکت بتائی ہے لیکن ان کے ساتھ امام حسینؑ کا نام نہیں۔ پھر جس کسی نے بھی اس زمانے میں مسلمانوں کی فوج کشیوں کا تذکرہ کیا ہے، اس نے اس میں امام حسینؑ کی شرکت کا ذکر نہیں کیا۔



اس بات پر سمجھی متفق ہیں کہ ابوالیوب انصاری نے اسی فوجی مہم کے دوران انتقال کیا اور ار کی وصیت کے مطابق ان کو وہیں دفن کر دیا گیا تھا۔ جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو انھوں نے ہر کام سے پہلے ان کی قبر پر نہایت عمدہ عمارت بنوائی۔ پھر سلاطین عثمانیہ کا یہ معمول رہا کہ جو بھی حکومت سنبھالتا وہ ازراہ برکت اپنی شمشیر بندی اور تاج پوشی کی رسم ابوالیوب انصاری کے مزار پر ادا کرتا تھا۔

بعض عرب اور غیر عرب مورخین کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے رومیوں کے ساتھ لڑنے کے لیے ایک ہوائی جہاز بھی بنایا تھا لیکن جب ایک ہوا باز اس کو لیکر فضا میں گیا تو وہ جہاز گر پڑا اور پاش پاش ہو گیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ پہلے برطانیہ کے گورنر نے قسطنطنیہ سے ہوائی جہاز لیا اور عرب لشکر کے خلاف استعمال کیا جس نے وہاں کا محاصرہ کیا تھا۔ جب عرب اس کی ساخت سے واقف ہو گئے تو انھوں نے بھی ویسا ہی جہاز بنایا اور اس پر پرواز کی لیکن جب اس نے کچھ مسافت طے کی اور قریب تھا کہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے عین اس وقت وہ بحیرہ باسفورس میں گر کر تباہ ہو گیا۔ بہر حال تاریخی مصادر نے جنگ قسطنطنیہ میں امام حسینؑ کی شرکت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ بات قابل قبول بھی ہے لیکن اس لیے نہیں کہ اس کی سالاری یزید کر رہا تھا اور اس کا منصوبہ تیار کرنے والے معاویہ تھے۔ جیسا کہ کچھ شیعہ اور غیر شیعہ افراد کا خیال ہے جو اہلبیتؑ کرامؑ کی صحیح حیثیت کو سمجھتے ہی نہیں ہیں، کیونکہ سالار خواہ صالح ہو یا فاسد اہلبیتؑ اسلام کی راہ میں لڑنے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ جیسا کہ ان کی تاریخ سے واضح ہے جو اسلام کی راہ میں قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ بہر حال جنگ قسطنطنیہ میں امام حسینؑ کی عدم شرکت اس لیے قابل تسلیم ہے کہ آپ معاویہ سے زیادہ روابط نہیں رکھتے تھے۔ نیز معاویہ کے عہد میں آپ کا شام تشریف لے جانا ثابت ہی نہیں ہے۔ اگر ایک ایسی فوج جس کی قیادت یزید کر رہا تھا، امام حسینؑ نے اس میں ایک لشکر کی حیثیت سے شرکت کی ہوتی تو اموی افراد اپنے تمام وسائل سے کام لیکر اس کو اتنی شہرت دیتے کہ یہ معاملہ کسی مورخ سے پوشیدہ نہ رہ پاتا۔



## امام حسینؑ اور معاویہ کے اہلکار

بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ امام حسینؑ اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان

کے درمیان ایک قطعہ زمین کے بارے میں تنازعہ پیدا ہو گیا۔ وہ اس وقت اپنے چچا معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا۔ ولید نے امام حسینؑ کے خلاف چال چلی اور اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس پر امام حسینؑ نے اس سے کہا: قسم بخدا! یا تو تم میرے حق کے بارے میں انصاف سے کام لو ورنہ میں تلوار لے کر مسجد رسولؐ میں کھڑا ہو جاؤں گا اور حلف الفضول کا سہارا طلب کروں گا۔ تب عبداللہ بن زبیر بھی جو وہاں موجود تھے، بولے کہ میں بھی خدا سے عہد کرتا ہوں کہ اگر انہوں نے حلف الفضول کا سہارا طلب کیا تو میں بھی اپنی تلوار لیکر ان کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوں گا۔ تاکہ ان کے حق کے بارے میں انصاف کیا جائے یا ہم دونوں ایک ساتھ مر جائیں۔ جب ان دونوں کی گفتگو مسور بن مخرمہ زہری تک پہنچی تو انھوں نے بھی یہی کہا۔ پھر یہ بات عبدالرحمان بن عثمان ثیمی تک پہنچی تو انھوں نے بھی ویسا ہی عہد کیا۔ جب ولید بن عتبہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے امام حسینؑ کے ساتھ انصاف کیا اور آپ کی زمین آپ کو واپس کر دی۔

شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں ہے کہ معاویہ اور امام حسینؑ کے مابین حجاز میں واقع ایک زمین کی بابت تنازعہ ہو گیا۔ اس پر امام حسینؑ نے معاویہ سے کہا کہ یہ زمین تم مجھ سے خرید لو یا مجھ کو واپس دیدو یا اس کے لیے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر میں سے کسی ایک کو ثالث بناؤ، ورنہ چوتھی صورت تو ”صبلم“ ہی رہ جاتی ہے۔ معاویہ نے پوچھا کہ صبلم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں حلف الفضول کا سہارا لوں گا۔ اس کے بعد آپ غصے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ عبداللہ بن زبیر کے پاس سے گزرے تو ان کو معاویہ کے ساتھ اپنی یہ گفتگو سنائی۔ اس پر ابن زبیر بولے: قسم بخدا! اگر آپ نے حلف الفضول کا سہارا لیا تو پھر میں بیٹا ہوں گا تو اٹھ جاؤں گا، بیٹھا ہوں گا تو کھڑا ہو جاؤں گا، کھڑا ہوں گا تو چل پڑوں گا، چل رہا ہوں گا تو دوڑ پڑوں گا تاکہ انہی کی میری روح آپ کی روح سے متصل ہو جائے۔ جب معاویہ کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو



انہوں نے کہا: ہم کو ”صلیم“ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تب انہوں نے امام حسینؑ کو کہلا بھیجا کہ آپ اپنی رقم لے جائیے کیونکہ ہم نے وہ زمین آپ سے خرید لی ہے۔

یہ حلف الفضول جاہلی دور کا وہ عہد نامہ تھا جو قریش کے چند قبیلوں نے ظلم و جور کو مٹانے کے لیے مرتب کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہو کر باہم عہد کیا تھا کہ جب کبھی وہ لوگ مکہ میں کسی پر ظلم ہوتا ہوا پائیں گے تو اس سے ظلم کو دور کریں گے اور ہمیشہ حق دار کی طرف داری کریں گے۔

نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں معاہدہ کے وقت حاضر رہا ہوں۔ اگر مجھ کو ایسے ہی کسی معاہدہ کی طرف بلایا جائے تو میں اس بلاوے کو ضرور قبول کروں گا۔ آنحضرتؐ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس معاہدے کے مقاصد اسلام سے قریب تر ہیں کیونکہ اسلام بھی حق کی طرف داری اور مظلوموں اور پسماندہ افراد کی حمایت کی دعوت دیتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس معاہدے کو یہ نام دینے کا سبب یہ تھا کہ مکہ کے جن چند ممتاز افراد نے ظلم کو مٹانے کا عہد کیا تھا، ان کے نام فضیل، فضال اور مفضل تھے۔ اس بنا پر یہ عہد نامہ حلف الفضول کے نام سے معروف ہو گیا۔

امام حسینؑ کی سخاوت و عبادت | امام حسینؑ کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ آپ مہمان کی عزت فرماتے، سائل کو

دریادلی سے نوازتے، رشتہ و ناتے کا خیال فرماتے، نادار کو عطا فرماتے، مانگنے والے کی ضرورت پوری فرماتے، بے لباس کو لباس دیتے، بھوکے کو کھانا کھلاتے، مقروض کی امداد فرماتے، یتیم پر شفقت فرماتے اور جاہل مندوں کی اعانت فرماتے تھے۔ جیسے ہی ان کے پاس کوئی رقم آتی وہ اس کو خرچ کر ڈالتے تھے۔ لے

راویوں نے ایک بڑھیا کا واقعہ بیان کیا ہے جو امام حسینؑ، آپ کے بھائی امام حسنؑ اور عبداللہ بن جعفر کے ساتھ پیش آیا تھا، جبکہ یہ تینوں بھائی مکہ کے راستے میں تھے تب اس بڑھیا نے ایک بکری ذبح کی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد آپ نے اس کو مدینے میں دیکھا کہ



وہ ناداری اور تنگی سے خستہ حال تھی۔ امام حسنؑ نے اس کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا فرمائے۔ اسی طرح امام حسینؑ اور عبداللہ بن جعفرؑ نے بھی اس کو اتنا ہی دیا۔ چنانچہ وہ تین ہزار بکریاں اور تین ہزار دینار لیکر اپنے شوہر کے ہمراہ وطن واپس ہوئی۔

کتاب عقد اللالی میں ہے کہ امام حسینؑ اپنے بھائی امام حسنؑ کی وفات کے بعد ایک بار مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ دوسری جانب عبداللہ بن زبیر اور عتبہ بن ابی سفیان بھی بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی ناقدہ پر آیا اور اس کو مسجد کے دروازے پر باندھ کر اندر آگیا۔ اس نے عتبہ کو سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ تب اعرابی نے اس سے کہا۔ میں نے اپنے ابن عم کو قتل کر دیا ہے اور اب اس کے وارث مجھ سے دیت (خون بہا) طلب کر رہے ہیں۔ کیا اس کے لیے تم مجھ کو کچھ دے سکتے ہو؟ اس پر عتبہ نے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس کو سود رہم دید و لیکن اعرابی نے ان کے لینے سے انکار کر دیا اور عبداللہ بن زبیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر ان سے بھی وہی کہا جو عتبہ سے کہا۔ اس نے اس کو دو سود رہم دیے جانے کا حکم دیا لیکن اس نے ان کے لینے سے بھی انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ اتنی رقم سے میرے کچھ نہیں بنے گا۔ اب وہ امام حسینؑ کی طرف گیا اور سلام کے بعد اپنی ضرورت بیان کی۔ آپ نے اس سے فرمایا: ہم لوگ کسی کو اس کے درجہ معرفت کے لحاظ سے دیا کرتے ہیں۔ اس نے کہا: آپ جو بھی مناسب سمجھتے ہوں وہ مجھ سے پوچھ لیجئے۔ تب امام حسینؑ نے اس سے دریافت فرمایا: اے اعرابی! ہلاکت سے کس طرح بچاؤ ہو سکتا ہے؟ اس نے جواب دیا اللہ پر توکل کرنے سے۔ پھر آپ نے فرمایا: کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ اس نے کہا: اللہ پر اعتماد۔ تب امام نے اس سے پوچھا: ایک بندے کی زندگی میں کون سی شے بہترین ہے؟ اس نے جواب دیا وہ علم جس کیساتھ برابری بھی ہو۔ آپ نے کہا: اگر کسی میں یہ نہ ہو، اس نے کہا: پھر وہ مال جس کے ساتھ سخاوت اور شادگی ہو۔ آپ نے فرمایا: اگر کسی میں یہ بھی نہ ہو، اس پر وہ بولا کہ پھر ایسے شخص کیلئے زندگی اور بقا کے بجائے مرنا اور فنا ہو جانا بہتر ہے۔ امام اسی طرح اس سے سوال فرماتے رہے اور وہ شخص جواب دیتا رہتا، لیکن امام نے اس کے علم و معرفت پر اظہار تعجب کرتے ہوئے اپنے کارندے کو حکم دیا کہ اس کو بیس ہزار دینار دیدو۔ نیز اس اعرابی سے فرمایا کہ اس میں سے دس ہزار خون بہا کی ادائیگی کے لیے اور دس ہزار



تمہارے اہل و عیال کے خرچ کے لیے ہیں۔ اس پر اعرابی یہ اشعار پڑھنے لگا:

”نہ تو مجھے کوئی اعلیٰ مقام حاصل ہوا ہے، نہ ہی چاہنے والے سے ملاقات ہوئی ہے۔ پھر بھی میں خوش ہوں، لیکن مجھ کو کسی اچھی خوشبو نے فرحت بخشی ہے، بلکہ میں آل رسولؐ کی بدولت خوشی سے ہمکنار ہوا ہوں۔ اب مجھ کو شعرو سخن میں بھی لطف آ رہا ہے۔ یہی حضرات صاحبانِ عزت ہیں، اور یہی صاحبانِ نجابت۔ ہاں! آسمان کے ستارے انہی سے چمک حاصل کرتے ہیں۔ یا حسینؑ! آپ عزت کی بلندیوں میں تمام انسانوں سے آگے نکل گئے ہیں۔ پھر آپ ایسے سخی ہیں کہ کوئی آپ کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کے والد بزرگوار، امام علیؑ فضائل میں سب سے اعلیٰ تھے، کیونکہ آگے بڑھنے والے ان سے آگے بڑھنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ ان کے ذریعے سے اللہ نے ہدایت کا دروازہ کھولا۔ یا حسینؑ! اپنے والد کے بعد اب آپ ہی وہ امام ہیں جن کے ذریعے سے فساد کا دروازہ بند ہوا۔“

تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ ایک سائل مدینے کی گلیوں میں پھرتا رہا، یہاں تک کہ امام حسینؑ کے در پر پہنچ گیا۔ اس نے آپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر یہ اشعار پڑھے:

یا حسینؑ! جس کسی نے آپ سے امید لگائی اور آپ کے دروازہ کی زنجیر ہلائی وہ مایوس نہیں ہوا۔ آپ صاحب سخاوت ہیں، بلکہ سخاوت کا مرکز، جبکہ آپ کے والد بزرگوار ہی، فاسقوں کو قتل کر نیوالے تھے۔

اس وقت امام حسینؑ نماز ادا فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ نماز کو مختصر کر کے اس اعرابی سائل کے پاس تشریف لائے اور اس کے چہرے پر تکلیف اور فاقہ کے آثار ملاحظہ فرما کر واپس ہو گئے۔ آپ نے اپنے کارندے کو آواز دی۔ جب وہ دوڑتا ہوا آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا: تمہارے پاس ہمارے خرچ میں سے کیا کچھ بچا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے پاس صرف دو سو درہم ہیں، جن کی بابت آپ نے فرمایا تھا کہ میں ان کو آپ کے عیال پر خرچ کروں۔ آپ نے حکم دیا، وہی لے آؤ کیونکہ اب وہ آگیا ہے جو ان سے زیادہ حقدار ہے۔ پس آپ نے وہ رقم لے کر اس اعرابی کو دیدی



اور یہ اشعار پڑھے:

یہ لے لو لیکن میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔ تاہم یقین کرو کہ میں تم پر مہربان ہوں۔ اگر ہماری حالت کچھ بھی بہتر ہوتی تو ہم تمہارے اوپر زرو مال کی بارش کر دیتے۔ مگر زمانہ بڑا پُر آشوب ہے اور ہم تم کو بہت کم دے سکے ہیں۔

اعرابی نے وہ دوسو دینارے لیے اور یہ اشعار پڑھے:

یہ لوگ صاف دل ہیں اور ان کے دامن پاک ہیں۔ جب ان کا ذکر کیا جائے تو ان پر درود بھیجا جاتا ہے۔ یا حسینؑ! آپ سب کے سب عالی مرتبہ ہیں۔ آپ وہ ہیں جن کے پاس قرآن اور اس کی سورتوں کا علم ہے۔ جس کسی کو علیؑ سے نسبت نہ ہو، اس کو لوگوں میں کوئی عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ایک مرتبہ انصاریں سے ایک شخص اپنی حاجت پیش کرنے کے لیے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: اے انصاری بھائی! تم اپنے چہرے کو سوال کرنے کی ذلت سے آلودہ نہ کرو بلکہ اپنی ضرورت ایک کاغذ پر لکھ دو۔ انشاء اللہ میں تم کو اتنا دوں گا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس نے لکھا: فلاں شخص کے پانچ سو دینار میرے ذمے ہیں اور وہ مجھ سے تقاضا کر رہا ہے۔ آپ اس سے فرما دیجیے کہ وہ میری حالت بہتر ہونے تک انتظار کرے۔ جب امام حسینؑ نے یہ رقعہ پڑھا تو آپ اندر تشریف لے گئے۔ پھر ایک ہزار دینار کی بھیلی لیکر برآمد ہوئے اور اس سے فرمایا: یہ ایک ہزار دینار ہیں۔ ان میں سے پانچ سو دینار تمہارا قرض ادا کرنے کے لیے ہیں، بقایا پانچ سو سے تم اپنی خانگی ضروریات پوری کر لینا۔ اب سنو کہ تم اپنی حاجت ان تین آدمیوں یعنی دیندار یا صاحب مروت یا عالی نسب کے علاوہ کسی اور سے کبھی بیان نہ کرنا، کیونکہ دیندار اپنے دین کی حفاظت کے لیے تمہاری مدد کرے گا۔ صاحب مروت کو اپنی مروت کے باعث انکار کرنے میں غیرت محسوس ہوگی اور جو عالی نسب ہے وہ یہ سمجھے گا کہ تم کسی حاجت کے لیے اپنی حرمت کو نہ گنواؤ گے۔ پس وہ تمہاری حرمت کو بچانے کے لیے تمہاری حاجت پوری کرے گا۔



راویوں کا بیان ہے کہ جب اسامہ بن زید بیمار تھے تو ایک مرتبہ امام حسینؑ ان سے ملنے گئے۔ تب اسامہ کہہ رہے تھے: ہائے رے پریشانی۔ اس پر امام حسینؑ نے ان سے کہا: اے بھائی! آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے؟ وہ بولے: میرا قرض کہ جو ساٹھ ہزار درہم ہے۔ امام حسینؑ نے ان سے فرمایا: بس وہ قرض میرے اوپر ہے۔ اسامہ کہنے لگے: میں ڈرتا ہوں کہ میں اس کے ادا ہونے سے پہلے ہی نہ مر جاؤں۔ اس پر آپ نے وہ قرض اسی وقت ادا فرما دیا۔

ابن صباغ مالکی کی کتاب فصول المہمہ میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا: میں امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کی ایک کینز گلدستہ لیے ہوئے آئی۔ اس نے وہ گلدستہ آپ کو پیش کیا۔ پس آپ نے اس سے فرمایا: جاؤ! تم اللہ کے نام پر آزاد ہو۔ اس پر میں نے ان سے کہا: ایک کینز پھولوں کا یہ گلدستہ لے کر آتی ہے اور آپ کو پیش کرتی ہے تو اسی پر آپ اسکو آزاد فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ نے ہم کو یہی سکھایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا. (سورۃ نساء - آیت ۸۶)

یعنی جب کوئی تم کو سلام کرے تو تم اس سے بہتر طریقے سے سلام کرو، یا

وہی لفظ کہہ دو۔

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا. اور اس کو آزاد کر دینا اس کے

تحفے سے ضرور بہتر ہے۔

امام حسینؑ کے کسی غلام نے ایک ایسا جرم کیا جس پر قصاص کے ساتھ سزا بھی لازم تھی۔ پس آپ نے اس کو سزا دینے کا حکم دیا۔ اس پر اس نے کہا: اے میرے آقا! اللہ فرماتا ہے: وَالْكَافِرِينَ الْغَائِقِينَ... امام علیہ السلام نے فرمایا: اسکو چھوڑ دو۔ میں نے اپنا عقدہ فرو کر لیا۔ پھر اس نے کہا: وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ. اس پر امام نے فرمایا: میں نے تم کو معاف کیا۔ اب اس نے کہا: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ. (سورۃ آل عمران - آیت ۱۳۴)۔ پس امام نے فرمایا: جاؤ! تم اللہ کے نام پر آزاد ہو۔ پھر آپ نے اس کو اتنا دیا جو اس کو زندگی بھر کے لیے کافی ہو۔ تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ



آپ کے پاس بصرہ وغیرہ سے مال آتا تھا تو آپ اپنے مقام سے اس وقت تک نہ ہٹتے جب تک وہ پورے کا پورا محتاجوں پر تقسیم نہ فرما دیتے۔

ابن قتیبہ نے عیون الاخبار میں لکھا ہے کہ معاویہ اپنے کسی سفر حجاز میں مدینہ بھی گئے۔ تب انھوں نے امام حسنؑ، امام حسینؑ، عبداللہ بن جعفرؑ، ابن زبیرؑ، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ بن صفوان کو کپڑوں، خوشبوؤں اور بڑی بڑی رقموں کے تحفے بھیجے۔ انھوں نے اپنے قاصدوں کو حکم دیا: تم میں سے ہر ایک جو کچھ وہاں دیکھے اور سنے اس کو یاد رکھے۔ جب وہ قاصد روانہ ہو گئے تو معاویہ نے اپنے مصاحبین سے کہا: اگر تم جاؤ تو میں تمہیں بتا دوں کہ وہ لوگ کیا کیا کریں گے۔ لوگوں نے کہا: ہاں! ہمیں ضرور بتائیے کہ آپ کا کیا خیال ہے۔ اس پر انھوں نے کہا کہ حسنؑ خوشبوؤں میں سے کچھ اپنی بیویوں کو دیدیں گے، باقی اپنی صحبت میں موجود لوگوں میں تقسیم کر دیں گے اور کسی غیر موجود کا انتظار نہ کریں گے۔ حسینؑ ان لوگوں کے یتیم بچوں سے ابتداء کریں گے جو ان کے والد کے ساتھ صفین کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ اگر ان سے کچھ بچ رہا تو اس سے لوگوں کو دودھ پلائیں گے اور ان کے لیے اونٹ ذبح کریں گے۔ عبداللہ بن جعفر کہیں گے کہ اے بدیح! پہلے تو اس سے میرا قرض ادا کرو، پھر باقی ماندہ سے میرے دشمنوں کو منٹ لو۔ عبداللہ بن عمرؑ عدی بن کعب کے محتاجوں سے ابتداء کریں گے۔ باقی اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لیے رکھ چھوڑیں گے۔ عبداللہ بن زبیرؑ کے پاس جب میرا آدمی پہنچے گا تو وہ تسلیح پڑھتے ہوں گے اور اس کی طرف توجہ نہ کریں گے۔ جب وہ دوبارہ ان کے پاس جائے گا تو اپنے غلاموں سے کہیں گے: جو کچھ معاویہ نے بھیجا ہے وہ ان کے قاصد سے لے لو۔ اللہ ان کی نظر التفات کو قائم رکھے اور ان کو جزائے خیر دے۔ تاہم وہ ان چیزوں کی طرف توجہ نہ دیں گے۔ حالانکہ وہ ان کی نظر میں ہر چیز سے بڑھ کر ہوں گی۔ اس کے بعد وہ ان چیزوں کو اپنے اہل و عیال میں جا کر دیکھیں گے اور کہیں گے: تم ان کو سنبھال لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں یہ ابن ہند کو لوٹا دوں۔ عبداللہ بن صفوان کہیں گے: زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی سہی۔ معاویہ قریش کے جن افراد کو اس طرح چیزیں بھیجتے ہیں وہ ان کو واپس نہیں کرتے۔ اگر وہ واپس



کرہیں بھی تو ہم ضرور قبول کر لیں گے۔ چنانچہ معاویہ کے بھجے ہوئے آدمیوں نے واپس آ کر وہی کچھ بیان کیا، جو معاویہ نے کہا تھا۔ یہ سن کر معاویہ بولے: میں ہند کا بیٹا ہوں اس لیے قریش کو خوب جانتا ہوں۔

راویوں نے آپ کے جو دو کرم کی ایسی اور بھی مثالیں بیان کی ہیں لیکن ان میں سے بیشتر روایات مرسل ہیں، جن کے راویوں کا سلسلہ قائم نہیں رہتا اور وہ جانچنے پر صحیح ثابت نہیں ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں جو اس قسم کی داستانوں سے لوگوں کے جذبات کو متاثر کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ یہ آخری روایت مرسل ہونے کے علاوہ ایسی ہے جس کا متن ہی یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ بنی امیہ کے حامیوں نے اس لیے گھڑی ہے کہ وہ اس سے معاویہ کی زیر کی اور فراست کی ہمہ گیری ثابت کریں اور امام حسنؑ کو اس طرح پیش کریں کہ وہ عورتوں کے علاوہ کسی اور چیز سے سروکار ہی نہ رکھتے تھے۔

تمام مستند تاریخیں اس امر پر زور دیتی ہیں کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ اپنا کل کا کل مال اللہ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے کیونکہ وہ محتاجوں اور ناداروں کو خود اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ وہ معاویہ کے عطیات اس لیے قبول فرما لیتے تھے کہ وہ سب انہی کا حق تھا۔ جس کے وہ خود معاویہ اور ایسے ہی دوسرے لوگوں سے زیادہ حقدار تھے جنہوں نے خلافت پر قبضہ کر کے امت پر تسلط حاصل کر لیا تھا اور اس کی آمدنی کو ابن عاص اور ابن شعبہ جیسے حامی، پیرو اور قریبی لوگوں کو خریدنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

حضرت حسنینؑ، معاویہ کے عطیات اس لیے قبول فرما لیتے تھے تاکہ وہ ان کو اس مال کے صحیح حقداروں تک پہنچا دیں جو نادار اور محتاج تھے۔ پس ان دونوں بھائیوں کی ساری زندگی اللہ کے لیے اور اللہ کی راہ میں کام آنے کے لیے تھی۔ چنانچہ راویوں اور مؤرخوں میں یہ امر عام طور پر مشہور تھا کہ امام حسینؑ ہر سال اپنی دولت کا نصف حصہ ناداروں، محتاجوں اور یتیموں پر خرچ کرتے اور نصف اپنے عیال پر صرف کرتے تھے۔



بعض روایات میں ہے کہ کبھی کبھی آپ اپنا سارا مال غریبوں پر خرچ کر ڈالتے تھے۔ یہی حال امام حسینؑ کا تھا کہ آپ کبھی دولت جمع نہ فرماتے اور نہ مال کا حساب رکھتے تھے۔ اس امر کے متعلق متواتر روایات آئی ہیں کہ آپ نے پچیس حج پا پیادہ چل کر فرمائے جبکہ سواریاں آپ کے آگے آگے چلتی رہتی تھیں۔ جب کبھی آپ یا آپ کے بھائی حسنؑ کسی سوار کے پاس سے گزرتے، تو وہ بھی اپنی سواری سے اتر کر آپ دونوں کے ساتھ پیدل چلنے لگتا تھا۔ ان کا یہ عمل بہت سے لوگوں پر شاق گزرتا تھا۔ چنانچہ حاجیوں کے ایک وفد نے سعد بن ابی وقاص کے پاس آکر کہا: پیدل چلنا ہم پر بہت شاق ہو رہا ہے لیکن یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ رسول اکرمؐ کے بیٹے تو پیدل ہوں اور ہم سواری پر ہوں۔ تب سعد نے آپ دونوں بھائیوں سے عرض کیا کہ لوگوں کے لیے پا پیادہ چلنا دو بھر ہو رہا ہے، کیونکہ جب آپ دونوں پیدل چل رہے ہوں تو کوئی بھی مسلمان سوار ہونا گوارا نہیں کر سکتا۔ پس آپ عوام کی رعایت کے خیال سے سواری استعمال فرمائیے۔ حسنینؑ نے جواب دیا کہ ہم دونوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ یہ راستا پیدل ہی طے کریں گے، البتہ ہم راستا تبدیل کیے لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ دونوں ایک دوسرے راستا سے تشریف لے گئے، جو ایسا غیر معروف تھا کہ کوئی ادھر سے آتا ہی نہ تھا۔

ابن عساکر نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو دیکھا کہ انھوں نے کعبہ میں جماعت کے ساتھ نماز عصر ادا فرمائی۔ پھر حجر اسود پر جا کر اس کو بوسہ دیا۔ سات مرتبہ طواف فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اتنے میں لوگوں نے ان دونوں کو اس طرح گھیر لیا کہ آپ آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ البتہ ان کے ساتھ ایک اور صاحب حیثیت شخص بھی تھا۔ امام حسنؑ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ امام حسینؑ کے پاس سے لوگوں کو ہٹاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ان میں سے نکل آئے۔ جہاں کہیں بھی لوگ آپ کو دیکھ پاتے، آپ کے چاروں طرف حلقہ بنا لیتے۔ کوئی آپ سے دین کے کسی معاملہ میں حکم دریافت کرتا، کوئی فقہ کا نکتہ معلوم کرتا، کوئی آپ سے روایات سننا اور کوئی اپنی حاجت پیش کرتا تھا۔ معاویہ نے آپ کے متعلق کسی سے کہا تھا: میں جب مسجد رسولؐ میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک حلقہ ہے، جس میں لوگ اس طرح دم بخود



بیٹھے ہیں جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ وہ ابو عبد اللہ حسینؑ کا حلقہ درس تھا کہ جو اپنی آدھی پنڈلیوں تک قبا ڈالے ہوتے تھے اس قدر مصروفیت کے باوجود وہ ایک دن رات میں ہزار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ جیسا کہ ابن عسیرؒ کی کتاب العقد الفرید میں ہے: امام علیؑ بن حسینؑ سے پوچھا گیا کہ کیوں آپ کے والد بزرگوار کے بہت کم اولاد تھی؟ آپ نے جواب دیا کہ ان کے بچے کیسے پیدا ہوتے جبکہ دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ پھر عورتوں کے پاس جانے کا موقع ہی کہاں ہوتا تھا۔ آپ رات کی تاریکی میں اللہ سے یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! تو نے مجھ کو نعمتیں دیں لیکن میں تیرا شکر ادا نہ کر سکا۔ تو نے میری آزمائش کی تو میں صابر نہ رہ سکا لیکن میرے ترک شکر پر نہ تو نے اپنی نعمت کو مجھ سے چھینا اور نہ میرے ترک صبر پر تو نے مجھ پر سختی کو جاری رکھا۔ اے اللہ! کریم سے صرف کرم ہی ظاہر ہوتا ہے۔

ایام حج میں عرفات کے مقام پر امام حسینؑ کے اعمال اور مناجاتیں شعبہ محدثین میں بہت مشہور ہیں۔ ان موقعوں پر آپ پہاڑ کی بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور لوگ آپ کے چاروں طرف اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔ یہ مناجاتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی بھی ان کو پڑھے اور ان کے معافی و مقاصد پر غور کرے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں گے۔ اے میرے اللہ! اگر میں سارے زمانوں اور تمام صدیوں میں بشرطیکہ میری عمر بھی اتنی ہو جائے، برابر کوشش میں لگا رہوں کہ تیری نعمتوں میں سے ایک کا شکر ادا کروں تو میں تیرے احسان کے بغیر ایسا نہیں کر سکوں گا لیکن یہ امر بجائے خود ایک اور شکر کے واجب ہونے کا باعث بن جائے گا۔ اے اللہ! مجھ کو ایسا ڈرنے والا بنا دے، گویا میں تجھ کو دیکھ رہا ہوں۔ میرے نفس میں سکون کا احساس، میرے دل میں یقین، میرے عمل میں خلوص، میری نظر میں نور اور میرے دین میں فہم پیدا کر دے۔

اے اللہ! اگر تو میری ایک حاجت پوری کر دے گا تو وہ حاجت جس کو تو پورا نہ کرے گا مجھ کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔ ایسے ہی اگر تو میری ایک حاجت پوری نہ کرے گا تو وہ حاجت جس کو تو پورا کرے گا مجھ کو فائدہ نہ پہنچائے گی۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں تجھ سے ناز جنم سے نجات کا سوال کرتا ہوں۔



میرے اللہ! جس چیز سے میں ڈرتا ہوں، اس میں میری مدد کر، جس سے میں بچنا چاہتا ہوں اس سے مجھے بچالے۔ میرے نفس اور دین میں مجھ کو محفوظ رکھ، میرے سفر میں میری حفاظت فرما اور میرے عیال اور مال کو میرے بعد تک باقی رہنے دے۔ جو رزق تو نے مجھ کو دیا ہے اس میں برکت عطا کر۔ مجھے خود کو کمتر سمجھنے والا بنادے لیکن لوگوں کی نظروں میں مجھ کو معزز قرار دے۔ مجھ کو جن و انس کے شر سے سلامت رکھ۔ میرے گناہوں کی وجہ سے مجھے رسوا نہ کر اور میری خطاؤں کے باعث مجھ کو ذلیل نہ کر، میرے عمل کو نظر انداز نہ کر، اپنی نعمتوں کو مجھ سے دور نہ کر۔ مجھے کسی غیر اللہ پر بھروسہ نہ کرنے دے۔ اے اللہ تو مجھے کس پر بھروسہ کروائے گا؟ کیا ایسے رشتے دار پر جو رشتے کا خیال نہیں رکھتا یا ایسے غیر پر جو مجھ پر حملہ کرتا ہے یا ان پر جو مجھ سے بھی کمزور ہیں جبکہ میرا پالنے والا اور میرے معاملات کا مالک تو ہے۔ میں تجھ سے اپنی بے کسی کی گھر کی دوری کی اور اس شخص کی شکایت کرتا ہوں جس کو تو نے میرے معاملات کا نگہ دار بنایا ہے۔ اے وہ کہ جس کو میں نے مرض میں پکارا تو اس نے مجھ کو شفا دی، برہنگی میں پکارا تو اس نے مجھے لباس پہنایا، بھوک میں پکارا تو اس نے مجھ کو سیر کر دیا۔ پیاس میں پکارا تو اس نے پانی بہم پہنچایا۔ ذلت میں پکارا تو اس نے عزت بخشی۔ بھالت کی حالت میں پکارا تو اس نے علم عطا کیا۔ تنہا ہونے کی حالت میں پکارا تو اس نے مجھ کو کثرت عطا کی۔ میں سفر پر تھا تو مجھ کو واپس پہنچایا۔ میں نادار تھا تو مجھ کو دولت مند بنا دیا اور میں طالب نصرت تھا تو مجھ کو نصرت بہم پہنچائی۔

یہ بھی آپ کی مناجات میں سے ہے :

میرے اللہ! میں اپنی دولت مندی کے باوجود نادار ہوں، تو ناداری کی حالت میں کیونکر نادار نہ ہوں گا۔ میں اپنے علم کے باوجود جاہل ہوں، تو جاہل کی حالت میں کیسے جاہل نہ ہوں گا۔ میرے اللہ میں ملامت کے لائق ہوں لیکن تو تکریم کے لائق ہے۔ میرے اللہ جب مجھ کو میرے قابل ملامت اعمال نے گونگا بنا دیا تو تیرے عفو نے مجھ کو بولنے کا یارا دیدیا۔ جب میرے گناہوں نے مجھ کو مایوس کر دیا تو تیرے کرم نے مجھ کو بولنے کے قابل بنا دیا۔



راوی مزید کہتا ہے کہ لوگ آپ کے چاروں طرف جمع ہو کر آپ کی مناجات سنتے اور آپ کی دعا پرائیں کہتے رہتے۔ راوی کا کہنا ہے کہ آپ کے رونے کے ساتھ وہ لوگ بھی اپنے لیے یہ دعا کر کے روتے تھے: میرے اللہ! تیرے لیے ایسی چیز سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے جو خود اپنے وجود میں تیری محتاج ہو۔ کیا تیرے علاوہ کسی اور کا کوئی ایسا ظہور ہو سکتا ہے جو تیرے لیے نہ ہو، تاکہ جب تو سامنے نہ ہو تو وہ تیرا منظر بن سکے یا ایسی دلیل کی ضرورت پڑ جائے جو تجھ تک پہنچا سکے لیکن تو دور ہی کب ہوتا ہے کہ نشانیاں تجھ تک پہنچائیں۔ اندھی ہے وہ آنکھ جو یہ نہ دیکھ سکے کہ تو برابر اس کو دیکھ رہا ہے۔ گھائے کا سودا ہے اس بندے کا جو اپنی محبت میں سے کوئی حصہ تیرے لیے قرار نہ دے سکے۔ اسی طرح کے بہت سے جملے ہیں جن سے انسان کو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے اچھے سبق حاصل ہوتے ہیں۔

امام حسینؑ نے اپنے کچھ صحابیوں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا: ایسا کام مت کرو جو تمہاری طاقت سے باہر ہو۔ جو بات سمجھتے نہیں ہو اس کو بیان نہ کرو۔ جس پر قدرت نہ ہو اس کا وعدہ نہ کرو۔ جس قدر ضرورت ہو اس سے زیادہ خرچ نہ کرو۔ تم نے جتنا حسن سلوک کیا ہو اس سے زیادہ کسی سے توقع نہ کرو۔ تم نے اللہ کی جتنی اطاعت کی ہو اس کے ماسوا پر خوش نہ ہو۔ جتنے کے تم اہل ہو اس سے زیادہ مت لو۔

آپ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ: ایک عالم کی خصوصیت یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے علم اور کلام کو نظر کی حقیقی گہرائی سے جانچتا پرکھتا رہے۔ یہ قول اپنے اختصار کے باوجود عالم اور جاہل کے مابین حد فاصل قائم کرتا ہے کیونکہ جاہل ہمیشہ اپنی رائے کو صحیح اور دوسرے کی رائے کو غلط کہتا ہے۔ نیز وہ معاملات اور ان کے حقائق کو صرف اپنے محدود فکر اور اپنے محدود فہم ہی کے دائرے میں دیکھتا ہے جبکہ ایک عالم ہمیشہ اپنے آپ کو پرکھتا رہتا ہے اور دوسرے کی رائے کو تلاش کرتا ہے تاکہ شاید اس میں اسکو وہ چیز مل جائے جس تک اس کی اپنی فکر و عقل نہ پہنچ سکی تھی۔ امام جعفر صادقؑ نے بھی اپنے اس قول میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے:

اپنی رائے پر اڑا رہنے والا ایک پھسلواں مقام پر کھڑا ہوتا ہے! امیر المومنین امام علیؑ



نے بھی اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ :  
جو کوئی اپنی ہی رائے کو اچھا سمجھتا ہے وہ گمراہ ہے۔ جو اپنی عقل کو کافی سمجھتا ہے وہ پھسل جاتا ہے۔ امام حسینؑ کے کچھ اور اقوال یہ ہیں : مومن برا فعل نہیں کرتا اور نہ مغدر وغیرہ کا موقع آنے دیتا ہے جبکہ منافق ہر روز ایک برا فعل کرتا ہے اور اس کے لیے عذر ڈھونڈتا رہتا ہے۔ لیکن گناہ کا عذر اس سے بھی برا ہے۔ آپ نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا : جو تم سے محبت کرتا ہے وہ تم کو بُری باتوں سے روکے گا جو تم سے دشمنی رکھتا ہے وہ تم کو بُری باتوں کی ترغیب دے گا۔

کسی شخص نے آپ سے کہا : اے فرزند رسول! میں گناہ کرتا ہوں اور اپنے آپ کو گناہ سے روک نہیں سکتا۔ آپ مجھ کو ایسی نصیحت فرمائیے کہ جو میرے لیے فائدہ مند ثابت ہو۔ آپ نے اس سے فرمایا : تم ان پانچ باتوں کو بجالایا کرو۔ پھر جو بھی گناہ کرتا چاہو کرتے رہنا۔ وہ آدمی بولا : اے ابو عبد اللہ! وہ چیسٹیں بتائیے۔ آپ نے فرمایا : اللہ کا رزق نہ کھاؤ۔ پھر جو گناہ چاہو کرو۔ وہ شخص بولا : پھر میں کہاں سے کھاؤں۔ جبکہ جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور اسی کا دیا ہوا ہے۔ امامؑ نے اس سے کہا : اللہ کی زمین سے باہر چلے جاؤ۔ پھر جو گناہ چاہو کرو۔ وہ شخص بولا : یہ تو پہلے سے بھی کٹھن کام ہے۔ پھر میں رہوں گا کہاں، کیونکہ موجودات میں تو ہر چیز اللہ ہی کی ہے۔ پھر امامؑ نے اس سے فرمایا : ایسی جگہ تلاش کرو جہاں اللہ تم کو نہ دیکھتا ہو۔ پھر جو گناہ چاہو کرو۔ اس شخص نے کہا : لیکن اللہ پر تو کوئی بھی راز چھپا ہوا نہیں ہے۔ پھر امامؑ نے فرمایا : جب ملک الموت تمہاری روح قبض کرنے آئے تو اس کو اپنے پاس سے ہٹا دو، پھر جو گناہ چاہو کرو۔ پانچویں یہ کہ جب مالک ارادہ کرے کہ تجھ کو جہنم میں ڈالے تو اس میں نہ جاؤ۔ پھر جو گناہ چاہو کرو۔ تب وہ آدمی کہنے لگا : اے فرزند رسول! میرے لیے یہی کافی ہے۔ آج کے بعد اللہ مجھ کو ایسی حالت میں نہ دیکھے گا، جو اس کو ناپسند ہو۔

آپ کے کچھ مناظرے بھی ہیں جو خارجیوں کے ایک ممتاز فرد سے ہوئے۔ پھر وہ ہیں جو معاویہ اور ان کے حاشیہ برداروں سے ہوئے تھے۔ علاوہ انہیں حکمت و موافقت



پر مشتمل آپ کے وہ مختصر اقوال بھی ہیں جو آپ اکثر اپنے اس آنے والوں سے ارشاد فرماتے رہتے تھے۔ جن کو محدثوں اور مورخوں نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ البتہ طول بیان اور قاری کی اکتاہٹ کے خوف سے ہمارے لیے ان کا پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔

مورخوں نے ارنیب بنت اسحاق کے معاملے میں آپ کے بلند موقف کا ذکر بھی کیا ہے جو عراق کے گورنر عبداللہ بن سلام کی بیوی تھی۔ جب یزید اس کی محبت میں بے قرار ہو گیا تو معاویہ نے اس کے لیے ایک چال چلی۔ اس نے ابن سلام سے وعدہ کیا کہ اگر تم ارنیب کو طلاق دے دو گے تو میں اپنی لڑکی کی تزویج تجھ سے کر دوں گا۔ اس پر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالی۔ پھر اس نے معاویہ سے ان کی لڑکی کا رشتہ طلب کیا لیکن اس لڑکی نے معاویہ اور عمرو بن عاص کے منصوبے کے مطابق ابن سلام کے ساتھ تزویج کرنے سے انکار کر دیا۔ تاہم معاویہ اپنی اس چال میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ چنانچہ ارنیب کا وعدہ ختم ہونے پر جب انھوں نے اس کو اپنے بیٹے یزید کے لیے پیغام بھیجا تو اس کو لپچانے کے لیے بطور مہر ایک خطیر رقم بھی روانہ کی۔ پیغام لیجانے والے شخص ابودرداء یا ابوہریرہ تھے۔ تب اتفاق ایسا ہوا کہ ان کی ملاقات امام حسینؑ سے ہو گئی اور انہوں نے آپ کو اپنے آنے کا مقصد بتا دیا۔ اس پر امام حسینؑ نے ان سے کہا کہ اس عورت سے میرا ذکر بھی کر دینا۔ چنانچہ جب وہ ارنیب کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس کو یزید کا پیغام دیا اور یہ بھی بتایا کہ اس کو اپنے باپ کے بعد حکومت ملنے کی توقع ہے۔ پھر انھوں نے امام حسینؑ کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اسلام میں اور رسول اکرمؐ کی قرابت میں ان کا کیا مرتبہ ہے۔ بعض روایات کے مطابق انہوں نے اس سے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ ابن زبیر کا ذکر بھی کیا۔ راوی کے بیان کے مطابق اس عورت نے کہا کہ ان میں سے جس سے چاہیں خود آپ ہی میری تزویج کر دیجیے۔ اگر آپ نہ بھی آتے تو میں اس معاملے میں آپ کی رائے لینے کے لیے آپ کو بلوالیتی۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ بزرگ جن کو معاویہ نے اپنا وکیل بنا کر بھیجا تھا، انہوں نے کہا کہ میں کسی کو اس چہرے پر ترجیح نہیں دے سکتا جس کو رسول اکرمؐ بوسہ دیا کرتے تھے۔ پس انھوں نے اس کی تزویج امام حسینؑ سے کر دی اور اس کو وہ مال بھی دیدیا جو معاویہ کی طرف



سے لائے تھے۔ پھر واپس جا کر معاویہ کو پورا قصہ سنا دیا۔ اس پر معاویہ نے کہا: اے ابو ہریرہ! تم نے ہمارا مال دوسروں پر صرف کر ڈالا۔ انہوں نے جواب میں کہا: یہ دولت تم کو اپنے باپ سے تو نہیں ملی تھی۔ جب ابن سلام معاویہ کی بیٹی کی طرف سے مایوس ہو گیا اور معاویہ نے اس کو اس کے عہدہ سے بھی ہٹا دیا تو وہ بڑا کبیدہ خاطر ہو کر مدینہ واپس آ گیا۔ ادھر اس نے اپنی مطلقہ بیوی کو کچھ مال دیا ہوا تھا، اس لیے اب وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس سے ملنے کی خاطر امام حسینؑ سے اجازت چاہی اور آپ نے اجازت دے دی۔ جب اس نے ارنیب کے پاس جا کر اس سے اپنی دی ہوئی چیزیں مانگیں، تو دونوں رو پڑے۔ پھر عبداللہ بن سلام پر ایسی خاموشی طاری ہوئی جو یہ بتا رہی تھی کہ وہ اس کے فراق میں غمگین ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ایسا طریقہ ہو تو وہ اس سے رجوع کا خواہشمند ہے۔ چنانچہ امام حسینؑ نے ارنیب کو مس کیے بغیر ہی اسے طلاق دیدی اور اسے اس کے پہلے شوہر کے حوالے کر دیا۔ اس طرح معاویہ کی چال ناکام ہو گئی اور یزید کے دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

ابن قتیبہ اور نویریؒ نے روایت کی ہے کہ اس زمانے میں امام حسینؑ کو فہی میں سکونت رکھتے تھے۔ جبکہ عبداللہ بن سلام معاویہ کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ آپ نے یہ عورت اس کو اس وقت واپس کی جب معاویہ نے اس کو عراق کی گورنری سے ہٹا دیا تھا اور وہ کوفہ واپس آ گیا تھا۔

شہاب الدین احمد بن قلیوبیؒ نے روایت کی ہے کہ یزید بن معاویہ نے دیوار پر سے ایک خوبصورت عورت کو دیکھا اور اس پر فریفتہ ہو گیا۔ وہ عدی بن حاتم کی بیوی تھی اور اس کی کنیت ام خالد تھی۔ یزید اس کی وجہ سے بیمار مئی دل کے ہاتھوں بستر سے لگ گیا لیکن کوئی بھی شخص اس کی بیماری کو نہ سمجھ سکا۔ تب ابن عاص نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ یزید کی ماں اس سے تنہائی میں دریافت کرے کہ اس کو کیا عارضہ ہے جب وہ اس سے ملی تو یزید نے اس کو اپنے دل کا حال بتایا۔ تب ابن عاص نے عدی کو یہ کہہ کر



پھسلایا کہ اگر وہ اپنی بیوی اُمّ خالد کو طلاق دیدے تو اس کی تزویج معاویہ کی بیٹی سے ہو جائے گی۔ جب اس نے طلاق دیدی اور اس کی عدت بھی ختم ہو گئی تو معاویہ نے ابو ہریرہ کو بھیجا تا کہ یزید کے لیے اس کو پیغام دیں۔ مدینہ میں جب وہ امام حسینؑ ابن زبیر اور ابن عمر سے ملے تو ہر ایک نے ان سے کہا کہ اس عورت کو میرا بھی پیغام دیں۔ چنانچہ ابو ہریرہ نے اس کو یزید کے علاوہ ان سب کے پیغام بھی دیے اور معاملہ امام حسینؑ پر آن ٹھیرا۔ وہ اس طرح کہ امّ خالد نے یہ فیصلہ خود ابو ہریرہ پر چھوڑ دیا کہ وہی اس کے لیے بہترین فرد کا انتخاب کر دیں اور انہوں نے امام حسینؑ کو منتخب کیا۔ اُدھر جیسا کہ پہلی روایت میں آچکا ہے، معاویہ کی بیٹی نے عدی کے ساتھ تزویج کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے وہ بہت ہی غمگین اور کبیدہ خاطر ہو گیا۔ جب امام حسینؑ نے عدی بن حاتم کو رنجیدہ دیکھا تو آپ نے اس کی بیوی کو اس کے ہاں واپس بھیج دیا، اسی روز یہ کہا گیا کہ

”اے امّ خالد خوشی منا کہ کبھی کبھی بیٹھے بٹھائے بھی کام بن جاتا ہے۔“

یہ روایت باہمی اختلاف اور ٹکراؤ کے باوجود ایک طرف ابن ہند (معاویہ) کی مکر، فریب اور چال بازی کی فطرت سے اور دوسری طرف سے امام حسینؑ کی عالی ظرفی، وفا کیشی اور ظلم و جور سے ٹکراتے رہنے کی فطرت سے بعید نہیں ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یزید کو یہ واقعہ دوبار پیش آیا ہو، کیونکہ وہ شہوت پرستی میں حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ حالانکہ دونوں واقعات کا یا ان میں سے کسی ایک کا واقع ہونا ظن سے آگے نہیں بڑھتا۔ تاہم یہ گمان رہتا ہے کہ یہ دونوں قصے داستان گویوں یا محبت کرنیوالوں کے بنائے ہوئے ہیں اور یہ بات بعید بھی نہیں ہے۔

یزید بن معاویہ کے ولی عہد ہونے کے متعلق امام حسینؑ کا موقف | یزید

ولی عہد مقرر ہونے اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے واقعات پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اسلام اور مسلمانوں کے زاویہ نظر سے یزید کی حیثیت کو سمجھ لیں۔ نیز اموی گھرانہ کی عام صورت حال کے لحاظ سے اسلام کی حیثیت کو بھی سمجھ لیں۔



اس امر میں کوئی محقق اور کوئی مورخ شک نہیں کرتا کہ اموی افراد اسلام کے ظہور سے لیکر اپنی حکومت کے آخری ایام تک اسلام کے بدترین دشمن اور شدید ترین مخالف رہے۔ وہ اسلام میں صرف اس وقت داخل ہوئے جب پیغمبر اکرمؐ سے جنگ آزمائی میں اپنی امکانی قوتیں صرف کر کے ناکام ہو گئے۔ تاہم جب اس میں بادل ناخواستہ داخل ہوئے تو ایک نئے ڈھنگ سے اسلام کے پردے میں جاہلیت کی رسوم کو واپس لائے۔ اس کی خصوصیات کو مسخ کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔

جب معاویہ دن میں بیسیوں مرتبہ، تمام گلدستہ ہائے اذان سے محمد رسول اللہؐ کا نام نامی فضاء عالم میں گونجتا ہوا سنتے تو رنج اور کوفت سے ان کی رگیں کانپنے لگتیں جیسا کہ خود انہوں نے مغیرہ بن شعبہ سے کہا تھا۔ جس کا ذکر ہم پچھلی فصلوں میں امام حسنؑ بن علیؑ کی سیرت میں کر آئے ہیں۔ یہی حال اس گھرانے کے دوسرے فرمانرواؤں کا بھی تھا۔ جو حکومت تو اسلام کے نام سے کرتے تھے لیکن ان کا عمل اس کو مٹانے اس کو خلاف حقیقت بتانے اور اس کے احکام، قوانین اور طریقوں کو مسخ کرنے کے لیے ہوتا تھا۔ پھر یزید بن معاویہ کہ جس کے خلاف امام حسینؑ نے ایک دائمی موقف اختیار کیا جیسا کہ محدثین اور مورخین بیان کرتے ہیں۔ وہ امویوں میں سے نفس پرستی میں بہت ہی بڑھا ہوا تھا اور ناجائز افعال اور بدکاریوں میں غرق رہتا تھا۔

جب ولید نے رات کے وقت امام حسینؑ سے یزید کی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا تو امام حسینؑ نے فرمایا: یزید بن معاویہ ایک بدکار آدمی ہے۔ وہ شراب کا عادی، بے گناہوں کا قاتل اور علانیہ گناہ کرنے والا ہے۔ پس میرے جیسا شخص اس کی بیعت نہیں کرے گا۔

ابن سعد نے یزید کے بارے میں عبد اللہ بن حنظلہ کا ایک قول بیان کیا ہے۔ عبد اللہ بن حنظلہ وہ ہیں کہ جب یزید نے اپنا لشکر مدینہ بھیجا تو اہل مدینہ نے ان کی بیعت کر لی۔ اس وقت یزید کے لشکر والوں سے خطاب کرتے ہوئے عبد اللہ نے کہا: اے لوگو! اللہ وحدہ لا شریک سے ڈرو۔ بخدا ہم یزید بن معاویہ کے خلاف اسی وقت اٹھے ہیں، جب ہم کو یہ خوف ہو گیا کہ ہم پر آسمان سے پتھر برس پڑینگے



کیونکہ یہ شخص ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے منہ کالا کرتا رہتا ہے، شراب پیتا ہے اور نماز روزے کو چھوڑے ہوئے ہے۔ بخدا اگر میرے ساتھ لوگوں میں سے ایک شخص بھی نہ ہوتا تب بھی میں اس بدکار سے سخت جنگ کروں گا۔<sup>۱</sup>

مؤرخ مسعودی لکھتے ہیں کہ یزید موسیقی کا دلدادہ، کتوں اور بندروں کا شوقین اور شراب کی محفلوں کا رسیا تھا۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ قتل حسینؑ کے بعد ایک روز وہ شراب لیے بیٹھا تھا جبکہ اس کی داہنی جانب ابن زیاد بھی موجود تھا۔ تب اس نے اپنے ساتھی کی طرف بڑھ کر یہ شعر پڑھے :

اے میرے ساتھی! مجھے ایسی شراب دے جو میری بے چینی کو دور کرے  
اور میرے دل کو تازگی بخش دے۔ پھر ابن زیاد کو بھی ایسی ہی شراب  
پلاؤ، کیونکہ وہ میرا راز داں، امانتدار اور میری جنگ اور غنیمت  
کا انتظام کرنے والا ہے۔

اس کے بعد اس نے گانے والوں کو حکم دیا اور وہ اس کے سامنے گاتے رہے۔  
راوی مزید کہتا ہے کہ یزید کے درباریوں اور اس کے دوسرے ساتھیوں پر بھی وہی  
بدکاریاں اور جرم و گناہ حاوی ہو گئے جن کا وہ خود مرتکب ہوتا تھا۔ چنانچہ مکہ  
اور مدینہ میں بھی موسیقی اور شراب خوری ہونے لگی اور وہاں ہر قسم کا لہو و لعب  
پھیل گیا تھا۔

اس کا ایک بندر تھا جس کو وہ ابوقیس کہتا تھا۔ وہ اس کی شراب کی محفلوں  
میں بھی موجود رہتا۔ جہاں اس کے بیٹھنے کے لیے ایک گدار رکھا ہوتا تھا۔ پھر وہ تھا بھی  
بہت شریراور بد خو۔ اس کو ایک جنگلی گدھے پر بٹھایا جاتا جو زین اور گام سے سجا  
ہوتا تھا۔ جب گھڑ دوڑ کا دن آتا تو ابوقیس بھی سواروں کے مقابلہ میں شامل ہوتا تھا۔  
کسی دن وہ جیت جاتا اور اس کا گدھا گھوڑے سے پہلے پاڑے میں داخل ہو جاتا۔  
ابوقیس کو سرخ رنگ کا ریشمی لباس پہنایا جاتا جس پر مختلف رنگوں کے پھول بنے ہوتے



تھے۔ اس کے بارے میں کسی شامی شاعر نے یہ اشعار کہے تھے:

اے ابوقیس اس کی لگام کو اچھی طرح سنبھالے رہنا، کیونکہ اگر تو گرا  
تو کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ کیا کسی نے اس بندر کو دیکھا ہے جو گدھے  
پر بیٹھ کر امیر یزید کے گھوڑوں کو ہرا دیتا ہے۔<sup>۱</sup>

محمد بن علی بن طباطبائی (ابن طقطقی) رقمطراز ہیں کہ: یزید بن معاویہ شکاری کتوں  
کو سونے کے کڑے اور زربفت کے کپڑے پہنایا کرتا تھا۔ ہر کتے کی دیکھ بھال کے لیے  
ایک ایک غلام مقرر رہا کرتا تھا۔<sup>۲</sup>

ابن کثیر کہتے ہیں کہ یزید بھاری جسم اور گھنے بالوں والا چمپک رو شخص تھا۔ معاویہ نے  
اس کی ماں کو اس وقت طلاق دیدی تھی جبکہ وہ اس کے بطن میں تھا۔ وہ ایک اچھا شاعر  
تھا، تاہم اس کے شعر زیادہ تر فحاشی و ابتذال سے متعلق ہوتے تھے۔ جیسے اس کے یہ  
اشعار ہیں:

میرے وہ ساتھی جو مل بیٹھ کر شراب پیتے اور محبت بھرے نغمے گاتے

ہیں، میں ان سے کہتا ہوں کہ تم جی بھر کے لطف اٹھا لو، کیونکہ یہ زندگی

خواہ کتنی ہی طویل ہو ضرور ختم ہو جانے والی ہے۔<sup>۳</sup>

جیسا کہ ابن طقطقی نے کہا ہے کہ یزید کے اسی قسم کے اور بھی بہت سے اشعار ہیں جن  
میں سے کچھ اشعار انہوں نے بھی نقل کیے ہیں۔

ابن قتیبہ کی کتاب 'الامامت والسیاست' میں ہے کہ عتبہ بن مسعود نے عبداللہ  
بن عباس سے کہا: کیا آپ یزید کی بیعت کر لیں گے۔ حالانکہ وہ شراب پیتا، لونڈیوں  
کے ساتھ کھیلتا اور بدکاریوں میں مست رہتا ہے۔ وہ بولے کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا  
کہ اس سے زیادہ شراب پینے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ بدترین شرابی ہے۔ اس پر  
مورخوں کا اتفاق ہے کہ اس کی حکومت تین سال اور چھ ماہ تک رہی۔ پہلے سال میں

۱۔ مسعودی۔ مروج الذهب جلد ۲ ۲۔ ابن طقطقی۔ کتاب الفخری صفحہ ۴۹

۳۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ



اس نے حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا۔ دوسرے سال میں مدینہ کو تاراج کیا۔ وہاں مردوں کو قتل کیا اور عورتوں کو تین دن تک اپنے فوجیوں کے آگے ڈالے رکھا۔ پھر تیسرے سال میں اس نے کعبے پر فوج کشی کی اور منجنيق سے سنگباری کر کے اس کو منہدم کر دیا۔

ابن طقطقی اپنی کتاب ”الفخری“ میں لکھتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کھیل، شراب، شکار اور عورتوں سے شدید رغبت رکھتا تھا۔ اس کو شعر گوئی سے اتنا شغف تھا کہ کہا جاتا ہے اس کی حکومت شعر سے شروع ہوئی اور شعر ہی پر ختم ہوئی۔ جس کسی نے بھی اس کی تاریخ زندگی پیش کی ہے، اس نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ دین سے بالکل بے پروائی برتنا اور ہر قسم کی ناجائز حرکات کرتا رہتا تھا۔ جیسا کہ تمام مورخین اور محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ دین سے بے پروا اور ہر قسم کے ناجائز افعال میں سرشار رہتا تھا۔

بعض مستشرقین اور عرب مصنفین، یزید کی تربیت کے ماحول کو اس کی زندگی کی اس نمایاں کیفیت کا سبب قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس کے باپ معاویہ نے اس کی ماں میسون بنت بجدل کلبیہ کو طلاق دیدی جبکہ وہ اس کے بطن میں تھا۔ چنانچہ وہ اپنے میکے والوں کے ہاں بیابان میں چلی گئی اور یزید وہیں پیدا ہوا۔ پھر لڑکپن کی عمر کو پہنچنے تک وہ اسی کے پاس رہا۔ مورخین نے میسون کی طلاق کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ معاویہ جب اس کے پاس گئے تو وہ یشعار پڑھ رہی تھی :

مجھ کو اپنا اون کا موٹا لباس اس ریشمیں لباس سے زیادہ محبوب ہے  
وہی میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ وہ جھونپڑا جس میں کھلی ہوا تیں  
آتی رہتی ہیں، مجھ کو اس بلند و بالا محل سے زیادہ محبوب ہے۔ مجھ کو اونٹوں  
کے یہ کھردرے کجاوے، ان شاہی خچروں کی خوبصورت کاٹھیوں سے  
زیادہ محبوب ہیں۔ مجھ کو مہمانوں پر بھونکتے ہوئے یہ آوارہ کتے، وہاں  
کی پیاری پیاری بلیوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ ہاں! مجھ کو اپنے نادار  
اور اجداد رشتہ داران سخت مزاج گدھوں سے زیادہ محبوب ہیں۔

یہ سن کر معاویہ نے اس سے کہا: اے بجدل کی بیٹی! تو نے ہم کو سخت مزاج گدھا کہہ کر دم لیا ہے۔ جا اب تو اپنے رشتہ داروں ہی میں چلی جا۔ چنانچہ وہ بنی کلب کے



بیابانی علاقہ میں چلی گئی۔ ان دنوں اس پر عیسائیت کا بھی گہرا اثر تھا۔ اسی زمانہ میں اس کے ہاں یزید پیدا ہوا اور پھر لڑکپن تک اسی کے پاس رہا۔ مورخوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یزید کی تعلیم و تربیت نسطوری عیسائیوں کے ہاتھوں ہوئی۔ اسکے علاوہ بعض مصنفین کی رائے میں اس کی نشو و نما ایسے ماحول میں ہوئی جس میں بیابانی زندگی کا اکثر پن اور طبیعت کی سختی شامل تھی۔ بعض مصنفین نے یہ بھی کہا ہے کہ اس نے کعب بن جعیل سے کہا کہ وہ انصار کی برائی کرے لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ اخطل تغلبی کی طرف رجوع کرنے کی رائے دیدی۔ چونکہ وہ عیسائی تھا اس لیے اس نے اس بات کو قبول کر لیا۔ پس اسی عیسائی تربیت کا اثر تھا کہ یزید زیادہ تر عیسائیوں ہی کو اپنے قریب رکھتا تھا۔ وہ اپنے خاص معاملات میں بھی انہی کو شریک رکھتا تھا۔ جیسا کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ اس کو ان لوگوں پر اس حد تک بھروسہ تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کی تربیت بھی ایک عیسائی ہی کے سپرد کی تھی۔ اس طرح اخطل وغیرہ کی دی ہوئی عیسائی تربیت کا یہی اثر ہو سکتا تھا کہ اس کا ان لوگوں کے ساتھ پُر اعتماد تعلق اور مضبوط لگاؤ پیدا ہو جائے۔ علائقی نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ جب یہ امر یقینی ہے یا یقین کے قریب ہے کہ یزید کی تربیت خالص عیسائی طریقہ پر ہوئی تو پھر یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ وہ احکام شرع کی پابندی سے گریز کرے اور مسلمانوں کے طریقوں کا مذاق اڑاتا ہے کیونکہ اس کے دل میں ان احکام کے ماننے کی کوئی اہمیت اور ان پر عمل کرنے کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ بلکہ اگر وہ بڑا ہو کر ایسا نہ نکلتا تو اس بات پر واقعی تعجب ہونا چاہیے تھا۔

بعض مصنفین اس حقیقت کی روشنی میں یزید کی طرف سے اسلام اور شعائر اسلام کی اہانت کیے جانے کا سبب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ سبب اس کے لیے تب وجہ صفائی بن سکتا تھا جبکہ اس کا یہ برتاؤ بیابانی زندگی اور عیسائی تربیت ہی کا خاص نتیجہ ہوتا۔ اس کے سن بلوغ سے لے کر اپنے باپ کا ولی عہد اور پھر خود فرمانروا



ہونے تک اس سے ظہور میں آتا رہا۔ حالانکہ عرب خواہ وہ حضری ہوں یا بدوی ہوں ان میں ایسی خصوصیات تھیں جن کو اسلام نے بھی پسند کیا تھا۔ جیسے وفاء، حق ہمسابہ سخاوت دلیری اور تحفظ ناموس وغیرہ کہ جن کا ذکر تاریخ کرتی ہے لیکن یزید میں، ان میں سے کوئی بات نہ پائی جاتی تھی۔ پھر تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ عربوں نے کبھی بہنوں اور بھوپھیوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہو، جیسا کہ یہ تاریخ اس کے بارے میں بتاتی ہے۔ علاوہ بریں جو لوگ بیابانی ماحول میں عیسائیت پر پیدا ہوئے اور اسلام کی فتح سے پہلے اپنی انتہی نمایاں خصوصیات کے ساتھ زندہ رہے۔ جب وہ اسلام میں داخل ہو گئے تو وہ ان تمام رسوم پر غالب آ گئے، جو ان کو اپنے باپ دادا سے ملی تھیں۔ اس پر طرہ یہ کہ خود معاویہ کی ولادت شرک پر ہوئی اور اسی میں ان کی نشوونما ہوئی تھی۔ وہ قریش کے ساتھ اسلام دشمنی کے تمام مواقع میں شریک تھے۔ نیز بڑکپن میں اور بڑے ہو کر بھی وہ اپنے ان والدین کے ساتھ رہتے تھے جو اسلام سے ہاشمیوں سے اور علویوں سے دشمنی کے معاملے میں تمام مخلوق خدا میں سب سے زیادہ سخت تھے چنانچہ خود معاویہ ان کے باپ اور ان کی ماں رسول اکرمؐ کی وفات سے صرف دو سال پہلے اسلام میں داخل ہوئے لیکن باطن میں شرک چھپائے رہے۔ البتہ ان کے اندر ایسی ہوشیاری موجود تھی کہ بڑی آسانی سے مسلمانوں کا سازنگ اپنائے رہتے تھے۔ حتیٰ اینکه اپنی شام کی گورنری نیز مملکت اسلامی کا حکمران بن جانے کے زمانے میں بھی بڑی کامیابی سے اپنی اس دشمنی کو چھپائے رہے جو وہ اسلام کے لیے رکھتے تھے۔ وہ عام مسلمانوں پر اسلام سے اپنی رغبت ظاہر کرتے رہے۔ حالانکہ وہ ایسے لوگوں میں پلے بڑھے تھے جو اسلام کے بدترین دشمن اور سخت ترین بدخواہ تھے۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ بیشتر اموی حکام جو علانیہ طور پر حرام افعال کے مرتکب ہوا کرتے تھے، اسلام کے ظاہری مراسم کی تحقیر کرتے تھے اور یزید کی طرح تمام اسلامی تعلیمات کے خلاف چلتے تھے۔ وہ کیوں ایسا کرتے تھے؟ حالانکہ نہ وہ بدوی طرز زندگی میں پلے بڑھے تھے اور نہ عیسائی ماحول کے زیر تربیت رہے تھے۔

مختصر یہ کہ بعض مؤلفین کے اس خیال کی تائید نہ تاریخ سے ہوتی ہے نہ اس کی



کوئی عقلی بنیاد ہے کہ یزید کی اس روش کا سبب وہ تربیت ہے جو اس کو بدوی زندگی اور مسیحی ماحول میں ملی تھی۔ میری رائے میں اس کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ ان احمقوں میں سے تھا جو امور سیاست کو بالکل نہیں سمجھتے اور اپنی شہوانی خواہشات اور بغض کی رو میں بہہ جایا کرتے ہیں۔ اس کے لیے اس سے بڑی اور کیا دلیل ہوگی کہ اس نے امام حسینؑ کو ان کے افراد خاندان اور اصحاب سمیت قتل کر ڈالا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے شہر بہ شہر عوام کے سامنے پھرایا۔ حالانکہ وہ رسول اکرمؐ کی ذریت تھے اور لاکھوں مسلمان ان کا احترام کرتے اور ان کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کی اور اسلام کی حقانیت اور خوبیوں کی یاد تازہ کر لیا کرتے تھے۔ نیز اس کے بعد اس نے اہل مدینہ سے جنگ کی اور وہاں کی عورتوں کو اپنے لشکر والوں پر مباح قرار دیدیا کیونکہ ان لوگوں نے امام حسینؑ کے قتل کو ایک عظیم واقعہ قرار دیتے ہوئے اس پر ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے مکہ کا محاصرہ کیا اور کعبہ کو منہدم کر دیا۔ ایسے ہی اس کے اور بھی بہت سے برے اعمال اور زیادتیاں ہیں جن کا سبب حماقت، بھالت اور خود رانی کے علاوہ کچھ نہیں۔

بہر حال جب حجاز اور اس کے اطراف کے مسلمانوں نے دیکھا کہ امام حسنؑ کی وفات کے بعد معاویہ نے اپنے حرام کار اور اسلام کی تحقیر کرنے والے بیٹے یزید کے لیے حالات کو سازگار بنانا شروع کر دیا ہے تو انھوں نے امام حسینؑ سے اس معاملے میں مداخلت کرنیکی خواہش ظاہر کی لیکن آپ ان سب کو صبر کرنے اور حکمت اور تدبیر سے حالات کا سامنا کرنیکی ہدایت فرماتے رہے۔ یزید کے ولی عہد مقرر کیے جانے پر مسلمانوں کے خیالات اور ان کی پریشانی کو عبداللہ بن ہمام سلوی نے ان اشعار میں ظاہر کیا ہے:

ہم ہر ایرے غیرے کو امیر المومنین مانتے اور اس کی بیعت کرتے رہے۔  
 جبکہ ایک کے بعد ایک خود سر حکمران آجاتا تھا۔ یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے  
 تین آئے اور گئے۔ پھر تو خوف اور غضب سے ہمارا یہ حال تھا کہ اگر ہم  
 بنی امیہ کا خون بھی پی لیتے تو ہماری سیری نہ ہوتی۔ ارے تمہاری  
 حالت تو یہ ہے کہ رعایا برباد ہو رہی ہے اور تم خرگوش کے شکار میں  
 لگے رہتے ہو۔



استاد ابو علم کی کتاب ”سیرت اہلبیت“ میں ہے کہ مروان بن حکم نے جو مدینہ میں معاویہ کا گورنر تھا ان کو لکھا: عمر بن عثمان نے خبر دی ہے کہ عراق اور حجاز کے کچھ ممتاز افراد ہم سے کٹ کر حسین بن علیؑ کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور ان کا یہ اقدام خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ جب میں نے اس کے بارے میں چھان بین کی تو مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ عنقریب سر اٹھانے والے ہیں، پس آپ مجھ کو اپنی رائے سے مطلع کیجیے۔ اس پر معاویہ نے اس کو لکھا: مجھے تمہارا خط مل گیا اور اس میں جو کچھ تم نے (امام حسین علیہ السلام) کے متعلق لکھا ہے اس سے میں آگاہ ہو گیا۔ پس تم ان سے مرت ٹکراؤ اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ جب تک وہ ہماری حکومت کے معاملہ میں کوئی جھگڑا نہیں اٹھاتے، ہم نہیں چاہتے کہ ان سے ٹکرائیں۔ پس جب تک ان کی طرف سے کوئی واضح بات ظاہر نہ ہو تم بھی ان سے کنارہ کش رہو۔

بیزاٹھوں نے امام حسینؑ کو لکھا: مجھ کو آپ کے معاملات کے بارے میں خبریں پہنچی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ایسی باتوں سے دور رہیں۔ خدا کی قسم جو شخص اللہ سے عہد و پیمان کر لے وہ اس کو وفا کرنے کا پابند ہے۔ پھر آپ جیسا شخص تو عہد کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ کو خاص بڑائی، بزرگی اور منزلت عطا کی ہے۔ پس آپ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو یاد کیجیے اور اس کو وفا فرمائیے کیونکہ اگر آپ مجھ کو ناپسند کریں گے تو میں بھی آپ کو ناپسند کروں گا۔ آپ میرے خلاف چال چلیں گے تو میں بھی آپ کے خلاف چال چلوں گا۔ آپ غور کیجیے کہ کہیں اس امت کا شیرازہ بکھر نہ جائے اور آپ کی وجہ سے اللہ اس کو فتنے میں نہ ڈال دے۔ آپ نے یقیناً لوگوں کو سمجھ لیا ہے اور ان کو آزمایا ہے۔ ہذا اپنی جان، اپنے دین اور اپنے نانا کی امت کا خیال کیجیے تاکہ وہ بیوقوف افراد جو یقین سے محروم ہیں، آپ کو راہ صواب سے ہٹانہ دیں۔

اس کے جواب میں امام حسینؑ نے ان کو لکھا: مزید یہ کہ تمہارا خط مجھ کو ملا، جس میں تم نے یہ کہا ہے کہ تم کو میرے امور کے متعلق خبریں پہنچی ہیں اور تم مجھ کو ان سے اس لیے دور رکھنا چاہتے ہو کہ ہم تم آپس میں کسی اور ہی عہد کے پابند ہیں۔ ہاں تو جان رکھو کہ نیکیوں کی طرف ہدایت اور رہبری صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔ تم نے ذکر کیا ہے کہ میرے



متعلق کچھ باتیں تم تک پہنچائی گئی ہیں۔ پس یہ کام تمہارے ان ملنے والوں نے کیا ہے جو کہ چغل خور ہیں اور ہمارے بیچ میں پھوٹ ڈالنے کے درپے ہیں۔ ان گمراہ کرنے والوں نے یقیناً جھوٹ بولا ہے کیونکہ میرا ارادہ تم سے جنگ کرنے یا تمہاری مخالفت کرنے کا نہیں ہے، لیکن ایسا نہ کرنے میں مجھے اللہ کا خوف مانع نہیں ہے۔ نہ اس کے لیے مجھے تم سے اور تمہارے ان ملحد اور گم گشتہ راہ دوستوں سے معذرت خواہی کی ضرورت ہے جو سب کے سب ظالموں کا گروہ اور شیطان کے ساتھی ہیں۔ کیا تم حجر بن عدی کندی اور ان کے ساتھیوں کے قاتل نہیں ہو؟ جو نماز کے پابند، عبادت گزار، ظلم سے نفرت کرنے والے بدعتوں پر ٹوکنے والے اور بدی سے روکنے والے تھے۔ وہ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے نہ تھے۔ پھر بھی تم نے بڑی بڑی قسمیں کھائے اور مکرر پیمانہ دینے کے بعد ان کو ظلم اور زیادتی سے قتل کر ڈالا۔ تم نے اپنے اور ان کے مابین باندھے گئے کسی پیمانہ کا خیال نہ کیا۔ اس طرح تم اللہ کے مقابلے پر جرأت اور اس سے کیے ہوئے عہد کی تحقیر کے مرتکب ہوئے۔

کیا تم عمرو بن حتم کے قاتل نہیں ہو؟ جو رسول اکرمؐ کے صحابی اور اللہ کے ایک نیک بندے تھے۔ کثرت عبادت نے ان کو گھلا دیا تھا جس سے ان کا جسم دبلا ہو گیا تھا اور ان کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ تم نے ان کو بھی امان دینے اور ایسے ایسے عہد و پیمان کے بعد قتل کر ڈالا کہ اگر وہ جنگی بکریوں کے ساتھ بھی کیے جاتے تو وہ بھی پہاڑوں کی چوٹیوں سے نیچے اتر آتے۔

زیاد بن سمیہ کہ جو عبید بن ثقیف کے یہاں پیدا ہوا تھا کیا تم نے اس کو اپنے باپ کا بیٹا قرار نہیں دیا؟ حالانکہ رسول اکرمؐ کا فرمان ہے کہ لڑکا اسی کا ہے جس کے یہاں پیدا ہو اور زنا کار کو صرف پتھر پڑیں گے لیکن تم نے جان بوجھ کر رسول اکرمؐ کی نافرمانی میں اپنی خواہش کی پیروی کی۔ پھر تم نے اسی شخص کو اہل اسلام پر مسلط کر دیا۔ اب وہ ان کو قتل کرتا ہے انکے ہاتھ پیر کاٹتا ہے، ان کی آنکھیں نکلواتا ہے اور ان کو کھجور کے درختوں پر پھانسی دیتا ہے۔ گویا کہ نہ تم اس امت میں شامل ہو اور نہ مسلمانوں کا تم سے کوئی تعلق ہے۔



کیا تم وہ نہیں ہو کہ جب حضرمیوں کے بارے میں ابن سمیہ نے تم کو لکھا کہ وہ علیؑ کے طریقے پر ہیں تو تم نے اسے لکھ بھیجا: ہر اس شخص کو قتل کر ڈالو جو علیؑ کے طریقے پر ہو۔ چنانچہ اس نے ان سب کو قتل کر ڈالا اور تمہارے حکم سے ان کے اعضاء کاٹ ڈالے۔ ہاں نو علیؑ کا طریقہ کیا ہے؟ ارے وہ ان کے ابن عم محمد رسول اللہؐ ہی کا دین تو ہے کہ جس کی خاطر وہ تم سے اور تمہارے باپ سے لڑا کرتے تھے کہ تم دونوں اپنی گمراہی سے باز آ جاؤ۔ یاد رکھو آج تم اسی دین کی بدولت ہی اس مقام پر بیٹھے ہو جہاں تم اس وقت ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہاری اور تمہارے باپ دادا کی بزرگی ان جاڑے اور گرمی کے تجارتی قافلوں تک ہی محدود رہتی۔ دوسری باتوں کے علاوہ تم نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ اپنی جان اپنے دین اور امت محمدؐ کا خیال کیجیے اور یہ فکر کیجیے کہ کہیں مسلمانوں کا شیرازہ نہ بکھر جائے اور مبادا آپ ان کو فتنہ میں ڈالیں۔ حالانکہ میری دانست میں اس امت کے لیے اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے کہ تمہاری حکومت اس پر قائم رہے۔ اپنی جان اپنے دین اور امت محمدؐ کو نظر میں رکھتے ہوئے میرے لیے اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں ہے کہ میں تم سے جنگ کروں۔ اگر میں ایسا کروں تو میرا یہ عمل اللہ کی خوشنودی کے لیے ہوگا لیکن اگر میں اس سے باز رہوں تو پھر میں اپنے دین کی خاطر اللہ سے بخشش طلب کروں گا اور اپنے معاملے میں راست روی کے لیے اس کی توفیق چاہوں گا۔

تم نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر آپ مجھ کو ناپسند کریں گے تو میں بھی آپ کو ناپسند کروں گا۔ اگر آپ میرے خلاف چال چلیں گے تو میں بھی آپ کے خلاف چال چلوں گا۔ پس میں کہتا ہوں تم میرے خلاف جو چال چلنا چاہتے ہو چل لو۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ تمہاری کوئی چال مجھ کو گزند نہ پہنچائے گی۔ تمہاری وہ چال کسی اور کے مقابلے میں خود تمہارے لیے نقصان دہ ہوگی۔ وہ اس لیے کہ تم اپنی جہالت میں سرشار ہو۔ تم نے اپنے عہد و پیمان توڑنے کی جرأت کی ہے۔ قسم بخدا! تم نے ہم سے کی ہوئی شرطوں میں سے ایک شرط بھی پوری نہیں کی۔ بلکہ تم نے ان لوگوں کو قتل کر کے یقیناً عہد شکنی کی ہے جن کو تم نے صلح، قسم اور عہد کے بعد بھی قتل کر ڈالا۔ تم نے ان لوگوں پر صرف اس لیے ظلم ڈھایا ہے کہ وہ ہماری فضیلتیں بیان کرتے تھے اور ہمارے حق کی فوقیت کو تسلیم کرتے



تھے۔ تم نے ان کو خوف سے قتل کر ڈالا کہ شاید تم اس سے پہلے مرجاتے کہ وہ اپنا کام کرتے یا وہ مرجاتے قبل اس کے کہ تمہاری گرفت میں آتے۔ اے معاویہ! اب سن لو کہ انکا قصاص ضرور لیا جائے گا اور یقین کر لو کہ تمہیں ان کے خون کا حساب ضرور دینا ہوگا۔ یہ بھی جان رکھو! کہ اللہ کے پاس ایک کتاب ہے جو کسی چھوٹے بڑے گناہ کو قلمبند کیے بغیر ہرگز نہیں چھوڑتی۔ تم محض شک اور تہمت کی بنا پر لوگوں کا مواخذہ کرتے ہو اور ان کو ان کے گھروں سے نکال کر جلا وطن کر دیتے ہو۔ اللہ اس ظلم کو اور اپنے بیٹے کے لیے لوگوں سے تمہارے بیعت لینے کو قطعاً معاف کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ وہ ایک نوخیز لڑکا ہے جو شراب پیتا ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے۔ میری نظر میں تم نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے اور اپنی رعایا کو دھوکہ دیا ہے کیونکہ تم نے ایک جاہل اور بیوقوف کی بات تو سنی لیکن خدا ترس اور پرہیزگار لوگوں کی بات کو حقیر سمجھا۔

معاویہ نے آپ کا خط پڑھا تو کہنے لگے: جو کچھ ان کے دل میں چھپا ہوا تھا وہ سب انہوں نے ظاہر کر دیا ہے۔ اس پر ان کے بیٹے یزید نے کہا: آپ ان کو اس خط کا ایسا جواب دیجیے جس سے ان کو اپنے چھوٹے پن کا احساس ہو جائے۔ اس میں آپ ان کے باپ کی مصیبتوں کا ذکر کیجیے۔ اتنے میں عبد اللہ بن عمرو بن عاص بھی آپنچا۔ معاویہ نے اس سے کہا: تم جانتے ہو کہ حسینؑ نے ہمیں کیا لکھا ہے۔ وہ بولا کیا لکھا ہے؟ تب انہوں نے وہ خط پڑھ کر اس کو سنایا۔ اس پر اس نے کہا: آپ ان کو ایسا جواب کیوں نہیں دیتے جس سے وہ اپنے آپ کو ہر لحاظ سے چھوٹا سمجھنے لگیں۔ معاویہ بولے: یزید نے بھی مجھ کو یہی مشورہ دیا ہے، لیکن تم دونوں غلطی پر ہو۔ کیا تم نے غور کیا کہ اگر میں علیؑ پر عیب لگانا چاہوں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ علیؑ پر چھوٹا اور انجان سا عیب لگانا تو اچھا نہیں ہے۔ یہ بات میرے لیے بھی مناسب نہیں کہ میں کسی شخص کا ایسا عیب بیان کروں کہ عام لوگ اس کو جانتے ہی نہ ہوں۔ تاکہ وہ اس میں یہ عیب نہ پا کر میری بات کو جھوٹ نہ قرار دیں۔ اب تم ہی کہو کہ میں حسینؑ پر کیا عیب لگاؤں۔ قسم بخدا! ان پر عیب لگانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تاہم میں بھی یہ چاہتا تھا کہ اب ان کو ایک اور خط لکھ کر ڈراؤں دھمکاؤں لیکن پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بھی نہ کروں تو اچھا ہے۔



راویوں کا بیان ہے کہ امام حسینؑ اور معاویہ کے درمیان ایک سے زیادہ مرتبہ گفتگو ہوئی تھی۔ اس میں معاویہ یہ کوشش کرتے تھے کہ یزید کی بیعت کے معاملہ میں امام حسینؑ سے اپنی بات کو آخری حد تک پہنچا دیں لیکن سر دست وہ یہ چاہتے تھے کہ حتی الامکان شدت سے کام نہ لیں جبکہ وہ سب سے زیادہ امام حسینؑ سے خائف تھے کیونکہ وہ اسلام میں ہر پہلو سے عظیم مرتبہ کے حامل تھے۔ پھر آپؑ پر بھی معاویہ کے طور طریقے چھپے ہوئے نہ تھے۔ چنانچہ آپؑ ان کے الفاظ کی نرمی، بات چیت کی طراوت اور فریب کاری سے دھوکہ نہ کھاتے تھے۔ اس کے باوصف آپؑ ان کو اس طریقہ سے جواب دیتے رہے کہ دونوں کے درمیان تبادلہ خیالات جاری رہا۔ اسی دوران میں ایک بار آپؑ نے لکھا: یزید نے اپنے بارے میں رائے دینے کا موقع خود ہی فراہم کر دیا ہے۔ تم اس کے لیے مشغول کر کے لڑائے جانے والے کہتے۔ اپنے ہم جنسوں کی طرف اڑنے والے کبوتر، طبلے، طنبورے اور ناچنے گانے والی لڑکیاں مہیا کر دو۔ پھر تم دیکھو گے کہ وہ انہی چیزوں میں کھو جائے گا۔ لہذا جس چیز کی کوشش میں تم لگے ہوئے ہو اس کو چھوڑ دو، کیونکہ مخلوق خدا کے معاملے میں تم اپنے جس قدر گناہ لیے ہوئے اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو، وہی تمہارے لیے کافی ہیں۔ تاہم میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم باطل کے لیے زیادتیاں کرنے اور بغض کی بنا پر ظلم کرنے سے باز نہ آؤ گے۔ یہاں تک کہ تمہاری عمر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے۔ حالانکہ تمہارے اور تمہاری موت کے درمیان صرف آنکھ جھپکنے کا وقفہ ہے۔ اس کے بعد تم ہو گے اور تمہارے اعمال ہوں گے جو یوم حساب کے لیے محفوظ ہیں اور اس وقت تمہارے لیے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

ابن جریر طبری نے سنہ ۶۵ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ معاویہ نے اپنے مرض الموت کے دوران میں اپنے بیٹے یزید کو بلا کر اس سے کہا: اے بیٹے! میں نے تمہارے لیے پورا ساز و سامان مہیا کر دیا ہے۔ معاملوں کو تمہارے لیے ہموار کر دیا ہے، دشمنوں کو تمہارے آگے سرنگوں کر دیا ہے اور عربوں کی گردنیں تمہارے آگے جھکا دی ہیں۔ اب مجھے قریش کے چار افراد کے سوا کسی سے خوف نہیں ہے کہ کوئی شخص تم سے اس حکومت کے بارے میں تننازعہ کرے گا جو میں نے تمہارے لیے تیار کی ہے، وہ چار افراد حسینؑ ابن علیؑ



عبداللہ ابن عمرؓ عبداللہ ابن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ہیں۔ عبداللہ بن عمر کو تو عبادت نے ناکارہ کر دیا ہے۔ جب ان کے علاوہ بیعت نہ کرنے والا کوئی اور باقی نہ رہے گا تو وہ بھی تمہاری بیعت کر لیں گے۔ البتہ اہل عراق حسینؑ بن علیؑ کو تم سے لڑائے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ اگر انھوں نے تم پر فوج کشی کی اور تم ان پر فتح مند ہو گئے تو ان سے درگزر کر دینا کیونکہ ہمارا ان سے قریبی رشتہ ہے اور ان کا مرتبہ بھی عظیم ہے۔ رہے ابوبکر کے بیٹے تو اگر ان کے ساتھ کچھ کریں گے تو وہ بھی کریں گے، ورنہ ان میں نہ پرستی اور نہ ولع کے سوا اور کسی چیز کی ہمت نہیں ہے۔ البتہ جو شخص تم پر شیر کی مانند تانک لگائے گا اور بوسٹری کی طرح تم کو دھوکہ دے گا وہ ابن زبیرؓ ہے کیونکہ جیسے ہی اس کو موقع ملے گا وہ تمہارے اوپر جھپٹ پڑے گا۔ پس اگر اس نے تمہارے ساتھ ایسا کیا اور تم کو اس پر فتح حاصل ہو جائے تو تم اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ انھوں نے کہا: حسینؑ بن علیؑ ایک قوی فرد ہیں اور امید ہے کہ ان کے لیے تمہیں انہی لوگوں کی مدد کافی ہو جائے گی جنہوں نے ان کے باپ کو قتل کیا اور ان کے بھائی سے کنارہ کشی اختیار کی۔ تاہم ان سے ہمارا قریب کا رشتہ ہے۔ ہم پر ان کا عظیم حق ہے اور ان کی رسول اکرمؐ سے قربت داری ہے۔ میرا خیال ہے کہ اہل عراق ان کو تم سے بھڑائے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ اگر تم ان پر فتحیاب ہو جاؤ تو ان سے درگزر کرنا۔

اگر یہ صحیح ہے کہ انھوں نے امام حسینؑ کے بارے میں یزید کو ایسی وصیت کی تھی، تو پھر اس کی وجہ ان کا یہ علم تھا کہ امام حسینؑ کے قتل سے یزید اور پورے اموی گھرانے پر مکمل تباہی اور بربادی ٹوٹ پڑے گی۔ پھر بھی مجھ کو اس معاملے میں اس لیے شک ہے کہ اگر امام حسینؑ کا وجود خود معاویہ کی حکومت اور اقتدار میں خارج ہوتا تو وہ ان کو کبھی نہ بخشتے اور نہ ہی درگزر کرتے۔ پھر وہ اپنے بیٹے کو ایسے سلوک کی وصیت کیوں کرنے لگے، جو انھوں نے اپنے مخالفین کے ساتھ نہ کیا تھا۔ چنانچہ اس سے قبل وہ امام حسنؑ، حجر بن عدی اور خدا کے دسیوں پاکباز بندوں کو قتل کر چکے تھے۔ علاوہ انہی انھوں نے سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن خالد بن ولید کو بھی قتل کیا، کیونکہ یہ دونوں ان کے



بعد یزید کے خلیفہ بنائے جانے پر معترض ہوئے تھے۔ پھر اموی گھرانہ کب عفو و درگزر سے واقف ہوا یا ان کے یہاں علوی گھرانے سے قریبی رشتہ کب شمار میں لایا گیا۔ ہاں یہ بات زیادہ قابل تزیح معلوم ہوتی ہے کہ معاویہ کی زبانی ایسی وصیت اس لیے تیار کی گئی ہے کہ جو کچھ ان کے ولی عہد نے امام حسینؑ اور ان کے اہلبیتؑ کے ساتھ کیا اس کی ذمہ داری ان پر سے کم ہو جائے۔

البتہ جو روایت ابن اثیر نے اسد الغابہ کی دوسری جلد میں بیان کی ہے وہ اموی سیاست کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے کہ جس کی بنیاد سخت روی پر فریب قتل اور اقتدار کی خاطر ہر قسم کے تشدد کے استعمال پر قائم تھی۔ جیسا کہ ابن اثیر نے کہا ہے کہ جب یزید کے باپ نے اس کے ولی عہد ہونے کی بیعت لی تو امام حسینؑ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اور ان کے ساتھ ہی ابن عمر، ابن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر نے بھی یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ بیشتر لوگوں نے اس کی بیعت کر لی تھی۔ اس پر معاویہ ایک ہزار شامی سوار لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ان سے حسینؑ کی ملاقات ہوئی۔ جب اس کی نظر آپ پر پڑی تو بولا: میری طرف سے قربانی کے ایسے جانور کو خوش آمدید نہیں کہا جاسکتا جس کا خون بہہ رہا ہے اور اللہ اس کو بہانے والا ہے۔ اس پر امامؑ نے ان سے کہا: اے معاویہ ذرا سنبھل کر بات کرو۔ میں ایسے الفاظ کا مستحق نہیں ہوں۔ تب معاویہ نے کہا: کیوں نہیں! بلکہ تم اس سے بھی بُرے الفاظ کے مستحق ہو۔ پھر جب ابن زبیر نے ان سے ملاقات کی تو انھوں نے ان سے کہا: میری طرف سے ایسے فریب کار کو خوش آمدید نہیں ہے جو سر کو چھپائے ہوئے اپنی دم کو پٹختا رہتا ہے۔ قسم بخدا! عنقریب اس کو دم کی طرف سے پکڑ لیا جائے گا اور اس کی مکر توڑ دی جائے گی۔ پھر کہا: اس کو میرے پاس سے پرے لے جاؤ۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے ابن زبیر کی سواری کے منہ پر چایک رسید کیا۔ اس کے بعد جب عبدالرحمن بن ابی بکر ان سے ملے تو ان سے انھوں نے کہا: ایسا بوڑھا کہ جس کی عقل جاتی رہی ہے، اس کو میری طرف سے خوش آمدید نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی سواری کے منہ پر بھی چایک مار دیا۔ نیز انھوں نے ابن عمر کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا۔



اس طرح معاویہ مدینہ میں داخل ہوئے مگر ان چاروں افراد میں سے کسی کے گھر پر اترنے کے لیے راضی نہیں ہوئے۔ تاہم دوسرے لوگوں کو بھی ان میں کوئی پسندیدہ بات نظر نہیں آئی۔ پھر وہ مکہ گئے اور وہاں کے لوگوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں اپنے بیٹے یزید کا ذکر کیا اور اس کی خوب تعریف و توصیف کی۔ بعد میں وہ بی بی عائشہ سے ملنے گئے۔ وہ یہ خبر سن چکی تھیں کہ معاویہ نے امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کو یہ دھمکی دی ہے کہ اگر وہ یزید کی بیعت نہ کریں گے تو ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے بی بی عائشہ سے ان لوگوں کی شکایت کی۔ اس پر وہ بولیں: مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تم نے ان لوگوں کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ معاویہ نے کہا: میں نے یزید کے لیے بیعت لی ہے اور ان چار افراد کے علاوہ سبھوں نے اس کی بیعت کر لی ہے تو اب جبکہ بیعت مکمل ہو گئی ہے کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ اس کو توڑ دیا جائے۔ اس پر وہ بولیں: پھر بھی تم ان کے معاملے میں نرمی سے کام لو اس لیے کہ وہ بھی اسی طرف آجائیں گے جدھر تم انکو لانا چاہتے ہو۔

پھر وہ ان سے مذاق کے طور پر کہنے لگیں: تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ جو چھ تم نے میرے بھائی محمد کے ساتھ کیا تھا اس کی وجہ سے میں نے تمہارے پیچھے ایسے آدمی لگا دیے ہیں جو تم کو دھوکے سے مار ڈالیں۔ اس پر وہ بولے کہ نہیں! میں تو آپ کے گھر میں خود کو ہر طرح سے محفوظ سمجھتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ ان کے گھر سے یہ ارادہ لے کر چلے کہ بیعت سے انکار کرنے والوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے بشرطیکہ وہ ان کے مطالبہ کو مان لیں۔ اب انھوں نے امام حسینؑ اور دوسرے معتز ضنین کو بلوایا اور ان کو بتایا کہ میں نے یزید کو کیوں منتخب کیا ہے۔ پھر ان سے خواہش کی کہ وہ اس کی تائید کریں اور اس کا ساتھ دیں۔ گویا انھوں نے ان لوگوں کے ساتھ بھی وہی طرز عمل اختیار کیا جو انھوں نے امام حسینؑ کے ساتھ اس وقت اختیار کیا تھا جب ان کو صلح کی تجویز پیش کی تھی۔ منجملہ اور باتوں کے انھوں نے یہ بھی کہا: حکومت دراصل تمہاری ہی ہوگی، کیونکہ تدبیر مملکت تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔ یزید کی خلافت تو بس برائے نام ہوگی۔

ظاہر ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے دوسرے ساتھی اس طرح مطمئن نہ ہو سکتے تھے نہ وہ اس قسم کی پیشکش کے دھوکے میں آ سکتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان پر زور ڈالا



کہ یا تو آپ ابو بکر کی طرح عمل کریں جنہوں نے ایسے شخص کو خلافت کے لیے منتخب کیا جو ان کے اہل میں سے نہیں تھا۔ یا آپ عمر بن خطاب کی طرح عمل کریں جنہوں نے چھ آدمیوں کو نامزد کر دیا اور خلافت انہی میں مرکوز کر دی تھی۔ اس پر وہ غصہ سے بیٹھ گئے اور بولے: اب تک تو میں اس طرح بات کر رہا تھا کہ تم میں سے جس کسی کو کوئی بات ناپسند تھی، وہ مجھ کو ٹوک دیتا تھا، نہ میں اس کو برا کہتا تھا نہ اس کی بات کا برا مانتا تھا۔ ہاں سن لو کہ اب میں مسجد نبویؐ جارہا ہوں، جہاں میں اپنے فیصلے کا اعلان کروں گا۔ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کا ٹی یا جو کچھ میں کہوں گا اس کی مخالفت کی تو قبل اس کے کہ اس کے الفاظ ہونٹوں پر آئیں، میری تلوار اس کی گردن پر جا پڑے گی۔

پھر امام حسینؑ اور دوسرے تینوں افراد کو مسجد میں لا کر بٹھا دیا گیا۔ تب معاویہ منبر پر آئے۔ اللہ کی حمد و ثناء کی اور کہا: میں نے اپنے بعد کے لیے مسلمانوں کی حکومت کے معاملے پر بڑا غور کیا ہے لیکن اس کے لیے میں نے اپنے بیٹے یزید سے زیادہ مناسب کسی کو نہیں پایا۔ انہوں نے مزید کہا: میں نے حسین بن علیؑ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن ابن ابی بکر سے کہہ دیا ہے کہ یزید کوئی بھی معاملہ ان کے بغیر طے نہ کرے گا اور وہ ان کی رائے کے بغیر کوئی اقدام نہ کرے گا۔ وہ سب اس بات کو مان گئے ہیں اور یہ امر انہوں نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ اب میں جیسے چاہوں اس کو پورا کروں۔ انہوں نے جن افراد کے نام لیے ان میں سے کوئی بھی نہ بولا۔ نہ کسی نے ان کو ٹوکا، کیونکہ بیشتر مورخین نے صراحت کی ہے کہ اس وقت ان کے سروں پر تلواریں کھینچی ہوئی تھیں۔ مگر وہاں موجود عام لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ سب معاویہ کے ساتھ متفق ہیں۔ چنانچہ سب لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ اس طرح مکر اور فریب سے معاویہ کی اس خواہش کی تکمیل ہو گئی اور انہوں نے دوسرے شہروں کی طرح، یزید کی بیعت سے مدینہ کی موافقت کا اعلان بھی کر دیا۔

معاویہ یہ سب کچھ کر کے شام واپس چلے گئے لیکن ان کے دل میں کھٹکا لگا۔ ہا کہ ان کی مخالفت سب سے پہلے عراق سے سراٹھائے گی۔ وہاں کے لوگ امام حسینؑ کو خط لکھ کر بلائیں گے تاکہ ان کی بیعت کریں۔ پھر حالات خواہ کچھ بھی ہوں وہ انکی دعوت کو



منظور کر لیں گے۔ چنانچہ مورخوں کے ایک گروہ کے مطابق اسی لیے انہوں نے یزید کو امام حسینؑ پر فتنہ ہونے کی صورت میں ان سے درگزر کرنے کی وصیت کی تھی۔ پس اس وصیت کے صحیح ہونے کی صورت میں اس کے بارے میں اپنی رائے پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں۔ پس اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ معاویہ کو یہ احساس تھا کہ جب کبھی کوئی شخص بنی امیہ سے حکومت چھیننا چاہے گا وہ ان کے خلاف قتل حسینؑ کو ایک زبردست حربے کے طور پر استعمال کرے گا۔

**امام حسینؑ عہد یزید میں** | معاویہ ابن ابی سفیان نے سترہھیں وفات پائی۔ ان کی زندگی گناہوں، ناجائز کاموں اور اسلام

کے اصولوں کی کھلی خلاف ورزیوں سے بھری ہوئی تھی لیکن ان سب پر طرہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا، حالانکہ وہ اس کی بدکرداری سے واقف تھے۔ باوجودیکہ ان کے ناپسندیدہ اقدام کے خلاف ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی تھیں، پھر بھی وہ اس پر اڑے رہے اور لوگوں سے وعدہ و وعید کے ذریعے اس کے حق میں بیعت لیتے رہے۔ پھر جیسے ہی وہ ان کے بعد حکومت پر قابض ہوا، اس نے نتائج سے بے پروا ہو کر امام حسینؑ سے اپنی حکومت کی شرعی حیثیت کی تصدیق کرانے کی کوشش شروع کر دی چنانچہ اس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا: سب لوگوں سے عموماً اور امام حسینؑ سے خصوصاً میری بیعت لے لو۔ نیز اس پر زور دیا کہ وہ امام حسینؑ کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور ان سے کسی قسم کی رعایت نہ کرے تاہم وہ بیعت کر لیں۔ جو نہی گورنر کو وہ خط ملا اس نے امام حسینؑ کے بارے میں مشورہ کے لیے مروان بن حکم کو بلا بھیجا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ یزید کی بیعت نہ کریں گے، اس لیے یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ مروان نے اس کو یہ رائے دی ہو کہ وہ امام حسینؑ کو روکے رکھے تاکہ وہ بیعت کر لیں، ورنہ ان کو قتل کر دے۔ اس لیے کہ وہ محمد و آل محمدؑ کا بدترین دشمن تھا اور فی الوقت خود حکومت حاصل کرنے کی فکر میں تھا کیونکہ جب معاویہ نے اس سے یزید کو ولی عہد بنانے کے بارے میں مشورہ کیا تھا تو اس نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ بعض مورخین کا خیال ہے، اسی بنا پر معاویہ نے اس کو مدینے سے معزول کر کے ایک دوسرے شخص کو گورنر مقرر کر دیا



تھا۔ مروان یہ بھی جانتا تھا کہ قتل حسینؑ نہ صرف ابوسفیان کے گھرانے کے لیے بدترین نتائج پیدا کرے گا بلکہ وہ حکومت کی طمع اور خواہش رکھنے والوں کے ہاتھ میں سب سے بااثر ہتھیار کا کام دے گا اور پھر ایسا ہی ہوا۔ البتہ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ جب اس نے گورنر کو یزید کی بیعت نہ کرنے کی صورت میں امام حسینؑ کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت بغض اہلبیتؑ کے علاوہ یہ بات بھی اس کے دل میں رہی ہو۔ تاہم ولید بن عتبہ بن ابی سفیان خاصا عقلمند ثابت ہوا اور مروان اس سے ایسے جرم کا ارتکاب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا جس کی مثال تاریخ میں نابلود ہے۔

چنانچہ ولید نے امام حسینؑ کو رات کے وقت بلا بھیجا۔ جب قاصد پہنچا تو آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس وقت تک معاویہ کے مرجانے کی خبر لوگوں میں نہ پھیلی تھی۔ تب امامؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ولید نے آپ کو مرگ معاویہ کی اطلاع دینے اور نئے حکمران کی بیعت لینے کے لیے بلایا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے بھائیوں، بیٹوں اور دوستوں کو بتلایا کہ گورنر نے مجھے بلایا ہے۔ مزید فرمایا کہ: مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ مجھ سے ایسی بات کا مطالبہ کرے گا جو میں نہ مانوں گا۔ اس لیے ممکن ہے میرے اور اس کے درمیان اختلاف ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو کہا کہ تم میرے ساتھ چلے چلو۔ ساتھ ہی یہ سمجھا دیا کہ تم لوگ دروازے پر بٹھڑے رہنا تا وقتیکہ کہ میں تمہارے پاس واپس نہ آ جاؤں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: البتہ اگر تم سنو کہ گھر کے اندر میری آواز بلند ہوئی ہے تو تم سب یک دم وہاں آ جانا۔ چنانچہ وہ سب لوگ آپ کے ساتھ آئے۔ تاہم امامؑ تنہا ہی اندر تشریف لے گئے جہاں پہلے تو گورنر نے ان کو معاویہ کی خبر مرگ سنائی۔ پھر اس نے آپ کے سامنے یزید کا وہ خط پڑھا جس میں اس نے امام حسینؑ سے سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا تھا تاہم البتہ وہ بیعت کر لیں۔ اس پر امامؑ نے یہ جواب دیا: یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو علانیہ طور پر اتمام پذیر ہونا چاہیے۔ پس جب صبح کے وقت اور لوگ جمع ہوں گے تو ہم بھی اس پر غور کریں گے۔ مروان جو اس موقع پر وہاں موجود تھا، اس نے گورنر کو یہ مشورہ دیا: امام حسینؑ کو روکے رہو، یہاں تک کہ وہ بیعت کر لیں۔ ورنہ ان کی گردن اڑا دو کیونکہ اگر یہ اس وقت بیعت کیے بغیر چلے گئے تو پھر تم کبھی ان پر قابو نہ پاسکو گے۔ اس پر امامؑ نے



مروان کو ڈانٹا: اے ابن زرقاء! تو اس کو میری گردن اڑانے کا مشورہ دے رہا ہے۔ اس سے دونوں طرف غصے کے آثار ظاہر ہو گئے۔ تب امامؑ نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ اس طلب بیعت کے بارے میں گورنر پر اپنی رائے واضح کر دیں۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا: ہم الہدیت ۴ نبوت اور معدن رسالت ہیں۔ ہم ہی سے اللہ نے دین کی ابتدا کی اور ہم ہی پر اس کی انتہا بھی کی ہے۔ پھر تم جانتے ہی ہو کہ یزید ایک کھلا ہوا بدکار اور اسلام کی تحقیر کرنے والا شخص ہے۔ پس سمجھ رکھو کہ مجھ ایسا شخص اس کی بیعت نہیں کریگا۔ پھر بھی ہم تم کو صبح کا انتظار کرنا چاہیے۔ اب گورنر ڈرا کہ کہیں امام حسینؑ اور مروان کا اختلاف اتنا نہ بڑھ جائے کہ جس کے نتائج مصلحت کے خلاف ہوں۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ہاشمی نوجوان دروازے پر امام حسینؑ کا انتظار کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے آپؑ سے کہا: اے ابو عبد اللہ! اس وقت آپ گھر چلے جائیے۔ اب ہماری اور آپ کی ملاقات کل مسجد میں ہوگی۔

جب امام حسینؑ والی مدینہ کے ہاں سے چلے گئے تو مروان نے اس سے کہا: تم نے میرا کہنا نہ مانا۔ بخدا! اب تمہیں ایسا موقع کہنی نہ ملے گا۔ اس پر وہ بولا: اے مروان! دائے ہو تم پر۔ کیا تم مجھ کو رسول اکرمؐ کے نواسے کو قتل کرنے کا مشورہ دیتے ہو؟ قسم بخدا! جو شخص قیامت میں خون حسینؑ کا جرم لیے ہوئے مقام حساب میں کھڑا ہوگا، اللہ کے سامنے اس کا پلہ ہلکا ہی رہے گا۔

ادھر امام حسینؑ نے وہاں سے آتے ہی سواریاں تیار کرنا شروع کر دیں تاکہ مدینہ کی حدود سے باہر چلے جائیں، کیونکہ آپؑ نے موقع کی نزاکت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ جیسا کہ بیشتر روایات بتاتی ہیں، پھر چند ہی روز کے اندر آپؑ اپنے اہل و عیال سمیت رات کی تاریکی میں مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس وقت یہ آیت آپؑ کے ورد زبان تھی: **فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَدَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الظَّالِمِينَ...** یعنی ”وہ وہاں سے خوف کی حالت میں نکلے اور کہتے جاتے تھے کہ بارِ اہلہا مجھ کو ظالموں سے نجات دلا دے“ (سورہ قصص - آیت ۲۱)

آپ اسی راستے سے جا رہے تھے جس سے لوگ عموماً جایا کرتے تھے۔ آپؑ سے کہا بھی گیا کہ آپ بھی راستہ تبدیل فرما کر سفر کریں، جیسا کہ عبد اللہ بن زبیر نے کیا



جو امام حسینؑ سے چند روز پیشتر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تھے لیکن آپ نے کوئی دوسرا راستا اختیار کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: قسم ہے اللہ کی میں شاہراہ کو ترک نہ کروں گا تا اینکه اللہ وہ فیصلہ کر دے جو اس کی مرضی کے مطابق ہو۔

آپ ۳ شعبان سنہ ۶۰ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ پھر شعبان کے باقی ایام، ماہ رمضان، شوال اور ذیقعد میں آپ وہیں قیام پذیر رہے۔ حتیٰ کہ آٹھویں ذوالحجہ کو آپ مکہ سے روانہ ہو گئے۔ اس وقت محمد بن حنفیہ کے سوا آپ کے سب بھائی آپ کے ساتھ تھے۔

البتہ محمد بن حنفیہ کے بارے میں مختلف روایات بیان کی گئی ہیں۔ بعض روایات بتاتی ہیں کہ وہ سخت بیمار تھے اور کسی کام کے لیے اٹھ بیٹھ یا چل پھر نہ سکتے تھے لیکن بعض روایات میں ہے کہ امام حسینؑ نے ان کو حجاز میں اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ وہ وہاں کے لوگوں اور ان کی حرکات پر نگاہ رکھیں۔ چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا: پیارے بھائی! آپ کے لیے ضروری ہے کہ مدینہ ہی میں ٹھہرے رہیں اور ان لوگوں پر میری طرف سے نگہداری فرماتے رہیں تاکہ ان کی خبریں مجھ سے پوشیدہ نہ رہیں۔ اس پر محمد بن حنفیہ نے آپ سے کہا: پیارے بھائی! آپ یزید کی بیعت سے باز رہیے اور جہاں تک ممکن ہو بڑے شہروں سے بھی دور رہیے۔ البتہ آپ اپنے قاصدوں کو لوگوں کے پاس بھیجے۔ اگر وہ آپ کی بیعت کر لیتے ہیں تو اللہ کا شکر ہے اور اگر وہ آپ کے علاوہ کسی اور پر اتفاق کرتے ہیں تو اس سے آپ کے دین اور آپ کی عقل میں کوئی کمی نہ آئیگی، آپ کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہ پڑیگا۔ اس پر امام حسینؑ نے فرمایا میرے بھائی خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے نصیحت اور شفقت کا حق ادا فرمایا ہے۔ ہاں تو میں ہر دست اپنے بھائیوں، بھتیجوں اور مددگاروں کیساتھ مکہ جا رہا ہوں۔ پیارے بھائی! قسم بخدا! اگر دنیا میں میرے لیے کوئی بھی جائے پناہ اور مقام امن نہ رہے گا، تب بھی میں ہرگز یزید کی بیعت نہ کروں گا۔ اس کے بعد جیسا کہ پیشتر روایات بتاتی ہیں، آپ نے انکو بعض اہم امور کے بارے میں ہدایات دیکر رخصت فرمایا۔

بیشتر روایات میں جو یزید کی بیعت کے متعلق امام حسینؑ کے موقف سے بحث کرتی ہیں وہ بتلاتی ہیں کہ مکہ کے راستے میں عبداللہ بن مطیع نے امام حسینؑ سے ملاقات کی اور کہا: میری جان آپ پر فدا ہو، آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:



سردست تو مکہ کی طرف جاتا ہوں لیکن آئندہ کے لیے میں اللہ سے استخارہ کروں گا۔ اس پر عبد اللہ بولے: اللہ آپ کی مدد فرمائے اور ہم کو آپ کا فدیہ قرار دے۔ آپ مکہ تشریف لے جا رہے ہیں لیکن آپ کو فدیہ ہرگز نہ جائیے گا۔ وہاں آپ کے والد بزرگوار کو قتل کیا گیا۔ پھر آپ کے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیا گیا اور ان پر ایسا پڑ فریب حملہ کیا گیا کہ اس میں ان کی جان ہی چلی جاتی۔ پس آپ کعبہ ہی میں رہیے۔ آپ عرب کے سردار ہیں۔ اہل حجاز میں سے کوئی آپ سے روگردانی نہ کرے گا اور لوگ ہر طرف سے آپ کے پاس آتے رہیں گے۔ اے ابو عبد اللہ! میرے چچا اور ماموں سب آپ پر فدا ہوں، آپ ہرگز کعبہ سے نہ ہٹیں گے۔ اگر آپ مارے گئے تو قسم بخدا! آپ کے بعد ہم سب برباد ہو جائیں گے۔

امام حسینؑ اپنے اہل و عیال، بھائیوں، بھتیجیوں اور بعض مددگاروں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے

### امام حسینؑ مکہ میں

اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو وہیں چھوڑا تاکہ وہ آپ کو حکومت کے کارندوں کے افعال سے باخبر رکھیں۔ قبل اس کے کہ آپ مدینہ سے روانہ ہوں، آپ اپنے نانا، اپنی والدہ اور اپنے بھائی کے مزاروں پر حاضر ہوئے۔ آپ نے امت کی طرف سے کیے ہوئے ظلم و جور اور احکام دین کی تحقیر کے بارے میں ان سے شکایت فرمائی۔ آپ نے مکہ کی جانب انہی مہینوں میں سفر فرمایا جن میں مسلمان وہاں عمرہ اور حج ادا کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ آپ مکہ میں چار ماہ اور کچھ دن مقیم رہے۔ اس زمانہ میں آپ لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کے مرجع بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ مسلمان آپ کے گرد جمع رہتے اور آپ سے احکام اسلام اور حلال و حرام کے مسائل معلوم کرتے تھے۔ بیشتر اوقات اور لوگوں کے ساتھ ابن زبیر بھی آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ مکہ کے گورنر یحییٰ بن حکیم نے امام سے کوئی تعرض نہیں کیا اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑے رکھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ یزید نے اس کو اس عہدے سے برطرف کر دیا اور اس کی بجائے عمر بن سعید بن العاص کو گورنر بنا دیا۔ پھر اس سے اگلے مہینے یعنی رمضان میں مدینہ کو بھی اسی کے تحت کر دیا اور ولید بن عتبہ کو وہاں سے برطرف کر دیا، کیونکہ ابن قتیبہ کے بقول قبل ازیں اس نے بھی امام حسینؑ کے ساتھ معتدل رویہ اختیار کیا تھا۔



اس دوران میں مختلف علاقوں کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ اس لیے عام لوگوں خاص کر اہل کوفہ کی نظر میں آپ کی طرف اٹھنے لگیں کیونکہ اس زمانے میں وہ یزید کے بارے میں سب سے زیادہ بد دل تھے اور ان میں سے بیشتر افراد امام حسینؑ کی طرف مائل تھے۔ انہی دنوں وہ سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں جمع ہوئے، تب سلیمان نے ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا: تم سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ معاویہ وفات پا گئے اور ان کے بعد یزید نے حکومت سنبھال لی ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور وہ اپنے اہل و عیال سمیت مدینہ سے مکہ چلے گئے ہیں۔ تم لوگ جو ان کے انصار ہو، اس وقت ان کو تمہاری نصرت کی سخت ضرورت ہے۔ پس اگر تم ان کے مددگار اور ان کے دشمن سے جنگ کرنے والے ہو تو ان کو لکھ بھیجو۔ ہاں اگر تم کو اپنی کمزوری اور کم ہمتی کا اندیشہ ہے تو پھر ان کو دھوکے میں نہ رکھنا۔ اس پر سب نے کہا کہ ہم ضرور ان کے دشمن سے جنگ کریں گے اور اپنی جانیں ان پر قربان کر دیں گے۔ چنانچہ باہم گفتگو اور مشورہ سے ان کی یہ رائے طے پائی کہ اپنا ایک وفد امامؑ سے ملاقات کرنے مکہ بھیجیں۔ چنانچہ ان میں سے ممتاز اور ذی حیثیت افراد نے اسی وفد کے ہاتھ ایک خط بھی لکھ بھیجا جس میں کہا گیا تھا:

پس بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک آپ کے سوا کوئی دوسرا امام نہیں ہے۔ آپ ہماری طرف تشریف لے آئیے تاکہ اللہ آپ کے ذریعے ہم کو حق پر متحد کر دے۔ اس وقت یہاں کا گورنر نعمان بن بشیرؓ ہے لیکن ہم اس کے ساتھ جمعہ و جماعت میں شریک نہیں ہوتے، نہ اس کے ساتھ نماز عید کے اجتماع میں جاتے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری کی اطلاع پر ہم اس کو کوفہ سے نکال باہر کریں گے تاکہ وہ شام چلا جائے۔ بعد ازاں ان لوگوں کے خطوط کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ دس، بیس اور پچاس تک پہنچ گئے۔ ان میں سے بیشتر خطوں میں وہ لوگ یہ کہتے تھے: علاقہ سرسبز ہے اور پھل تیار ہیں۔ ہمارے نزدیک آپ کے سوا کوئی اور امام نہیں ہے۔ پس آپ تشریف لے آئیے کیونکہ آپ ہی حکومت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ بلکہ آپ ہی خلافت اور امامت کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ ان کے یہ خطوط



وقتاً فوقتاً آپ کے پاس پہنچتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد اتنی ہو گئی کہ ان سے دو تھیلے بھر گئے۔ چنانچہ آپ مکہ سے عراق روانہ ہوئے تو اہل کوفہ کے یہ خطوط اپنے ساتھ لے گئے تاکہ اگر ان لوگوں کی طرف سے کوئی خرابی یا انحراف کی صورت سامنے آئے تو آپ ان خطوں کی بنیاد پر اپنا نقطہ نظر واضح کر دیں۔

بعض روایات واضح کرتی ہیں کہ عراق کے علاوہ اسی مضمون کے خط مدائن اور دوسرے مقامات سے بھی آئے تھے۔ نیز عراق، یمن اور دیگر اسلامی علاقوں سے فوج بھی آتے رہے جو آپ سے بیعت کرنے کی پیشکش کرتے اور یزیدی حکومت کے خلاف اپنے اتحاد کا اظہار کرتے تھے۔ بایں ہمہ امام حسینؑ ان لوگوں کی خواہش کو لوہا کرنے کا ارادہ نہ رکھتے تھے، تاوقتیکہ آپ اصل حالات معلوم کر لیں اور ان لوگوں کو اس طرح آزمالیں کہ جس میں کسی الجھاؤ کی گنجائش نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو شہر کوفہ بھیجا۔ وہ آپ کے نزدیک قابل اعتماد اور علم، عقل اور شجاعت میں سب سے برتر تھے۔ آپ نے ان کو ہدایت کی کہ اگر وہ اہل کوفہ کو ان کے خطوں کے مطابق پائیں تو اس بات سے آپ کو مطلع کر دیں، پھر ان کے بعد آپ بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیل اپنے اس سفر کو کوئی نیک فال نہیں سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اہل عراق اپنی بات سے کس طرح پلٹ جاتے تھے۔ جیسا کہ وہ ان کے چچا امیر المومنین امام علیؑ کے ساتھ اپنے پیمانے سے منحرف ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امیر المومنینؑ یہ تمنا کرنے لگے تھے کہ ان کو موت یا قتل کے ذریعے ایسے غداروں سے چھٹکارا مل جائے۔ اسی طرح ان لوگوں نے ان کے عم زاد بھائی امام حسنؑ کے ساتھ بھی بے وفائی کی اور ان کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ معاویہ کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو جائیں۔ مسلم بن عقیل نے اس معاملے میں امام حسینؑ کے سامنے وضاحت بھی پیش کی لیکن آپ نے ان کو اس مہم سے الگ نہ ہونے دیا۔ چنانچہ وہ کوفہ روانہ ہو گئے۔ گواہ بھی وہ اس مہم کو بدشگونی پر محمول کر رہے تھے۔ بعد میں جب ان کے دونوں رہبر راستہ بھول گئے اور ان میں سے ایک پیاس کی شدت سے مر گیا تو انہوں نے ایک بار پھر امام حسینؑ کو لکھا کہ انہیں اس مہم پر جانے سے معذور سمجھا جائے



لیکن آپ نے ان پر زور دیا کہ وہ کوفہ کی جانب اپنا یہ سفر جاری رکھیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس سفر کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ کوفہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں کے لوگوں نے کشادہ دلی سے ان کا استقبال کیا اور وہ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کے یہاں مہمان ٹھہرے۔ وہیں وہ لوگوں سے ملاقاتیں کرتے اور امام حسینؑ کے مقاصد کی تشہیر کرتے رہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے امامؑ کی تائید کی بیعت کا اقرار کیا، ان کی تعداد کم و بیش چالیس ہزار تک پہنچ گئی۔ اس زمانے میں نعمان بن بشیر، یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ مورخوں کا کہنا ہے کہ وہ امن پسند تھا، تفرقے سے نفرت کرتا تھا اور سکون کو ترجیح دیتا تھا، اسی وجہ سے اس پر کمزوری اور بد نظمی کا الزام عائد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کے کچھ ساتھی جو یزید کے حامی تھے، انھوں نے کوشش کی کہ اس کو مسلم بن عقیل کے ساتھیوں سے بھڑا دیں لیکن اس نے سختی اور درستی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔

لوگوں کو امام حسینؑ کی طرف دعوت دیے جانے کا سلسلہ کوفہ اور اس کے نواح میں پھیلتا رہا۔ چنانچہ لوگوں میں آپ کا اس قدر چرچا ہو گیا کہ اب وہ نعمان اور اس کے حاشیہ برداروں کو شاق گزرنے لگا۔ چنانچہ بنی امیہ کے کسی بھی خواہ نے مسلم بن عقیل کی تحریک اور نعمان بن بشیر کی کمزور پالیسی کی خبر یزید تک پہنچا دی۔ اس نے اپنے خط میں لکھا کہ: اگر آپ کو عراق پر حکومت کرنے میں ذرا بھی دل چسپی ہے تو یہاں کسی ایسے آدمی کو بھیجیے کہ جس کے ارادے، قوت اور پختگی پر آپ کو بھروسہ ہو۔ اس خط کے ملنے پر یزید نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ اس موقع پر اس کے باپ کے ایک قریبی ساتھی سرجون رومی نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے، اگر اس وقت معاویہ تمہارے سامنے آجائیں اور تم کو مشورہ دیں تو کیا تم اس پر عمل کر دو گے؟ اس نے کہا: ہاں! میں ان کے مشورے پر ضرور عمل کروں گا۔ تب اس نے ایک خط نکالا جو معاویہ نے اپنی وفات کے وقت سرجون کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ خط اس بارے میں تھا کہ اگر ضرورت پڑے تو عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا جائے۔ پس یزید نے اس خط کے مضمون پر عمل کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کی اور اسی وقت ابن زیاد کو حکم بھیج دیا کہ کوفہ جا کر اقتدار سنبھالے اور وہاں کے معاملات کو درست کرے۔ اس نے یہ امر اسی پر چھوڑ دیا کہ وہ جس کو مناسب سمجھے



اس کو بصرہ میں اپنی جگہ مقرر کر دے۔ نیز اس کو یہ حکم بھی دیا کہ اگر اس میں اللہ اس کی مدد کرے تو وہ مسلم بن عقیل کو قتل کر دے، پھر امام حسینؑ سے بھی جنگ کرے اور ہو سکے تو ان کو بھی قتل کر دے اور ان کا سر میرے پاس بھیج دے۔ یہ خط ملتے ہی ابن زیاد نے بصرہ کی امارت اپنے ایک مددگار کے سپرد کر دی اور تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنا بھیس بدلے اور منہ کو چھپائے ہوئے کوفہ میں داخل ہوا۔ تب وہ لوگ اس کو حسینؑ بن علیؑ سمجھ رہے تھے۔ چنانچہ جب وہ اہل کوفہ کے کسی گروہ کے قریب سے گزرتا تو وہ اس کو کشادہ دلی سے خوش آمدید کہتے۔ پھر ہر طرف سے یہ آوازیں بلند ہوتی تھیں کہ اے فرزند رسولؐ! خوش آمدید! آپ کو ہزار بار خوش آمدید! یہاں آپ کی تشریف آوری اور قیام مبارک ہوا، لیکن وہ اس وقت خاموش تھا اور بالکل بولتا نہ تھا۔ کسی کو سلام بھی کرتا تو صرف اشارہ ہی کر دیتا تھا لیکن وہ غصے اور جلن سے کھول رہا تھا جس میں ہر گھڑی اضافہ ہوا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ گورنر کے محل پر جا پہنچا، لیکن نچمان نے امام حسینؑ کے حامیوں کے خوف سے اس کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا: اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا تا وقتیکہ آپ مجھ سے جنگ نہ کریں لیکن میرے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی کروں۔ پس آپ یہاں سے تشریف لے جائیے اور کوفہ میں جہاں چاہیں قیام فرمائیے۔ خدا کی قسم جب تک آپ مجھ سے دور رہیے گا، میں آپ سے جنگ نہ کروں گا۔ اب تو عبید اللہ اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ عوام محل کے راستے میں حائل ہیں اور امام حسینؑ کے نام کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ کوفہ کا گورنر لوگوں سے الگ اور اپنے قصر میں بند ہے۔ اب اس کے بس میں کچھ نہیں ہے اور اس پر اتنا خوف طاری ہے کہ جس سے اس کی روح اس کے جسم سے مفارقت کر جائے۔ تب اس نے کہا: دروازہ کھولو، ورنہ میں خود ہی کھول لوں گا۔ میں عبید اللہ بن زیاد ہوں! تمہارے فرمانروا نے مجھ کو اس شہر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے۔

مسلم بن عقیل کے ساتھ غدارہ | جیسے ہی نئے گورنر نے قصر میں قدم رکھا اور اقتدار سنبھالا، اس کے ساتھ ہی اس نے



مسلم کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے نتائج سے بے پروا ہو کر لوگوں کو متفرق کرنے اور مسلم کو گرفتار کرنے کے لیے ہر قسم کی تدابیر بروئے کار لانا شروع کر دیں۔ ادھر بات کی بات میں ابن زیاد کے کوفہ آنے کی خبر ہر طرف پھیل گئی۔ وہاں کے لوگ اس کی طبیعت کی درشتی ارادے کی پختگی اور سخت گیری سے پہلے ہی واقف تھے لہذا فطری طور پر ان لوگوں کی صفوں میں ہچل پڑ گئی جو مسلم بن عقیل کی قیادت میں یزید کے طرز عمل کی مخالفت کر رہے تھے۔ ان حالات میں مسلم نے امام حسینؑ کے حق میں اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ اب وہ ہانی بن عروہ کے مکان میں منتقل ہو گئے اور اپنی سرگرمیوں کو چند خاص افراد کے سوا سب سے پوشیدہ رکھنے لگے۔ ادھر ابن زیاد نے اپنے خاص داویج سے ان کی تلاش شروع کر دی۔ چنانچہ وہ اپنی ایک تدبیر کو کام میں لا کر مسلم بن عقیل کے خفیہ مرکز کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہانی اس زمانے میں بنی مراد کے سردار تھے اس لیے کوفہ میں ان کی بات سنی اور ان کی رائے مانی جاتی تھی۔ یہیں سے وہ واقعات ظاہر ہونے لگے جو مورخوں میں مشہور ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق اسی واقعہ کربلا سے ہے جو اپنے وقوع پذیر ہونے کے وقت سے تمام آنے والی نسلوں میں برابر مرکز گفتگو ہے اور اہلبیتؑ سے وابستگی کا نمایاں نشان بنا رہا ہے۔ مزید یہ کہ جب تک صفحہ ہستی پر ایسے افراد کا وجود باقی ہے جو بہادری کے کارناموں، عظیم قربانیوں اور مثالی کرداروں کی قدر کرتے ہیں جن کے عملی نمونے امام حسینؑ تھے پیش کر دکھائے، یہ تاریخ انسانی کا ممتاز ترین اور سب سے زیادہ سبق آموز واقعہ مانا جاتا رہے گا۔ لیکن اس خیال سے کہ یہاں میں اپنے قاری کو زیادہ دیر تک روکے نہ رہوں، میں اس مرحلہ سے جلد گزر جاؤں گا جس میں سید الشہداء امام حسینؑ نے اپنی زندگی کے اٹھاونویں سال کو ختم فرمایا جو گل کی گل نیکی، جہاد، عطاء اور ہر معنی سے شرافت، فضیلت اور عظمت سے بھرپور تھی۔

بات ہو رہی تھی ابن زیاد کی، چنانچہ جب یہ نیا گورنر جیلے بہانے سے ہانی بن عروہ کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گیا، جنہوں نے امام حسینؑ کے سفیر (مسلم بن عقیل) کو پناہ دی، ان کی اچھی مہمانداری کی اور رائے اور تدبیر میں ان کے ساتھ شریک رہے تھے۔ اس نے ان کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا اور ان کی لاش قصر کے اوپر سے عوام الناس



کی جانب پھینک دی جو وہاں چاروں طرف سے ہجوم کیے ہوئے تھے۔ اس سے لوگوں پر خوف طاری ہو گیا اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ چنانچہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کی طرف چل دیا اور کسی کو اس معاملے کی پروا ہی نہ رہی۔

جب مسلم بن عقیل کو معلوم ہوا کہ ہانی پر کیا گزری اور یہ کہ مذحج ایسا با وسیلہ قبیلہ کبھی ان کو چھوڑ کر چلا گیا ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لیکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے منادیوں نے لوگوں میں اس کا اعلان کر دیا اور وہ ان سب کے ساتھ گورنر کے محل کا محاصرہ کرنے کو چل پڑے۔ ابن زیاد اس محاصرے کی ابتدا میں تو سخت پریشان ہوا، لیکن پھر اپنے چیلے بہانوں سے اس پریشانی سے نکلنے اور لوگوں کو مسلم بن عقیل سے گریزاں کر دینے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ سب لوگ ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ جب نماز مغرب کا وقت آیا تو انھوں نے ان چند آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کی جو ان کے ساتھ رہ گئے تھے لیکن جب آپ مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپ بے یار و مددگار اور تنہا رہ گئے تھے، کوئی ان کو راستا بتانے والا بھی نہ تھا۔ مزید یہ کہ لوگوں نے ان پر اپنے گھروں کے دروازے بھی بند کر رکھے تھے۔ چنانچہ وہ اس تلاش میں چلے کہ کسی گھر میں ان کو آج کی رات کے لیے پناہ مل جائے۔ وہ رات کی تاریکی میں ادھر ادھر پھیر رہے تھے کہ ایک مکان کے دروازے پر ان کو ایک عورت کھڑی نظر آئی جیسے وہ کسی کے انتظار میں تھی۔ انہوں نے اس سے اپنا تعارف کرایا اور اس کے یہاں رات گزارنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے خوش دلی سے ان کو اپنے گھر میں بلا لیا اور کھانا پیش کیا لیکن انھوں نے کچھ نہ کھایا۔ اتنے میں اس عورت کے لڑکے کو وہاں آپ کے مقیم ہونے کی خبر لگ گئی جبکہ ابن زیاد نے ان کے متعلق خبر دینے والے کے لیے انعام مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ لڑکا گورنر کے محل میں گیا اور محمد بن اشعث کو مسلم بن عقیل کی جائے قیام کی خبر دیدی۔ جیسے ہی ابن زیاد کو یہ خبر پہنچی، اس نے اپنے بہت سے سپاہیوں کو محمد بن اشعث کی قیادت میں اس مکان کی طرف روانہ کر دیا جس میں مسلم بن عقیل پناہ گزیں تھے۔ انہوں نے ٹاپوں کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ لوگ ان کی تلاش میں آ پہنچے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنی تلوار لے کر اس گھر سے نکلے اور ان کی طرف بڑھے۔ وہ دوسو سے کچھ اوپر سپاہی تھے جنہوں نے گھر کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ پھر بھی وہ



ایکے مسلم سے شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ ان کے اس طرح کمزوری دکھانے پر ابن زیاد نے ان کی کمک کے لیے مزید سوار اور پیادے بھیج دیے۔ پھر تو ان کے اور ابن زیاد کے سپاہیوں کے درمیان سڑکوں پر خونریز مقابلہ ہوا جس میں ان لوگوں نے مسلم پر بلند مقامات سے آگ اور پتھر برسائے۔ تاہم انھوں نے جنگ سے ہاتھ صرف اس وقت روکا جب ابن اشعث نے ان کو امان دینے کا وعدہ کیا۔

اب وہ ان کے ساتھ گورنر کے محل گئے لیکن جب ابن زیاد کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس کو سلام نہیں کیا۔ اس کے بعد دونوں میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس میں مسلم بن عقیل پوری آزادی، جرات اور استدلال سے باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ابن زیاد عاجز ہو کر رہ گیا اور اس کی رگیں پھول گئیں۔ تب وہ علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو برا کہنے پر اتر آیا۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ مسلم کو محل کی چھت پر لے جا کر قتل کر ڈالو اور ان کی لاش لوگوں کے سامنے اوپر سے نیچے پھینک دو اور اس کو کوفہ کی سڑکوں پر خوب گھسیٹو۔ اس کے بعد مسلم بن عقیل کی لاش کو بھی ہانی بن عروہ کی لاش کے برابر میں پھانسی پر لٹکا دو۔ انھوں نے کہ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور اہل کوفہ سڑکوں پر اس طرح کھڑے رہے گویا ان کو مسلم کے معاملہ کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔

فرزدق نے اس کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں:

”اگر تم نہیں جانتے ہو کہ موت کیا ہے تو سر بازار ہانی بن عروہ اور مسلم بن عقیل کی لاشوں کو دیکھو۔ ہاں تم اس نوجوان کو دیکھو کہ جس کا رنگ موت نے بدل ڈالا ہے اور اس کو بھی دیکھو کہ جس کو قتل کرنے کے بعد سولی پر چڑھایا گیا ہے۔ اگر تم لوگ اپنے بھائی کے خون کا بدلہ نہیں لے سکتے ہو تو اس عورت کی طرح بیٹھ رہو جو ذرا سی چیز پر راضی ہو جاتی ہے۔“

مسلم بن عقیل نے ابن اشعث سے خواہش کی تھی کہ کوفہ میں یہ جو کچھ ہوا ہے وہ امام حسینؑ کو اس کی اطلاع دیدے اور ان سے کہدے کہ آپ ان لوگوں کے پاس نہ آئیں۔ ابن اشعث نے ان سے اس کا وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔



اب ہم تھوڑی دیر کے لیے کوفہ چھوڑ کر | امام حسینؑ کی مکہ سے عراق روانگی |

جہاں ابنِ مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) ظلم و ستم کرنے میں مصروف ہے اور امام حسینؑ کے دوستوں کو چین چین کر نکال رہا ہے، مکہ واپس چلتے ہیں۔ تاکہ جہاں تک ممکن ہو انتہائی اختصار کے ساتھ امامؑ کے کربلا کی جانب سفر کا مطالعہ کریں۔ اس المیہ کی خاطر جو ان تمام قربانیوں میں زیادہ حیرت خیز مانا جاتا ہے جو انسان نے ماضی اور حال میں پیش کی ہیں اور جو آج تک ایک ایسا زندہ مثالی واقعہ بنا ہوا ہے کہ جس پر امامؑ کے چاہنے والوں، نیز دوسروں نے بھی دسیوں کتابیں لکھی ہیں۔

جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بیان کر چکے ہیں، امام حسینؑ مکہ میں آغاز شعبان ۶۱ھ میں فوج کش ہوئے جبکہ آپ سے چند روز قبل عبداللہ بن زبیر بھی وہاں پہنچ چکے تھے، اس لیے کہ مورخوں کے بیان کے مطابق وہ بھی یزید کے اقتدار سنبھالنے پر نالاں تھے۔ تاہم ابنِ زبیر کو امام حسینؑ کا مکہ میں موجود ہونا برا لگ رہا تھا کیونکہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ جب تک امام حسینؑ یہاں موجود رہیں گے لوگ میری طرف متوجہ نہ ہوں گے اور نہ ہی وہ مجھے کوئی اہمیت دیں گے۔ وہ یہ بھی جان رہے تھے کہ لوگ کسی بھی شخص کو امام حسینؑ کے برابر نہ مانیں گے۔ پھر بھی جب تک امام حسینؑ مکہ میں قیام پذیر رہے، عبداللہ بن زبیر آپ کی صحبت سے علاحدہ نہیں ہوئے اور مسلسل آپ سے ہم کلام ہوتے اور آپ کی باتیں سنتے رہے۔ جب ان کو اہل کوفہ کے خطوں کے آنے کا علم ہوا تو انھوں نے امامؑ کو ان کی دعوت قبول کرنے اور وہاں تشریف لے جانے کا مشورہ دیا اور کہا: میرے پاس آپ کے انصار جیسے لوگ ہوتے تو میں ان کی دعوت کو قبول کرنے میں ایک لمحہ بھی تامل نہ کرتا۔ پھر اس خیال سے کہ امام حسینؑ ان کے یہ بات کہنے کا برا نہ مانیں، خود اپنے لیے بھی اس کو پسند کیا اور تمنا ظاہر کی کہ کاش! آپ کے انصار جیسے میرے بھی انصار ہوتے۔ مزید کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اٹھیں ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں اور تا مرگ آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔

تاہم امام حسینؑ پر ان کے اندرونی خیالات، نیز ان کی فریب کاری، غداری اور نفاق چنداں پوشیدہ نہ تھا۔ جیسا کہ اپنی تحریک میں اس طرح کے لوگوں سے مدد لینے کا نتیجہ آپ سے مخفی نہ تھا۔ علاوہ ازیں آپ اپنے موقف پر پورا وثوق رکھتے تھے کیونکہ



آپؑ نے اس کی شرائط اور اس کے نتائج کے ہر پہلو کو سمجھ کر قدم آگے بڑھایا تھا۔  
امام حسینؑ نے ملاحظہ فرمایا تھا کہ یزید کی بیعت کر لینا اسلام کے لیے ایسا خطرہ تھا کہ جس کی تلافی ممکن نہ تھی۔ آپؑ نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ سبھی لوگوں کی نظریں آپؑ پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اس معاملے میں آپؑ کے فیصلے کے منتظر تھے۔

آپؑ اہل عراق کی کیفیت کو بھی دوسرے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے کیونکہ آپؑ کے والد بزرگوار اور برادر عالی قدر کو ان کی غداری اور بے وفائی کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ آپؑ کو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ یزید اور اس کے ساتھیوں کے خلاف جنگ میں آپؑ کی مدد کریں گے۔ لیکن آپؑ یزید ایسے ظالم فرمانروا کے ساتھ نیا زندانہ طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہتے تھے، اس پر خواہ آپؑ اور آپؑ کے بچے قتل ہو جائیں اور آپؑ کی عورتیں قیدی بنالی جائیں۔ تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال جاگزیں نہ ہو کہ جس اسلام کی نمائندگی امام حسینؑ کر رہے ہیں، وہ اسی قسم کی فرمانروائی پیش کرتا ہے۔

چنانچہ آپؑ نے نتائج سے بے پروا ہو کر عراق جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اوہر مسلم بن عقیل نے آپؑ کو جلدی آنے کے لیے لکھا اور بتلایا تھا کہ کس طرح لوگوں نے میرا خیر مقدم کیا اور آپؑ کو بسرعت پہنچنے پر اصرار کیا تھا، جبکہ یزید اور اس کے ساتھی بھی کوفہ کے واقعات سے ناخبر تھے۔ چنانچہ انھوں نے حج کے موقع پر اپنے سپاہی مکہ بھیجے تاکہ وہ امام حسینؑ کو بہر حال قتل کر دیں، خواہ آپؑ غلاف کعبہ ہی میں پناہ گزیں ہوں، لیکن آپؑ کو اس بات کا علم ہو گیا۔ تب آپؑ نے فوراً حج کو عمرہ میں بدل کر احرام کھول دیا اور ۸ رذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہو گئے، تاکہ آپؑ کہیں خانہ کعبہ میں قتل نہ کر دیے جائیں، آپؑ کا خون ضائع نہ ہو جائے اور پھر اس سے وہ نتیجے حاصل نہ ہو سکیں، جو بعد میں آپؑ کے قتل ہونے سے حاصل ہوئے کہ جن سے ظالموں اور جفاکاروں کے کرداروں کی سیاہی واضح ہو گئی۔

اگر یزید کے سپاہی آپؑ کو چھپ کر قتل کر دینے میں کامیاب ہو جاتے جیسا کہ آپؑ سے پہلے اس کے باپ کے ہاتھوں آپؑ کے والد بزرگوار کے ساتھ ہوا تھا جبکہ وہ مسجد میں نماز ادا فرما رہے تھے تو وہ لوگ یہی مشہور کر دیتے کہ امام حسینؑ کسی خارجی



کی تلوار سے مارے گئے۔ اس طرح وہ آپ کے خون سے بری الذمہ ہو جاتے جیسا کہ آپ کے والد بزرگوار کے خون سے بری ہو گئے۔ پھر ان کا یہی قول عام ہو جاتا اور تاریخی حقیقت کے طور پر مان لیا جاتا۔

وہ روایات جو یہ بیان کرتی ہیں کہ امام حسینؑ مکہ سے چلے گئے تھے، ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس صبح کو آپ روانہ ہوئے اس سے پہلے کی رات میں آپ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ سے فرمایا: میرے بھائی! مجھ کو یہ اندیشہ تھا کہ نیرید کے سپاہی مجھ کو خانہ کعبہ ہی میں دھوکے سے قتل کر ڈالیں گے، جس سے مقدس گھر کی حرمت زائل ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو امام حسینؑ نے عمرہ کے لیے احرام باندھا اور خانہ کعبہ کا طواف فرمایا، صفا اور مروہ کے مابین سعی کی اور اپنے سر کے بال منڈوا دیے۔ اس کے بعد آپ نے احرام کھول دیا اور اپنے سگے اور چچیرے بھائیوں، بھتیجوں اور اپنے اصحاب اور اپنی خواتین کو لے کر مکہ سے روانہ ہو گئے۔ چنانچہ عام لوگ تو اس روز عرفات کی طرف رواں تھے اور آپ مکہ سے عراق کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اس موقع پر ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام مخزومی نے اہل کوفہ کی غداری اور بے وفائی کا حوالہ دیا اور آپ کو عراق جانے سے منع کیا۔ اس نے آپ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ آپ ان لوگوں سے کنارہ کش رہیں لیکن آپ نے رکنے سے انکار فرما دیا اور اپنی راہ چلتے رہے۔ اسی طرح عبداللہ بن عباس نے بھی اہل عراق کی غداری کا ذکر کیا اور آپ کے والد بزرگوار اور برادر عالی قدر کے ساتھ ان کی پھیلی سیاہ کاریاں یاد دلایں، لیکن آپ اپنی رائے پر قائم رہے۔ تب ابن عباس نے آپ سے کہا: اگر میں یہ سمجھتا کہ آپ کا دامن پکڑ کر اور گردن میں بازو ڈال کر روکے رہنے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لینے سے آپ میرا کہنا مان لیں گے تو میں ضرور ایسا کرتا۔ اس پر امام حسینؑ نے ارشاد کیا: ارے بھائی اس معاملے میں اللہ اپنا فیصلہ صادر کر چکا ہے۔ پس اب اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

ابن عباس مایوس ہو گئے اور آپ سے رخصت ہوتے ہوئے رو پڑے۔ جب امام حسینؑ کے پاس سے چل دیے تو راستے میں ان کو عبداللہ بن زبیر مل گئے۔ ابن عباس نے ان سے کہا: کتنے خوش قسمت آدمی ہو تم کہ تمہارے لیے فضا صاف ہو گئی۔ دیکھو! حسینؑ وہ جا رہے ہیں



اب تم خوشیاں مناؤ اور مزے اڑاؤ۔

آپ کو کوفہ جانے سے باز رہنے کا مشورہ دینے اور آپ کو اہل کوفہ کی غداری اور نفاق سے آگاہ کرنے والے صرف ابن عباس ہی نہ تھے، بلکہ عبداللہ ابن جعفر، محمد بن حنفیہ اور پھر عبداللہ بن مطیع نے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا۔ چنانچہ جب عبداللہ ابن جعفر کی آپ سے مکہ کے باہر ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا: ”یہ آپ کو اسلام کی حرمت کی خاطر اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ میں آپ کو قریش کی بزرگی اور عرب کے وقار کی قسم دیتا ہوں۔ اگر آپ بنی امیہ سے ان کا اقتدار لینا چاہیں گے تو وہ ضرور آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اگر انہوں نے آپ کو قتل کر دیا تو پھر وہ کسی سے نہ ڈریں گے۔ پس آپ کوفہ نہ جاتیے اور بنی امیہ کا سامنا نہ فرمائیے۔“

آپ کو عراق نہ جانے کا مشورہ دینے والوں میں عبداللہ بن عمر بھی تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہو گئے ہیں تو وہ فوراً سوار ہوئے اور آپ سے ملنے چل دیے یہاں تک کہ وہ ایک منزل پر آپ سے جا ملے اور پھر کہنے لگے: اے فرزندِ رسول! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا: عراق کا! اس پر وہ بولے کہ آپ اپنے نانا کے مقدس وطن کو لوٹ جاتیے، لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب انہوں نے عراق جانے پر آپ کا اصرار ملاحظہ کیا تو کہنے لگے: اے ابو عبداللہ! ذرا وہ جگہ مجھ کو دکھائیے کہ جہاں رسول اکرمؐ آپ کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ پس امام حسینؑ نے اپنے بدن کی وہ جگہ ان کے سامنے کر دی۔ انہوں نے تین بار اس جگہ پر بوسہ دیا اور رو کر کہنے لگے: اے ابو عبداللہ! میں آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

وہ لوگ جو امامؑ کو مکہ میں مقیم رہنے کا مشورہ دے رہے تھے، ان کے جواب میں آپ نے آخری بات یہ فرمائی کہ آپ کا مکہ میں یا کہیں اور جا کر رہنا، آپ کو امویوں کے جنگل سے نجات نہ دے گا کیونکہ وہ لوگ آپ کے پیچھے پڑے رہیں گے کہ یا تو نیزہ کی بیعت کر لیں یا قتل کر ڈالے جائیں، یہاں تک کہ راوی کے بقول اگر آپ پاتال میں بھی چلے جائیں گے تو وہ بھی آپ کے پیچھے وہاں پہنچ جائیں گے۔

پس امام حسینؑ کا قافلہ عراق کی سمت چلتا رہا۔ وہ ان لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا



جو آپ کو حجاز میں قیام کی رائے دے رہے تھے۔ ادھر یہ لوگ بھی آپ کے بارے میں بے چین تھے اور آنکھیں لگائے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان سرکشوں کے ہاتھوں آپ پر کیا گزرتی ہے۔ امامؑ چلے جا رہے تھے کہ راستے میں فرزدق شاعر سے ملاقات ہو گئی۔ جب آپ نے ان سے اہل کوفہ کا حال دریافت کیا تو انھوں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! آپ واپس مکہ تشریف لے چلیے کیونکہ ان لوگوں کے دل تو آپ کی طرف ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کا ساتھ دینے والی ہیں، لیکن کیا کیا جائے کہ ہر فیصلہ آسمان سے صادر ہوتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اس پر امام حسینؑ نے ان سے کہا: جو اللہ کا فیصلہ ہے وہ ہو کر رہے گا۔ پھر آپ کا قافلہ اپنے راستے پر رواں رہا۔ جب آتا جاتا کوئی شخص مل جاتا تو آپ اس سے اہل عراق کے متعلق دریافت فرماتے تھے، یہاں تک کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کا قتل ہوتا اور اس کے قبل بعد کے واقعات آپ کو معلوم ہو گئے۔

وہ بیشتر روایات جو امام حسینؑ کے سفر کربلا کو بیان کرتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے منزل ثعلبیہ پر قیام فرمایا تو غروب آفتاب کے قریب آپ سے بنی اسد کے دو آدمی آکر ملے اور آپ کو مسلم اور ہانی کے قتل کی اطلاع دی۔ اس پر آپ نے کہی بار ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ (سورہ بقرہ - آیت ۱۵۶) کی تلاوت فرمائی۔ تب ان دونوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم خود آپ کو، اور آپ کے عیال کی سلامتی کے لیے اللہ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ یہاں سے واپس چلے جائیے کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ اس پر بنو عقیل ترطاح سے بولے کہ ہم اپنے خون کا بدلہ لیے بغیر ہرگز نہ ٹہریں گے یا پھر ہم بھی مسلم کی طرح مارے جائیں گے۔ تب امام حسینؑ نے ان کے چہروں پر نظر ڈال کر فرمایا: ان عزیزوں کے قتل ہو جانے کے بعد زندگی میں کوئی لطف نہیں رہے گا۔ ان دونوں کا بیان ہے کہ پھر ہم سمجھ گئے کہ آپ کا ارادہ پختہ ہے اور آپ ہرگز واپس نہ ہوں گے۔

آپ کے بعض اصحاب نے آپ سے کہا: بخدا! آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں،



اگر آپ کو فہم نہ ہو گے تو لوگ تیزی سے آپ کے پاس آجائیں گے لیکن منزل زبالہ میں آپ کو عبداللہ بن یقطر کے قتل کی اطلاع بھی ملی جن کے ہاتھ آپ نے مسلم بن عقیل اور کوفہ کے کچھ لوگوں کو خط بھیجا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تک آپ کو مسلم بن عقیل کے مارے جانے کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ چنانچہ حصین بن نمیر نے عبداللہ بن یقطر کو قادیسیہ سے گرفتار کر کے عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس نے ان کو حکم دیا کہ تم منبر پر جا کر حسینؑ اور ان کے والد پر لعنت کرو۔ پھر اتر آنا تاکہ میں تمہارے متعلق فیصلہ کروں لیکن عبداللہ نے منبر پر جا کر معاویہؓ، یزید بن معاویہ اور عبید اللہ بن زیاد پر لعنت کی اور کہا: اے لوگو! میں تمہاری طرف حسینؑ بنت فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ کا یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ تم ان کی نصرت کرو اور ابن مرجانہ کے خلاف ان کا ساتھ دو۔ اس پر عبید اللہ کے حکم سے ان کو محل کے اوپر سے گرا دیا گیا جس سے ان کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔ پھر ایک شخص نے اگر ان کو ذبح کر دیا جس پر لوگوں نے اس کو بہت کچھ برا بھلا کہا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ جب امام حسینؑ کو مسلمؑ ہانی اور ابن یقطر کے قتل کی خبر ملی اور معلوم ہوا کہ کوفہ شہر اب بنی امیہ کے حق میں پوری طرح آمادہ ہے تو آپ نے اپنے اہل خاندان، اصحاب اور ان تمام عربوں کے سامنے تقریر فرمائی جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ آپ نے ان کو اہل کوفہ کی حالت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ انہوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: تم میں سے جو کوئی جانا چاہے آزاد ہے، ہمارا اس پر کوئی ذمہ نہیں ہے۔ چنانچہ عام لوگ آپ کے سامنے سے اٹھ کر واپس اور بایں کو چل پڑے۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ صرف وہ سا تھی رہ گئے جو آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے۔ آپ نے یہ اس لیے کیا کہ آپ جان رہے تھے کہ جو لوگ راستے سے آپ کے ساتھ ہو لیے تھے ان کا خیال تھا کہ آپ ایک ایسے مقام کی طرف تشریف لیجائے ہیں جہاں کے لوگ آپ کی اطاعت پر قائم ہیں۔ پس آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ وہ لوگ اس خیال سے آپ کے ساتھ چلیں۔ کیونکہ آپ ایک ایسے خطرے کی طرف پیش قدمی فرما رہے تھے جس کے مقابلے میں صرف وہی افراد ٹھہر سکتے تھے جو آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوں اور سرکشوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو بذختی کا موجب قرار دیتے ہوں۔



امام حسینؑ اپنے مخلص اصحاب اہل خاندان اور بھائیوں کے ہمراہ اپنی راہ پر رواں تھے۔ اتنے میں آپ نے اور آپ کے اصحاب نے دیکھا کہ کچھ سائے ان کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ بعضوں نے ان سایوں کو کوفہ کے باغات اور درخت خیال کیا۔ تب امام حسینؑ نے ان سایوں کو غور سے دیکھا جو آپ کے قافلے کے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: نہ یہ کوفہ ہے نہ اس کے باغات جیسا کہ تم لوگ سمجھ رہے ہو، بلکہ یہ گھوڑوں کی گردنیں نیزوں کی انبیاں اور شکر لویں کے جسم ہیں۔ پھر چند ہی لمحوں کے بعد قافلے والوں پر عیاں ہو گیا کہ جو سائے ان کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ وہ ایک ہزار سوار ہیں جن کو عبید اللہ بن زیاد نے حر بن یزید ریاحی کی سرکردگی میں اس حکم کے ساتھ بھیجا تھا کہ امام حسینؑ کا راستاروک لے اور ان کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کرے۔ جب وہ سوار امام حسینؑ کے قافلہ کے قریب پہنچ گئے تو ان لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں۔ اس پر حر نے ان سے کہا: ہم کو یہ حکم ملا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ لگے رہیں اور تم کو ایسی جگہ ٹھہرنے پر مجبور کریں، جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی چائے پناہ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تم لوگ یزید اور عبید اللہ بن زیاد کی فرمانبرداری قبول کر لو۔ اس پر طرفین کے درمیان طویل گفتگو ہوئی لیکن وہ کسی ایسے نتیجے پر نہ پہنچ سکے جو دونوں کے لیے قابل قبول ہو کیونکہ حراس پر راضی نہ ہوا کہ امام حسینؑ حجاز واپس چلے جائیں یا اس راستے پر گامزن رہیں جو کوفہ جاتا تھا۔ ادھر امام حسینؑ اس پر تیار نہ تھے کہ یزید اور ابن زیاد کے سامنے سر جھکا دیں۔ چنانچہ جب حر نے سب کے ساتھ نماز ادا کر لی تو امام حسینؑ نے ایک تقریر فرمائی جس میں آپ نے کہا: میں تمہاری طرف صرف اس وقت آیا ہوں جب تمہارے خطوط مجھ کو ملے، بلکہ تمہارے خط اور قاصد لگا تا میرے پاس آتے رہے لیکن اگر تم مجھ کو ناپسند کرتے ہو تو میں اس پر تیار ہوں کہ حجاز واپس چلا جاؤں یا اللہ کی زمین پر موجود دوسرے علاقوں کی طرف نکل جاؤں۔ پھر آپ نے عقیقہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کے خط لاکر دکھائے۔ اس پر حر نے آپ سے کہا: اے ابو عبد اللہ! ہم ہیں سے کسی نے یہ خط آپ کو نہیں لکھے ہیں۔

بعد ازاں قافلہ اپنے راستے پر چلتا رہا لیکن حر اسے کوفہ جانے سے روکنے کی کوشش



کرتا رہا۔ ادھر امام حسینؑ کے انصاریہ کوشش کرتے رہے کہ اس کو جنگ پر اکسائیں اور اسی جنگل میں ہی اس کو مقابلہ آزمائی پر مجبور کر دیں، اس معاملے میں زبیر بن قین بہت پیش پیش تھے۔ چنانچہ انہوں نے امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا: ہمارے لیے ان لوگوں سے اس وقت لڑ لینا زیادہ آسان رہے گا، بہ نسبت اس کے کہ ان کے علاوہ دوسروں سے لڑا جائے، لیکن امام حسینؑ نے اس تجویز کو ناپسند فرما دیا، کیونکہ ان لوگوں نے آپ سے جنگ کا اعلان نہیں کیا تھا، لہذا آپ نے فرمایا کہ میں ان سے جنگ میں ابتدائہ کروں گا۔ ابھی ان لوگوں کو اس وسیع صحرا میں چلتے ہوئے چند ہی دن گزرے تھے جبکہ حرؑ امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا۔ اس دوران میں وہ آپ کو بنی امیہ کے ساتھ جنگ کرنے سے ڈراتا اور آپ کو اہل کوفہ کی آپ کے والد بزرگوار اور برادر عالی قدر کے ساتھ غداری اور بے وفائی کا حوالہ دیتا رہا تھا۔ ادھر کوفہ سے عمر بن سعد ایک لشکر لے کر نکلا۔ جس کی تعداد بعض روایات میں تیس ہزار اور بعض نے اس سے بھی زیادہ بیان کی ہے تیسری روایت یہ ہے کہ ابن زیاد نے کوفہ اور اس کے اطراف کے تمام لوگوں کو امام حسینؑ سے جنگ کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ اس نے ان کو یہ دھمکی دی کہ جو کوئی بھی ہتھیار بندی کے قابل ہوا اور وہ امام حسینؑ سے جنگ کرنے کو نہ آیا تو اس کو قید یا قتل کر دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قید خانے امام حسینؑ کے دوستوں سے بھر گئے اور ان میں سے کچھ لوگ روپوش بھی ہو گئے۔ البتہ بنی امیہ کے ساتھ تھی نیز لالچی اور مصلحت پرست افراد امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور کوفہ میں ایسے لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ ہی تھی۔ البتہ اس لشکر کی تعداد پانچ ہزار بتانے والی روایت جو بعض لوگوں نے گھڑ لی ہے، ایک طرف تو وہ مرسل ہے، یعنی اس کے راویوں کا سلسلہ کٹا ہوا ہے۔ پھر وہ حالات جو ایسے واقعات سے متعلق ہوتے ہیں وہ بھی اس کی تائید نہیں کرتے کیونکہ کوئی بھی شخص ان تمام مکانات اور حالات کا مطالعہ کیے بغیر اس روایت کو قبول نہیں کر سکتا۔ خصوصاً ایسا شخص جو اہل کوفہ کی قلیا زلیوں اور تلون مزاجیوں سے واقف ہو۔

بہر حال کوفہ سے آنے والے شکروں نے امام حسینؑ کا راستہ روک لیا اور آپ کو مجبور کیا کہ آپ کربلا میں ایسے مقام پر فروکش ہوں جو جنگ کے نقطہ نظر سے



نامناسب اور پانی سے دُور ہو۔ پھر عبید اللہ بن زیاد کے احکام کے مطابق ان لوگوں نے امام حسینؑ پر شدت کرنا شروع کر دی اور وہ آپ کے اور پانی کے درمیان حائل ہو گئے۔ جب امام حسینؑ نے ان کی کثرت تعداد ملاحظہ فرمائی اور دیکھا کہ اگر آپ یزید بن معاویہ کی اطاعت قبول نہیں کرتے تو یہ لوگ آپ سے جنگ ضرور کریں گے۔ تب آپ نے رسول اکرمؐ کا عمامہ مبارک زیب سر فرمایا اور اپنے ہتھیار لگا کر ناقہ پر سوار ہوئے اور ان کے لشکر کے اتنے قریب جا پہنچے کہ وہ لوگ آپ کو سن سکیں۔ چنانچہ اللہ کی حمد کے بعد آپ نے ان لوگوں کے بھیجے ہوئے خطوں اور ان کے پیمان کے بارے میں ان سے سوال و جواب فرمائے، لیکن ان لوگوں نے آپ کی باتوں کو جھٹلایا۔ تب آپ نے وہ خط منگوائے جو دو بڑے پھیلوں میں بھرے ہوئے تھے۔ وہ آپ نے ان لوگوں کے سامنے پھیلا دیے۔ اب آپ نے نام لے لے کر ان لوگوں کو آواز دی جنہوں نے وہ خط لکھے تھے اور نصرت کے عہد و پیمان کیے تھے۔ وہ سب چپ ہو گئے اور انہوں نے آپ کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ وہ کیوں آپ کے قتل کے درپے ہیں؟ کیا ان کا کوئی خون آپ کے ذمہ ہے یا آپ نے ان کا کوئی مال چھین لیا ہے یا آپ نے اسلام میں کسی بدعت کو رواج دیا ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کے نام لے لے کر دریافت کرنا شروع کیا کہ کیا وہ آپ کے علاوہ صفحہ ارض پر اپنے نبیؐ کی بیٹی کے کسی اور بیٹے سے آگاہ ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کے نانا یعنی نبیؐ کو یہ کہتے نہیں سنا ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ اہل جنت کے سردار ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ اگر تم نے خود رسول اکرمؐ سے نہیں بھی سنا ہے تو آج مسلمانوں میں وہ لوگ موجود ہیں کہ اگر تم ان سے پوچھو گے تو وہ تم کو بتائیں گے کہ نبی اکرمؐ نے یہ حدیث بارہا بیان فرمائی۔ جیسے جابر بن عبد اللہ انصاریؓ یزید بن ارقمؓ ہیں اور ان کے علاوہ بھی آپ نے متعدد نیک عمل صحابہ کے نام گنائے۔ آپ نے اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے فرمایا: پھر بھی اگر تم اپنے خطوں سے انکار کرتے ہو تو مجھ کو وہیں چلا جانے دو جہاں سے میں آیا ہوں۔ یا میں اللہ کی وسیع زمین پر کہیں چلا جاؤں گا یا میں کسی سرحد پر جا کر کفار سے جنگ کرتا رہوں، یہاں تک کہ مر جاؤں۔ آپ نے یہ سب کچھ اتمام حجت کے لیے فرمایا تھا۔

تاہم ان لوگوں نے ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی بلکہ اپنی سرکشی اور باطل پرستی



پھاڑے رہے۔ پھر انہوں نے وہی جواب دیا جو اہل مدین نے اپنے نبی کو دیا تھا، جس کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے :

”وہ کہنے لگے کہ ہم تمہاری بیشتر باتوں کو سمجھ ہی نہیں رہے ہیں اور ہم تم کو

کمزور پاتے ہیں“ (سورہ ہود - آیت ۹۱)

پس اگر آپ ابن زیاد کے آگے جھک جائیں تو وہ آپ کے متعلق فیصلہ کر دے گا۔ ورنہ ہم آپ سے ایسی جنگ کریں گے کہ جس کا کم سے کم نتیجہ یہ ہو گا کہ سرکٹ کٹ کر گرتے ہوں گے اور ہاتھ پیر جدا ہوں گے۔

امام حسینؑ رنجیدہ ہو کر اپنے خیام کی طرف واپس آ گئے۔ تب آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : یہ لوگ جنگ پر اصرار کر رہے ہیں اور ان کا نشانہ میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔ اگر وہ مجھ پر غالب آجائیں گے تو ان کو تم سے کوئی سروکار نہ ہو گا۔ پس جب رات ہو جائے تو تم میں سے ہر ایک ایسی جگہ چلا جائے جہاں اس کو امن حاصل ہو۔ تم مجھ کو اور ان ظالم لوگوں کو یہاں چھوڑ جاؤ۔

لیکن آپ کے یافو اصحاب اور پاکیزہ اہل خاندان نے آپ سے مفارقت اختیار کرنا اور اپنی جانوں کو آپ سے زیادہ عزیز رکھنا گوارا نہیں کیا۔ وہ سب آپ سے وابستہ ہو گئے، حالانکہ آپ نے ان کے سامنے حالات کی صحیح تصویر پیش فرمادی تھی۔ اگرچہ کسی دوسرے کے لیے اپنی جان دینا سب سے بڑی قربانی ہے۔ پھر بھی ان لوگوں نے یک زبان ہو کر آپ سے کہا : ہم آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گے اور نہ آپ کے سامنے شہید ہونے کے بجائے آپ کے بعد اس دنیا کی زندگی کو پسند کریں گے۔ ان میں سے کسی نے آپ سے کہا : اے ابو عبد اللہ! قسم بخدا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میں قتل کر دیا جاؤں گا، پھر زندہ ہو جاؤں گا، پھر قتل ہو جاؤں گا اور یہ عمل میرے ساتھ ستر مرتبہ کیا جائے گا لیکن اس طرح آپ اور آپ کے اہل انصار اس یزیدی گروہ کے چنگل سے بچ جائیں گے تو میں اس کو گوارا کرنے میں ذرا بھی تاثر نہ کروں گا۔ آپ کے اصحاب اور اہل خاندان نے ایسے ہی باہم ملتے جلتے الفاظ کہے۔ جنگ کرنے کا پختہ ارادہ ظاہر کیا اور آپ کے سامنے شہادت حاصل کرنے کو اپنی خوش بختی قرار دیا۔



حُرب بن یزید ریاحی پر امام حسینؑ کے کلمات اور ان کے صحیح موقف کا اتنا اثر ہو چکا تھا کہ وہ اپنے سابق طرز عمل پر نادم ہو گئے۔ وہ کبھی اپنے گھوڑے کو امام حسینؑ کے لشکر کے قریب لے آتے اور کبھی اس سے دورے جاتے۔ ان کے چہرے پر رنج اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ یہاں تک کہ ان کے ایک ساتھی نے ان سے کہا: قسم بخدا! میں نے تم کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا، بلکہ اگر مجھ سے پوچھا جاتا کہ اہل کوفہ میں سب سے بہادر کون ہے تو میں تم کو نظر انداز نہ کرتا۔ اب حُرب نے اس سے اپنے دل کی کیفیت بیان کر دی اور کہا: سچ تو یہ ہے کہ اس وقت میں اپنے لیے جنت و جہنم اور دنیا و آخرت کے مابین فیصلہ کر رہا ہوں۔ کسی بھی عقلمند کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ آخرت اور جنت پر کسی دوسری چیز کو ترجیح دے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امام حسینؑ کے خیمہ کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔ امامؑ باہر تشریف لائے تو حُرب ادب سے جھک گئے اور آپ کے ہاتھوں پر بوسہ دے کر آپ سے معافی مانگنے لگے۔ اس کے بعد کہنے لگے: میرے آقا! وہ ہیں ہی ہوں کہ جس نے آپ کو اس جگہ آنے پر مجبور کیا اور واپس جانے سے روک دیا۔ اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ یہ کچھ کریں گے تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا، تو کیا اب میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ہاں! ہاں! اللہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس پر حُرب نے آپ سے کہا: میں توبہ کا صرف یہی مطلب سمجھتا ہوں کہ آپ کے سامنے جنگ کرتے ہوئے آپ پر نثار ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ میدانِ وُغّا میں چلے گئے، جہاں وہ خوب لڑے پھر لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور قتل کر ڈالا۔

امام حسینؑ اور عمر بن سعد کے مابین گفتگو اور تبادلہ خیالات ہو رہا تھا۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ امام حسینؑ مکہ واپس چلے جائیں، یا اللہ کی وسیع زمین پر کسی اور جگہ فروکش ہو جائیں، چنانچہ عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ وہ اس سمجھوتے کو منظور کر لے۔ اس پر اس نے کہا: اس وقت جبکہ وہ پوری طرح ہمارے چنگل میں آگئے ہیں تو اب وہ بچ کے نکل جانا چاہتے ہیں۔ نہیں قسم بخدا ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ بس اب تو ان کو اسیری کی حالت میں ذلت کے ساتھ میرے پاس آنا ہوگا۔ پھر چاہوں تو میں ان کو معاف کر دوں اور چاہوں تو ان کو قتل کر دوں۔ یہی کچھ اس نے ابن سعد کو بھی لکھ بھیجا۔ جس وقت اس



نے یہ خط پڑھا تو کہنے لگا: لیکن جب تک حسینؑ کے پہلو میں ان کے باپ کا دل ہے وہ ہرگز اس پستی کو قبول نہ کریں گے۔

چنانچہ جب آپ کو ان مذاکرات کی ناکامی کا علم ہوا تو آپ نے ایسی زندگی پر کہ جس میں عبید اللہ بن زیاد کا قیدی بننا ہو، موت کو ترجیح دی اور فرمایا: قسم بخدا! میں ہرگز تمہارے سامنے ذلیل بن کر نہ جاؤں گا اور نہ غلاموں کی طرح سر جھکاؤں گا۔ ہاں میں ان حالات میں موت کو خوش بخشتی اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو بد بخشتی تصور کرتا ہوں۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ نوپس محرم ۶۱ھ کو اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر امام حسینؑ پر حملہ کر دے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسی روز شام کے وقت امام حسینؑ کے خیموں کی طرف یلغار کر دی۔ جبکہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ان کے اس اچانک حملے کا خیال تک بھی نہ تھا۔ تاہم امام حسینؑ اور آپ کے ساتھی شیروں کی طرح اپنے خیموں سے باہر نکل آئے لیکن امامؑ نے یہ ارادہ کیا کہ ان سے ایک رات کی مہلت حاصل کر لیں۔ پس آپ نے اپنے بھائی عباسؑ کو ان لوگوں کے پاس بھیجا، لیکن ابن سعد نے اگلی صبح تک کی مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ جیسا کہ راوی کہتے ہیں، اس وقت عمرو بن حجاج زبیری نے کہا: اے سبحان اللہ! قسم بخدا اگر یہ لوگ ترک و دلیم بھی ہوتے تو ہم ان کے ایسے سوال کو رد نہ کرتے اور مان لیتے۔ بہر حال اپنے سرداران لشکر کے ساتھ خاصی رد و بدل کے بعد عمر بن سعد نے آپ کو دسویں محرم کی صبح تک کی مہلت دے ہی دی۔

اس رات امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور حمد و ثنا کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہم کو نبوت کا اعزاز عطا کیا۔ ہم کو قوت بصارت و سماعت و فہم عطا کی۔ ہم کو قرآن کی تعلیم دی اور دین کے احکام سکھائے۔ پس تو ہم کو اپنا شکر گزار بنالے۔ اما بعد میں نے اپنے اصحاب اور اپنے اہل خاندان سے زیادہ نیک اور با وفا کسی کو نہیں پایا۔ اللہ تم سب کو بہترین جزا دے، لیکن تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ دشمن میرے علاوہ کسی اور کے درپے نہیں ہیں۔ میں تم سب کو چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میری طرف سے تم آزاد ہو، تمہارے لیے نہ کوئی رکاوٹ ہے اور نہ تم پر کوئی ذمہ داری ہے۔ اس وقت رات کا اندھیرا تم پر پردہ کیے ہوئے ہے، اسی تاریکی میں تم لوگ چلے جاؤ اور اپنے آپ کو بچا لو۔ اس پر



آپ کے بھائیوں اور بیٹوں نے کہا: کیا ہم ایسا اس لیے کریں کہ آپ کے بعد زندہ رہیں، اللہ ہمیں ایسا دن کبھی نہ دکھائے۔ ان کے بعد آپ کے اصحاب بولے اور یک زبان ہو کر کہا: قسم بخدا، اے ابو عبد اللہ! ہم ہرگز آپ کو نہ چھوڑیں گے تا اینکه ہم ان دشمنوں کے سینوں میں اپنے نیزے توڑ نہ ڈالیں۔ ہاں! جب تک ہمارے ہاتھوں میں تلواروں کے قبضے رہیں گے تو ہم ان کو مارتے رہیں گے۔ اگر ہمارے پاس ان سے لڑنے کے لیے ہتھیار نہ رہیں گے تو ہم ان کو پتھروں سے نشانہ بنائیں گے۔ یہاں تک کہ ہم آپ کے ساتھ شہید ہو جائیں۔ اس پر امام حسینؑ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے لیے جزائے خیر کی دعا کی اور پھر ان درجات کی بشارت دی جو اللہ نے ان کے لیے جنت میں مہیا کیے ہیں۔

اس رات آپ اپنے خاص خیمہ میں تشریف فرما تھے اور ابوذر کے غلام خون آپ کی تلوار صاف کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے:

اے زمانے! تو کیسا خراب دوست ہے۔ تو ہر صبح و شام کیسے کیسے دوست اور ساتھی چھین لیتا ہے۔ یہ زمانہ کسی کا بدلے کر مطمئن نہیں ہوتا۔ ہاں اصل فیصلہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہر زندہ اسی کے راستے پر رواں ہے۔

آپ کی ہمیشہ زینب بنت علیؑ نے آپ کا یہ کلام سن لیا۔ ان سے رہا نہ گیا اور وہ اپنے دامن کو سنبھالتی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں کہ: ہاتے کیا مصیبت آپڑی ہے۔ کاش! موت مجھ کو ختم کر دیتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میری ماں فاطمہؑ، میرے باپ علیؑ اور میرے بھائی حسنؑ آج ہی فوت ہوئے ہیں۔ اے بزرگوں کی یادگار اور ہماری زندگی کے سہارے بھائی حسین! امامؑ نے ان کو دیکھا تو فرمایا: اے یمن! ایسا نہ ہو کہ شیطان آپ کو بے صبر بنا دے۔ پھر آپ نے ان کو اپنے بارے میں دلاسا دیا۔ صبر کی تلقین فرمائی اور اپنے اہل و عیال کے بارے میں ان کو وصیتیں فرمائیں۔ پھر وہ رات آپ نے اور آپ کے اصحاب نے نمازیں ادا کرنے اور قرآن پڑھنے میں کاٹ دی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

محرم کی دسویں تاریخ کو صبح ہوتے ہی یزید کی فوج امام حسینؑ کے خیمہ پر حملہ آور ہو گئی۔ آگے آگے عمر بن سعد تھا۔ اس نے ایک تیرا پنی کمان کے چلے پر چڑھا کر امام حسینؑ کے خیموں کی طرف چلا دیا اور کہنے لگا: دیکھو! گورنر کے سامنے یہ گواہی ضرور دینا کہ



حسینؑ اور ان کے اصحاب کی طرف سب سے پہلا تیریں نے چلایا ہے۔ اب تو ہر طرف سے امام حسینؑ کے خیموں اور حرم سرا پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ تب امامؑ نے اپنے اصحاب کو یوں ابھارا: یہ تیر دشمنوں کے قاصد ہیں جو تمہاری طرف آرہے ہیں۔ اس پر وہ لوگ خونخوار شیروں کی طرح نکل پڑے۔ ان کو نہ موت کا خوف تھا نہ دشمنوں کا ڈر تھا کیونکہ وہ صرف اللہ سے ملاقات کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ اپنے ان درجات کو دیکھ رہے ہیں جو انبیاءؑ صدیقین اور اللہ کے دیگر صالح بندوں کے لیے مقرر کر دیے گئے ہیں۔ ان میں سے جو بھی میدان میں جاتا اس کی زبان پر یہی آخری الفاظ ہوتے تھے: سلام ہو آپ پر اے ابو عبد اللہ! بعدہ وہ آپ کے اصحاب کو وصیت کرتا تھا کہ وہ بھی آپ پر اپنی جان اور روح کو فدا کر دیں۔ اب طرفین میں جنگ زور پکڑ گئی چنانچہ امام حسینؑ کا ہر ساتھی شہید ہونے سے پہلے دس بیس دشمنوں کو تہ تیغ کر دیتا تھا۔ تاہم چند ہی گھنٹوں میں باری باری ان سب کا خاتمہ ہو گیا۔ اب خود امام حسینؑ ان کے بھائی بیٹے اور رشتہ دار رہ گئے۔ یہ لوگ جنگ کے لیے اس بہادری سے آگے بڑھے کہ جس کی مثال اس سے قبل دیکھنے اور سننے میں نہ آئی تھی۔ ان میں سے جو بھی قتل ہو جاتا امام حسینؑ اس کو جنگاہ سے لاکر اپنے مقتول اصحاب کے برابر لٹا دیتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ وقت بھی آگیا کہ آپ کے بیٹے علی اکبرؑ جنگ کے لیے نکلے۔

راویوں کا کہنا ہے کہ آپ رفتار و گفتار میں رسول اکرمؐ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ چنانچہ کسی معاصر شاعر نے آپ کے بارے میں کہا تھا:

آنکھ نے آج تک آپ کا سانہ پیدل چلنے والا دیکھا نہ سوار

حضرت علی اکبرؑ کی رخصت کے وقت امام حسینؑ نے فرمایا: اے اللہ! اس قوم کے بارے میں گواہ رہنا کہ اب ان کے مقابلے کے لیے وہ جوان جا رہا ہے جو صورت و سیرت میں تیرے رسولؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے، لہذا جب کبھی ہم تیرے رسولؐ کی زیارت کرنا چاہتے تھے تو اس پر نظر ڈال لیا کرتے تھے۔ اے اللہ! ان لوگوں سے دنیا کی برکتیں سلب کرے۔ ان میں باہمی تفرقہ اور آپس کی جدائی پیدا کر دے۔ ان کو متعدد گروہوں میں تقسیم کر دے اور ان میں کبھی محبت قائم نہ ہونے دے۔ جیسا کہ راوی



بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے عمن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اللہ تجھ کو تیرے قرابتداروں سے اسی طرح جدا کر دے جس طرح تو نے میرے جگر پاروں کو ذبح کیا ہے۔ تو نے رسول اکرمؐ سے میری قرابت کا کوئی لحاظ نہیں کیا ہے۔ پھر علی اکبرؑ نے دشمن پر حملہ کیا اور نامور بہادروں کی طرح جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ نیریدیوں میں سے دو سو افراد کو قتل کر ڈالا جیسا کہ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے جن میں معرکہ کربلا کا بیان آیا ہے۔

امام حسینؑ کی طرف سے آپؐ کے بھائیوں اور اہل خاندان میں سب سے بڑے جنگ آزما عباس بن علیؑ تھے۔ وہ خود اور ان کے تین بھائی جو ان سے پہلے شہید ہوئے وہ سب ایک ہی ماں سے تھے کہ جن کا نام فاطمہ بنت حزام تھا اور وہ ام البنین کہلاتی تھیں۔ جب امام حسینؑ کے اصحاب بھائیوں اور بیٹوں میں سے کوئی اور باقی نہ رہا تو حضرت عباسؑ نے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر دشمن سے لڑنے کی اجازت طلب کی! امامؑ ان کو گلے لگا کر روئے اور پھر اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت عباسؑ جب اہل کوفہ پر حملہ کرتے تو وہ اس طرح بھاگنے لگتے جیسے خونخوار بھیڑیے کے سامنے سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ آپؑ نے دشمنوں کو اس کثرت سے تہ تیغ کیا کہ اہل کوفہ چلا اُٹھے۔ جب آپؑ شہید ہو گئے تو امام حسینؑ نے یہ الفاظ ادا فرمائے: اب تو میری کمر ٹوٹ گئی۔ میری راہ مسدود ہو گئی اور میرے دشمن خوش ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ ایک ساتھ جنگ کے لیے آگے بڑھے۔ وہ دونوں جس طرف بھی رخ فرماتے صفیں الٹ کر رکھ دیتے۔ جس رسالہ کی طرف جاتے وہاں کشتوں کے پستے لگ جاتے۔ بالآخر دشمن ان دونوں بھائیوں کے مابین حائل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ تب انہوں نے ایک درخت کے پیچھے چھپ کر حضرت عباسؑ پر حملہ کیا اور ان کو قتل کر ڈالا۔ اب امام حسینؑ تنہا رہ گئے تھے۔ چنانچہ دشمن کے جتنے آپؑ پر ٹوٹ پڑے۔ حمید بن مسلم نے آپؑ کی جنگ کو بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ جس کے برادر، فرزند، رشتہ دار اور مددگار قتل کیے جا چکے ہوں اور وہ آپؑ سے زیادہ دلیر، زور آور اور جنگ آزما ہو۔ آپؑ یکہ و تنہا ہوتے ہوئے بھی ان پر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے لیکن وہ اپنی تیس ہزار کی تعداد کے



باوجود بھی آپ کے سامنے سے ٹڈیوں کی طرح پراگندہ ہو جاتے۔ اس پر آپ اپنے خیام اور نریدی لشکر کے درمیان آکھڑے ہوتے تھے۔ اس وقت آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

ابن سعد نے جب یہ حال دیکھا تو اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ آپ پر پتھر برسائیں اور تیروں کی بارش کریں۔ چنانچہ ہر طرف سے آپ پر تیر اور پتھر پڑنے لگے۔ یہاں تک آپ بڑھال ہو گئے۔ اس مرحلے پر شمر بن ذی الجوشن نے اپنے ساتھیوں کو لے کر آپ کے خیام کا رخ کیا، جس سے وہاں عورتوں اور بچوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ تب آپ نے فرمایا: وائے ہو تم پر اے آل ابوسفیان کے ساتھیو! اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تم کو قیامت کے دن کا کوئی خوف نہیں تو دنیا کے غیرت داروں ہی کا سا طریقہ اختیار کرو اور اگر تم اپنے خیال میں عرب ہو تو بھی اپنے بزرگوں کے راستے پر چلو۔ اے لڑائی تو میرے اور تمہارے درمیان ہو رہی ہے، اس لیے عورتوں پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ پس جب تک میں زندہ ہوں، تم میرے اہل حرم کو ستانے سے باز رہو۔ امام حسینؑ کی اس ملامت کو سنکر وہ لوگ آپ کے خیام سے تو ہٹ آئے لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے آپ کو تیروں، نیزوں اور پتھروں سے مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ نیزوں، تلواروں، تیروں اور پتھروں کے زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ پھر وہ ظالم اور شتمکار آپ تک پہنچ گئے جبکہ آپ موت کو گلے لگانے کے لیے تیار تھے۔ پس شمر نے آپ کا گلا کاٹ دیا اور آپ راہِ خدا میں شہید ہو گئے۔

ابن حجر نے صواعق میں بیان کیا ہے کہ قتل حسینؑ کے وقت اللہ کا غضب اس طرح ظاہر ہوا کہ آسمان تیرہ وتار ہو گیا اور دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ پھر عذابِ خدا ہر شخص پر نازل ہوا جو آپ کے قتل میں شریک تھا۔ وہ مزید کہتے ہیں:

کیا وہ قوم جس نے حسینؑ کو قتل کیا، قیامت کے روز ان کے نانا کی شفاعت کی امید کر سکتی ہے؟

مقرب نے ساری سے روایت کی ہے کہ جب امام حسینؑ قتل ہو گئے تو آسمان نے گریہ کیا اور آفتاب کو گھن لگ گیا۔ آسمان کا رونا اس کی شفق ہے۔ جیسا کہ علی بن میسرہ



نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھ سے میری دادی نے بیان کیا کہ امام حسینؑ کے قتل کے دنوں میں وہ ابھی نوجوان تھی۔ تب کسی دن تک آسمان ایسے رہا گویا کہ وہ جما ہوا ہے۔ میری سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: مجھ کو بتایا گیا ہے کہ قتل حسینؑ کے روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے سے خون ابلتا تھا۔ دنیا تین روز تک تیرہ و تار رہی اور آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ ایسے ہی کچھ اور واقعات کے بارے میں بہت سی روایات ہیں لیکن ان کے راویوں کے سلسلے پورے نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ کے لیے ایسے امور چنداں مشکل بھی نہیں، جبکہ ایسا کرنا اس کی مصلحت کے مطابق ہو۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ کے گھوڑے کا سامان اتار لیا۔ آپ کے خیموں کو تاراج کیا۔ عورتوں کی چادریں اور ان کے زیور چھین لیے۔ پھر ابن زیاد کی ہدایت پر عمر بن سعد نے دس سواروں کو حکم دیا اور انہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کے جسد پاک کو پامال کر ڈالا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے مقتولین کے جسموں سے ان کے سروں کو کاٹ کر علیحدہ کیا، نیزوں پر بلند کیا، یہ سب اٹھتھر (یا بہتر) سر تھے جن کو ان قبیلوں کے لوگوں نے باہم بانٹ لیا جنہوں نے ان کے قتل میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد عمر بن سعد کے حکم سے عورتوں کو بے کجا وہ اونٹوں پر ننگے سر سوار کرا دیا گیا اور ان کو اس طرف سے لیجا یا گیا جہاں ان کے عزیزوں کے سر بیدہ جسم ریت پر پڑے تھے۔ چنانچہ بی بی زینبؑ نے جب اپنے بھائی کے جسم کو نیزوں، تلواروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے پارہ پارہ دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے فرمایا: بار الہما! ہماری اس قربانی کو قبول فرما لے۔ غضب یہ تھا کہ ابن سعد نے اپنے مقتولین کو دفن کیا لیکن امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کو بیابان کر بلا میں اسی طرح پڑا رہنے دیا۔ بیشتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شہیدوں کا کفن دفن امام زین العابدینؑ کے ہاتھوں تین دن کے بعد مکہ میں کو پہنچا تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ جنگ ختم ہو جانے پر عمر ابن سعد سر ہائے شہداء کو کوفہ لے گیا۔ امام حسینؑ کا سر خولی بن یزید اصبحی کے پاس تھا۔ اس نے ابن زیاد کے محل کا دروازہ بند پایا تو وہ امام کے سر اقدس کو اپنے گھر لے گیا اور اس کو ایک برتن میں رکھ کر بستر پر چلا گیا۔ تب اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تیرے پاس دنیا کی ایک بڑی دولت لایا ہوں۔ دیکھ یہ



سر حسینؑ تیرے پاس گھریں موجود ہے۔

طبری کی روایت میں ہے کہ جب اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ وہ امام حسینؑ کا سراقدس لایا ہے تو وہ بہت غصے ہوئی اور کہنے لگی: واٹے ہو تجھ پر! لوگ تو سونا اور چاندی لے کر آتے ہیں اور تو رسولؐ کے بیٹے کا سر لے آیا ہے۔ قسم بخدا! اب کبھی میرا اور تیرا سرا اس گھر میں اکٹھا نہ ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے اٹھی اور گھر کی ایک جانب چلی گئی۔ پھر کہنے لگی: میں برابر ایک نور دیکھتی رہی جو اس برتن میں سے ایک ستون کی مانند بلند ہو رہا تھا اور میں نے کچھ سفید پرندے بھی اس کے چاروں طرف اڑتے ہوئے دیکھے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ابن زیاد نے لوگوں کو عام اجازت دیدی کہ وہ محل میں آجائیں جبکہ امام حسینؑ کا سر مبارک اس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ تب وہ آپ کے دندان مبارک پر اپنی چھڑی لگاتے جاتا تھا۔ زید بن ارقم نے یہ حال دیکھا تو بول اٹھے: ان ہونٹوں پر اپنی چھڑی ہٹالے، مجھے قسم ہے اس خدا کی کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے بارہا رسول اکرمؐ کو انہیں پر بوسہ لیتے دیکھا ہے۔ اس کے بعد وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ اس پر ابن زیاد نے ان سے کہا: اگر تم بڑھے نہ ہو گئے ہوتے اور تمہاری عقل مختل نہ ہوتی تو میں تم کو قتل کر ڈالتا۔ یہ سن کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چل پڑے: اہل کوفہ! آج سے تم غلام بن گئے ہو۔ تم نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا اور اپنے اوپر ابن مرجانہ کو حاکم بنا لیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابن زیاد امام حسینؑ کے دندان مبارک پر چھڑی لگاتا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا:

ہم ایک ایسے شخص کا سر کچل رہے ہیں جو ہمارے لیے نہایت سخت نافرمان اور ظالم تھا۔

اس موقع پر صحابی رسولؐ ابو ہریرہؓ موجود تھے۔ انہوں نے اس سے کہا: ابن زیاد! ایسا نہ کر کیونکہ میں نے ان دانتوں پر تیری چھڑی کی جگہ رسول اللہؐ کے ہونٹوں کو دیکھا ہے۔ جب قیدی ابن زیاد کے سامنے حاضر کیے گئے تو جناب زینب بنت علیؑ ایک جانب ہو گئیں اور خود کو اوٹ میں کر لیا۔ اس وقت ابن زیاد نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا:



یہ غیر معروف سی عورت کون ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی سوال کیا۔ آپ نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ اس پر اس کے درباریوں میں سے کسی نے اس سے کہہ دیا کہ یہ زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہؐ ہیں۔ تب اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا: اللہ کی حمد ہے، جس نے تم کو ذلیل کیا، تم کو قتل کر دیا اور تمہارے دعوؤں کو جھٹلا دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ہاں حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے ہم کو اپنے نبی محمدؐ کے واسطے سے عزت بخشی اور ہم کو برائیوں سے اچھی طرح پاک رکھا۔ ہاں! اے ابن مرجانہ! بے شک فاسق ذلیل ہوتا ہے اور بدکار جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور وہ ہمارے علاوہ دوسرے لوگ ہیں۔ اس پر اس نے آپ سے کہا: تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے بھائی حسینؑ کے ساتھ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا: میں نے تو بھلائی ہی بھلائی دیکھی ہے۔ اللہ نے ان لوگوں کا قتل ہونا مقدر کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی جائے آرام پر پہنچ گئے۔ عنقریب اللہ تجھ کو اور ان کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا، جہاں تو چیخ چیخ کر روئے گا۔ او ابن مرجانہ! تیری ماں تجھے روئے۔ پھر اس روز دیکھنا کہ کس کو کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس بھرے دربار میں ثانی زہراؑ کا یہ دود و جواب سن کر اس کو بہت غصہ آیا اور وہ آپ کو مارنے کا ارادہ کرنے لگا۔ اس پر عمرو بن حریث نے اس سے کہا: یاد رکھو کہ یہ ایک عورت ہیں اور عورتوں کو ان کی باتوں پر پکڑا نہیں جاتا۔ تب اس نے آپ کی تضحیک کرنے کے لیے پھر سے جلی کٹی باتیں کرنا شروع کیں اور بولا: اللہ نے تمہارے سرکش سردار حسینؑ اور تمہارے خاندان کے پرغور اور باغی افراد کے قتل سے میرے دل کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ اس وقت آپ کے دل پر چوٹ لگی، آپ رونے لگیں اور بولیں: قسم بخدا! تو نے ہمارے بڑوں کو قتل کر ڈالا، ہماری شاخوں کو کاٹ دیا اور ہماری جڑ کو اکھاڑ پھینکا۔ اگر یہ تیرے دل کے ٹھنڈا ہونے کا باعث ہوا ہے تو پھر ضرور تیرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

اس نے امام علی بن حسینؑ سے بھی اسی طرح کی سخت گفتگو کی تھی جس میں آپ نے اس کی سطوت سے کوئی خوف نہ کھایا اور نہ ہی آپ اس کے اقتدار سے ڈرے۔ اس پر مارے غصہ کے ابن زیاد کی رگیں پھول گئیں اور اس نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن بی بی زینبؑ ان سے پیٹ گئیں اور ان کی بجائے خود مرنے پر تیار ہو گئیں۔ پھر اس سے کہنے لگیں:



تو نے ہمارے جتنے خون کر ڈالے تمہارے لیے وہی بہت ہیں۔ اب اگر تو ان کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے تو ان کے بجائے مجھے قتل کر دے۔ اس پر اس کے درباریوں میں سے کسی نے اس سے کہا کہ علی بن حسینؑ کی بیماری ہی ان کی موت کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اس نے ان کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا: ”کیسی عجیب محبت ہے کہ یہ بی بی ان کی بجائے مرجانے کی خواہشمند تھیں۔“

امام زین العابدینؑ اور بی بی زینبؑ کی ابن زیادؑ، یزید اور اہل کوفہ کے ساتھ گفتگوؤں کے بارے میں راویوں نے بہت کچھ کہا ہے اور مؤلفین نے بھی امام حسینؑ کے عظیم اقدام اور واقعات کو بلا کے سلسلے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ البتہ میں نے بخوف طوالت یہاں آپ کی حیات طیبہ، عظیم قربانی اور اس کے بعد رونما ہونے والے واقعات میں سے صرف انہی چند پہلوؤں کے تذکرے پر اکتفا کی ہے۔

مختصر یہ کہ قتل حسینؑ نے عالم اسلام کو ہلا ڈالا اور لوگوں کے دلوں کو دہلا دیا۔ مسلمانوں کے دلوں کو اس سے جو صدمہ پہنچا وہ اس سے یہ سمجھے کہ گویا آفتاب کو گھن لگ گیا ہے۔ ستارے ٹوٹ کر تباہ ہو گئے ہیں۔ آسمان خون برسا رہا ہے اور ہر طرف سے جنوں کی غیلی آوازیں آرہی ہیں کہ تم نے اپنے نبیؐ کے بیٹے کو مار ڈالا اور اپنے رسولؐ کی عترت کو تباہ کر دیا ہے۔ پس اب تم دنیا اور آخرت میں عذاب اور ذلت کا انتظار کرو۔ یہاں تک کہ جب امویوں نے دنیا میں ادھر سے ادھر تک اس واقعہ کے بارے میں مسلمانوں کا رد عمل دیکھا اور اموی خاندان کے خلاف ان کا غم و غصہ ملاحظہ کیا تو وہ ندامت کا اظہار کرنے لگے اور کربلا کے تمام واقعات سے اپنی بریت کا اعلان کرنے لگے۔ چنانچہ مروان کے سگے بھائی یحییٰ بن حکم نے یہ شعر کہہ ڈالے:

کیا غضب ہے کہ ابن زیاد ایسے کلینے اور دو غلے حسب و نسب والے شخص کی قرابت دار سمیٹہ کی نسل کنکروں کی طرح پھیل جائے اور رسول اللہؐ کی بیٹی فاطمہؑ زہراءؑ کی نسل قرات کے کنارے قطع ہو جائے۔

اسی طرح معاویہ بن یزید بھی خوب رویا اور جب اس سے رونے کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگا: میں اس پر نہیں رو رہا ہوں کہ جو ہاتھ سے جاتا رہا بلکہ اس پر رنج کر رہا ہوں



کہ اب بنی امیہ کے گناہوں میں میرے گناہ بھی شامل ہو جائیں گے۔

اس زمانے میں جو صحابی باقی تھے انہوں نے لوگوں کو بتلایا کہ: ہم نے خواب میں نبی اکرمؐ کو دیکھا ہے کہ آپ کے گیسو غبار آلودہ ہیں اور آپ ہاتھ میں ایک شیشی لیے ہوئے ہیں جس میں خون ہے۔ تب ہم نے ان سے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا: میں نے حسینؑ کو قتل ہوتے دیکھا تو ان کا خون اس شیشی میں جمع کر لیا ہے۔ جس روزان کے قاتل اپنے اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے میں ان پر اس خون کا دعویٰ کروں گا۔

بنی امیہ پر مسلمانوں کے غصہ اور عتاب کی وجہ سے یزید بن معاویہ بھی مجبور ہو گیا کہ قتل حسینؑ کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈال دے۔ چنانچہ وہ کہنے لگا: اللہ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ قسم بخدا کہ میں نے اس کو قتل حسینؑ کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ اس پر راضی ہوا ہوں۔ اس نے میرے اوپر اتنا بڑا بوجھ ڈال دیا ہے جسے میں اپنی ہمت سے زیادہ محسوس کر رہا ہوں۔ قسم بخدا! میں تو دل سے چاہتا تھا کہ چاہے میں ہر چیز سے محروم رہ جاؤں لیکن حسینؑ قتل نہ ہوں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اس نے یہ اس وقت کہا جب اس کو یہ اطلاع پہنچی تھی کہ قتل حسینؑ سے تمام مسلمان بے قرار ہو گئے ہیں اور اب ملک کے مختلف علاقوں میں اس کی حکومت کے خلاف شورش کی تیاریاں کر رہے ہیں حالانکہ ان خبروں کے آنے سے پہلے اس نے ابن زیاد کو اپنا مقرب بنایا اور اس کے اس ظلم پر اس کی تعریف و توصیف کی تھی۔

اس امر پر مورخوں کا اتفاق ہے کہ جب عبید اللہ بن زیاد نے یزید کے حکم سے عمر بن سعد کو امامؑ سے

### امام حسینؑ کا سراقدس

جنگ کرنے کے لیے بھیجا تو اس کو ہدایت کی تھی کہ بعد شہادت وہ آپ کے اعضاء قطع کر ڈالے اور آپ کا سراقدس اس کے پاس بھیج دے۔ نیز یہ کہ عمر ابن سعد نے امام حسینؑ آپ کے اہل خاندان اور اصحاب کے اعضاء قطع کر کے ان کے سر ہائے مبارک کو فہ بھیج دیے۔ پھر ابن زیاد نے ان کو قیدیوں کے ساتھ یا بعض روایات کے مطابق ان سے پہلے شام بھیج دیا۔ مزید یہ کہ ابن سعد نے اپنے مقتولین کو تو دفن کیا لیکن امام حسینؑ ان کے عزیزوں اور ان کے ساتھیوں کی لاشوں کو میدان کر بلا میں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد



امام حسینؑ، حضرت عباسؑ اور ان کے تمام ساتھیوں کی لاشیں انہی مقامات پر دفن ہوئیں جہاں اس وقت ان کے مزارات واقع ہیں۔ اس میں محدثین و مورخین میں سے کسی کو کوئی شک نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابن زیاد نے امام حسینؑ کا سر اقدس، دوسرے سروں کے ساتھ شام بھیج دیا جہاں یزید نے اس کو ایک طشت میں اپنے سامنے رکھوایا اور بعض راویوں کے بقول آپ کے دندان مبارک کو چھڑی سے ضربیں لگاتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے لگا:

کاش! بدر کی جنگ میں مارے جانے والے میرے بزرگ آج تلواریں  
لگنے سے خزر ج کے لوگوں کی سرا سیمکی دیکھتے۔ یقیناً وہ مارے خوشی کے جھوم  
جاتے، اپنے معبودوں کی حمد کرتے اور کہتے کہ اے یزید! تجھ کو کبھی زوال  
نہ ہو۔

اس کے بعد آپ کے سر اقدس کو دفن کر دیا گیا لیکن کب اور کہاں؟ اس کے متعلق راویوں اور مورخوں کے متعدد اقوال ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مورخین کے بیان کے مطابق اس بارے میں نو قول پائے جاتے ہیں۔ البتہ اکثر شیعہ اس روایت پر اعتماد کرتے ہیں کہ آپ کا سر اقدس بھی آپ کے جسد اطہر کے ساتھ کربلا میں مدفون ہے کیونکہ امام زین العابدینؑ نے اپنے والد کا سر یزید سے طلب فرمایا اور اس نے وہ ان کو دے دیا تھا۔ چنانچہ شام سے مدینہ جاتے ہوئے جب آپ کربلا سے گزرے تو آپ نے امام حسینؑ کے سر اقدس کو ان کے جسد اطہر کے ساتھ ہی دفن کر دیا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یزید نے امامؑ کے سر مبارک کو مدینہ بھیج دیا تھا۔ پھر وہاں کے گورنر عمر بن سعید بن العاص نے اس سر کو بقیع میں آپ کی والدہ گرامی اور برادر عالی قدر کے برابر میں دفن کر دیا۔ ابو الفداء کی اس رائے کو عمر بن الوردی نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد میں اور علی بن عبد اللہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں اختیار کیا ہے۔ البتہ انہوں نے اس پر اتنا اصرار نہ کیا ہے کہ ابن ابی الدینار بلاذری کے بقول لوگوں کو یزید بن معاویہ کے خزانہ میں امام حسینؑ کا سر اقدس ملا تو انھوں نے اس کو کفنا کر دمشق شہر کے باب الفردیس کے قریب دفن کر دیا۔



اسعاف الراغبین میں روایت ہے کہ یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ امام کے سراقس کو مختلف علاقوں میں پھرایا جائے۔ چنانچہ جب یہ عسقلان میں پہنچا تو وہاں کے حاکم نے اس کو وہیں دفن کر دیا۔ بعد میں جب عسقلان پر انگریزوں کا تسلط ہوا تو فاطمیوں کے ایک وزیر صالح طلّاح نے اس کو کثیر رقم کے عوض ان سے حاصل کر لیا۔ وہ اس کو لینے کے لیے کئی منزلیں پیدل چل کر گیا۔ پھر اس کو آبنوس کی ایک کرسی پر سبز رنگ کے ریشمی جردان میں رکھ دیا اور اس کے نیچے مشک اور دوسری خوشبوئیں بکھیر دیں۔ بعد میں اس کے اوپر مشہد حسینی تعمیر کرایا جو قاہرہ میں خان خلیلی کے قریب ایک مشہور جگہ ہے۔

نور العین فی مشہد الحسینؑ کے مؤلف نے مرشد الزوار الی طریق الابرار کے حوالے سے یوں نقل کیا ہے: عہد فاطمین کے ایک عالم نے بیان کیا ہے کہ قاہرہ میں امام حسینؑ کا وہ سر مبارک ہے جو عسقلان میں تھا۔ عباس نے خلیفہ ظاہر فاطمی کو لکھا کہ انگریزوں نے عسقلان پر تسلط جما لیا ہے، وہاں وہ سر دفن ہے جس کو حسینؑ بن علیؑ کا سر کہا جاتا ہے۔ آپ کسی کو اختیار دے کر بھیجیے تاکہ وہ اس کو حاصل کر لے۔ چنانچہ انھوں نے مکنون الخدام کو کچھ آدمی دیکر بھیجا اور وہ اس سراقس کو عسقلان سے مصر لے آئے۔ پھر اس کو قصر میں لے جایا گیا جہاں وہ اب تک ہے۔ خلیفہ ظاہر نے مسجد فاکہانی اسی غرض سے بنوائی کہ یہ سراقس اس میں رکھا جائے۔ نیز طلّاح بن زریک نے بھی اس سر کو رکھنے کے لیے باب زویلہ کے باہر ایک مسجد بنوائی جس کو جامع صالح کہتے ہیں لیکن اس کے بعد ان سب نے یہ کیا کہ اس کو قصر کے اس قبة دلیم میں رکھ دیا جائے جو اس محل کے باب الخدام کے قریب واقع ہے۔ اس بارے میں مہذب بن زبیر نے ایک طویل قصیدہ نظم کیا جس کے ایک شعر میں وہ کہتا ہے:

ہائے افسوس! ان سر ہائے مبارک پر جو دفن کے بعد بھی ادھر ادھر لے جائے جا رہے ہیں۔

مقربزی کہتا ہے کہ افضل ابن امیر الجیوش ایک بڑا لشکر لے کر بیت المقدس کی طرف بڑھا جبکہ ارتق کے بیٹے ستھمان اور ایفاری بھی اپنے عزیزوں اور کثیر ترک فوجیوں سمیت اس کے مقابلے پر نکلے۔ سامی بک کی کتاب قاموس الاعلام میں ہے کہ یہی وہ



ارتق ہے جو نبی ارتق کی اس حکومت کا بانی ہے کہ جس میں دیار کبر، حلب اور مار دین کے علاقے شامل تھے جن پر ارتق کے بیٹے سقمان اور ایلغار ی ۴۸۲ھ سے ۵۱۶ھ تک حکمران رہے ہیں۔ چنانچہ افضل بن امیر الجیوش نے ان دونوں بھائیوں کو لکھا اور ان سے یہ خواہش کی کہ وہ قدس کا علاقہ بغیر جنگ کے ان کے سپرد کر دیں۔ انہوں نے اس بات کو نہ مانا لہذا اس نے شہر پہلہ بول دیا اور منجینق سے سنگ باری شروع کر دی۔ اب تو ان دونوں کے سامنے ہار مان لینے کے علاوہ کوئی صورت نہ رہی، اس لیے انہوں نے قدس اس کو دیدیا۔ اب یہ اپنے لشکر میں واپس آیا اور پھر عسقلان میں داخل ہو گیا جہاں ایک بوسیدہ مکان میں امام حسینؑ کا سراق قدس موجود تھا۔ اس نے سراق قدس کو نکال کر عطر لگایا اور صندوق میں بند کر کے ایک اور مکان میں رکھوا دیا۔ پھر اس مکان کی تعمیر و تجدید کرائی کہ جس میں وہ سراق قدس پہلے رکھا ہوا تھا۔ جب وہ مکان بن کر تیار ہو گیا تو افضلؑ امامؑ کے سراق قدس کو سینے سے لگا کر پسید لے چلا اور اس کو اسی پہلے مقام پر رکھ دیا۔ بعد ۵۲۸ھ میں یہ سراق قدس عسقلان سے قاہرہ منتقل کیا گیا تو امیر سیف المملکت اور قاضی موتمن بن مسکین اس کو عسقلان سے قاہرہ لائے اور اس کو شاہی محل کے باب النخام کے قریب قبہ دلیم میں دفن کیا گیا۔ پس جو کوئی بھی وہاں جاتا اس مقبرے کی زمین کو بوسہ دیتا تھا۔

ان معاملات کے بارے میں تحقیق کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر سراق قدس کا قاہرہ میں ہونا صحیح ہے تو پھر یہ دو مرحلوں سے گزر کر وہاں پہنچا ہے۔ وہ اس طرح کہ ابتداءً یہ دمشق میں یزید بن معاویہ کے حکم سے باب فرادیس کے قریب ایک مکان میں دفن کیا گیا یا یہ یزید کے خزانے میں سے ملا اور اس کو باب فرادیس کے قریب دفن کیا گیا۔ ابن ابی الدینار بلاذری اور واقدی نے بھی سراق قدس کے دمشق میں دفن کیے جانے کو ترجیح دی ہے۔ تاہم بعض لوگوں کی رائے ہے کہ امام حسینؑ کا سراق قدس باب فرادیس کے قریب دفن ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید بن معاویہ نے اس کو اپنے باپ کی قبر میں دفن کیا تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ مسجد میں دفن ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ شہر کی فصیل میں دفن ہوا



اور اس کے بعد فاطمیوں کے ہاتھوں دمشق سے عسقلان پہنچا اور پانچویں صدی ہجری تک وہیں رہا۔ یہ راتے عثمان مدوح نے اپنی کتاب "العدل الشاہد فی تحقیق المشاہد" میں اختیار کی ہے۔ چنانچہ وہ ان مختلف مرحلوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی عالم نے باب فرادیس کے قریب ایک مکان کو گرانا شروع کیا تاکہ وہ اپنی کتابوں کے لیے محافظ خانہ بنائے۔ وہاں اس کو دیوار میں ایک طاق دکھائی دیا جو ایک بڑے پتھر سے بند تھا۔ اس پر کچھ ایسے نقش کھدے ہوئے تھے جن سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ امام حسینؑ کے سراقدرس کی جاء دفن ہے۔ انہوں نے حاکم شام کو اس کی اطلاع دے دی۔ اس نے خود آکر اس کو دیکھا اور کہا کہ وہ اس مکان میں کوئی تبدیلی نہ کریں۔ اس کے بعد اس نے یہ معاملہ سلطان عبدالمجید خاں بن سلطان محمود خاں کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس طاق کو تمام علماء، امراء اور ممتاز افراد کے سامنے کھولا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے وہ بڑا پتھر اپنی جگہ سے ہٹایا تو وہاں ان کو خالی جگہ ملی کہ جس میں کچھ بھی نہ تھا۔ جب وہاں موجود لوگوں نے اس کو اچھی طرح دیکھ لیا تو حاکم شام نے کہا کہ اس کو اسی طرح بند کر دیا جائے جیسا کہ وہ پہلے سے تھا۔ پھر یہ معاملہ سلطان عبدالمجید تک لیجا یا گیا۔ تب انہوں نے حکم دیا کہ اس پتھر کے چاروں طرف چاندی کا ایک طاق بنا دیا جائے۔ عثمان مدوح مزید لکھتے ہیں: میں اس طاق کے وزن کی مقدار بھی جانتا ہوں اور میرے خیال میں یہ سات ہزار درہم ہوگا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سراقدرس پہلے دمشق میں دفن ہوا اور پھر تقریباً سو سال کے بعد عسقلان کے مقبرہ میں پہنچا جہاں سے شاہ صالح طلایع کے ذریعے سے چھٹی صدی ہجری میں وہ قاہرہ منتقل ہو گیا۔

امام حسینؑ کے سراقدرس کے قاہرہ میں اب تک موجود ہونے کو عبدالرحمن کتخدا نے اس وقت ثابت کیا جب مسجد مبارک کے مجاور نے مسجد کی توسیع کرنی چاہی۔ چنانچہ کہا گیا کہ امامؑ کے سراقدرس کا یہاں دفن کیا جانا کوئی مسلمہ بات نہیں ہے۔ اس پر کتخدا نے تحقیق کرنی شروع کر دی۔ پس اس نے جائے دفن کو لوگوں کے سامنے کھولا اور پھر استاد جوہری شافعی اور استاد شیخ جلوئی مالکی اس کے اندر اترے جو دونوں ہی عظیم علمائے باعمل ہیں سے تھے۔ انہوں نے وہاں ساگوں کی ایک کرسی دیکھی جس پر سونے کا ایک طشت رکھا تھا اس



میں ریشم کی سبز دستار تھی اور اس کے اندر سراقس موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو یہ سب کچھ بتلا دیا۔ تب وہاں مسجد اور مقبرہ بنایا گیا اور ان کے لیے جائدادیں وقف کر دی گئیں جن کی آمدنی ان پر صرف کی جاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام حسینؑ کا سراقس شہر رقعہ کی مسجد میں دفن ہے۔ یہ رائے عبداللہ بن عمرو راق نے اپنی کتاب مقتل میں ظاہر کی اور لکھا کہ جب ابن زیاد نے امام حسینؑ کا سراقس یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا تو وہ کہنے لگا کہ میں اس کو عثمان کے سر کے بدلہ میں آل ابی معیط کے پاس بھیجے دیتا ہوں۔ چونکہ وہ لوگ اس وقت رقعہ میں رہتے تھے لہذا اس نے وہ سراقس ان کے پاس وہیں بھیج دیا اور وہاں انہوں نے اس کو اپنے کسی مکان میں دفن کر دیا۔ بعد میں یہ مکانات مسجد میں داخل کر لیے گئے۔ اس طرح اب وہ سراقس وہاں سدرہ کی جانب دفن ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ امامؑ کا سراقس دمشق ہی میں ہے اور وہاں سے باہر نہیں گیا۔ ذہبی نے تاریخ اسلام میں ابو بکر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے دمشق میں ولید بن یزید پر حملہ کیا اور اس کے خزانوں کو لوٹا تھا۔ تب میں نے وہاں سے ایک صندوق اٹھالیا اور میں سمجھتا تھا کہ اس میں بہت زیادہ دولت ہے پس میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کو اپنے آگے رکھ لیا۔ جب میں پھاٹک سے نکل گیا تو میں نے اس کو کھولا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں ایک سر ہے اور اس پر ریشمی کپڑا پیٹا ہوا ہے۔ جس کے اوپر لکھا ہوا ہے کہ یہ حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے۔ میں گھوڑے سے اتر پڑا اس کے لیے اپنی تلوار سے قبر کھودی اور اس کو دفن کر دیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مظلومؑ کا سراقس سلیمان بن عبد الملک کے زمانے تک شاہی خزانے میں رہا۔ پھر اس نے اس کو دفن کیا لیکن جب حبشیوں کا تسلط ہوا تو انہوں نے وہ جگہ دریافت کر کے اسکو کھوڑ کا لا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سراقس نیمور منگ کے زمانے تک مدفون رہا۔ پھر وہ لوگ اس کو نکال کر اپنے ملک لے گئے اور وہاں دفن کر دیا۔ اسی طرح ابن تیمیہ سمیت کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امام حسینؑ کا سراقس قاہرہ کی اس نامبرہ جگہ پر نہیں ہے۔ بہر حال جلتے دفن کے بارے میں اور بھی بہت کچھ کہا گیا ہے، لیکن جن لوگوں نے یہ اقوال پیش کیے ہیں انہوں نے کوئی قطعی دلیل یا قابل اطمینان



روایت بیان نہیں کی ہے۔ یہاں تک کہ جن شیعہ علماء نے یہ کہا ہے کہ امام حسینؑ کا سراقدرس آپ کے جسد مطہر کے ساتھ کر بلا میں دفن ہے، انہوں نے بھی کوئی اطمینان بخش دلیل پیش نہیں کی ہے۔ اتنی بات یقینی ہے کہ جسد اطہر تو کر بلا ہی میں دفن ہے جہاں آپ کا مزار ہے۔ البتہ سراقدرس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ قیدیوں کے ساتھ شام لے جایا گیا تھا۔

رہی یہ بات کہ سراقدرس دمشق سے عسقلان، رقبہ، مدینہ یا قاہرہ لے جایا گیا تھا یا بنی امیہ کے خزانوں میں پڑا رہا تو اس کے لیے ان کتابوں میں جو ہمارے پاس موجود ہیں، کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی کہ جس سے کسی ایک قول پر اطمینان حاصل ہو سکے۔ بہت ممکن ہے کہ یزید بن معاویہ نے اس کو مسجد دمشق کے پہلو میں یا وہاں کے قبرستان میں دفن کر دیا ہو، کیونکہ اس نے اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں اپنے خلاف غم و غصے کا احساس کر لیا تھا اور خوب سمجھ لیا تھا کہ خود اس کے لیے اور تمام بنی امیہ کے لیے امام حسینؑ کو قتل کرنے کے نتائج نہایت ناگوار ثابت ہوں گے اس لیے وہ یہ کوشش کر رہا تھا کہ اپنے اس جرم کی تلافی کرے کہ جس کی مثال تاریخ میں نایاب ہے۔ چنانچہ وہ امام زین العابدینؑ اور ان کے ساتھی قیدیوں کی طرف جھک رہا تھا، جبکہ ابن زیاد سے دوری اختیار کرتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی محفلوں میں اس پر لعنت کرتا اور کہتا تھا کہ ابن مرجانہ نے مجھ پر ایسا بوجھ ڈال دیا ہے جو مجھ سے اٹھائے نہیں اٹھتا۔

اس رنج اور غم سے بھری ہوئی فضا میں یہ امر بعید از قیاس ہے کہ اس نے امام حسینؑ کے سراقدرس کو اپنے پاس یا اپنے خزانے میں رکھ چھوڑا ہو، کیونکہ اس کا وجود لوگوں کے رنج کو تیز کرتا اور ان کے ذہنوں میں اس عظیم المیہ کی تصویریں ابھارتا کہ جس کی تلخی سب مسلمان محسوس کر رہے تھے۔ نیز اس سے ایسے نتائج پیدا ہوتے کہ جن کی تلافی امکان سے باہر ہوتی۔ ان وجوہ کی بنا پر میں اس خیال کو ترجیح دیتا ہوں کہ امام حسینؑ کا سراقدرس دمشق لے جانے کے بعد جلد ہی باب فرادیس میں یا کسی قبرستان میں یا کسی اور جگہ دفن کر دیا ہوگا۔ پھر وہاں سے اس کا عسقلان، قاہرہ یا کسی دوسری جگہ منتقل کیا جانا بھی محال نہیں ہے لیکن اس کو ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی دلیل ضرور ہونی چاہیے تاہم اس ضمن میں لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بطور دلیل قابل قبول نہیں ہے۔ بہر صورت



جہاں ایک طرف امام حسینؑ اس وسیع دنیا کے کسی چھوٹے سے قطعہ زمین میں مدفون ہیں۔ دوسری طرف وہ لاکھوں پاکیزہ مومنوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں۔ اگرچہ محققوں، مورخوں، حسی کہ ان کے ساتھ محبت کرنے والوں کی نگاہوں سے امامؑ کا وہ مدفن پوشیدہ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو تو بھی وہ دل کہ جن میں حسینؑ مقیم ہیں اور جنہوں نے ان کو اپنا امام، اپنا قائد اور اپنے لیے اعلیٰ نمونہ عمل بھی مان لیا ہے۔ ان سے امام حسینؑ، ان کے انصار اور ان کے مخلص پیروؤں کی محبت، کشش اور عقیدت مٹنے والی نہیں ہے۔ یقیناً حسینؑ ہر اس شخص کے دل میں جاگزیں ہیں جو حق، نیکی، عدالت، نیز مظلوموں اور کمزوروں کی مدد پر خندہ پیشانی سے آمادہ رہتا ہے۔ ظالموں، سرکشوں، جابروں، خیانت کاروں اور منافقوں سے نفرت کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں اپنی جان، مال اور اولاد کی قربانی دیتا ہے۔ چونکہ میرا قلب بھی ایسے ہی قلوب میں سے ہے جن میں حسینؑ جاگزیں ہیں اس لیے میں ان کے سراقدس کی جائے دفن کی جستجو کرنے والوں سے فخر و مباہات کے ساتھ کہتا ہوں کہ:

حسینؑ کے سراقدس کو مشرق و مغرب میں مت تلاش کرو۔ بلکہ سب

اطراف کو چھوڑ کر میری طرف آؤ کہ میرے گوشہ دل میں مدفون ہے۔

صلح حسنؑ اور جہاد حسینؑ پر ایک نظر | محدثین اور مورخین میں صلح حسنؑ اور جہاد حسینؑ کے بارے میں خاصا

اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ نے صلح حسنؑ کو صحیح اور جہاد حسینؑ کو غلط قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا گروہ امام حسنؑ کو غلطی پر اور امام حسینؑ کو صحیح راہ پر قرار دیتا ہے۔ جبکہ ایک تیسرا گروہ ان دونوں بھائیوں کو راہِ صواب پر قرار دیتا ہے۔ تاہم بیشتر مستشرقین امام حسینؑ کو اپنے اقدام میں غلطی پر سمجھتے ہیں اور عرب کے بہت سے قدیم و جدید مؤلفین بھی انہی کے ہمنوا ہیں۔ پچھلے ابواب میں امام حسنؑ بن علیؑ کی صلح اور ان کی معاویہ کے حق میں حکومت سے دستبرداری کے ذکر میں ہم بیان

لے ہم نے جو کچھ امام حسینؑ کے سراقدس کے متعلق لکھا ہے، اس کے لیے علی جلال حسینی

کی کتاب ”حسینؑ ابن علیؑ“ کے صفحات ۱۳۹ و مابعد پر انحصار کیا ہے۔



کر چکے ہیں کہ ان کا موقف حد درجہ حکیمانہ تھا اور ان کو اس کے اختیار کرنے پر اسلام کی عظیم مصلحت نے آمادہ کیا تھا۔ اگر اس فضا میں وہ معاویہ سے اپنی پیکار جاری رکھتے کہ جس میں لوگ آپ کے خلاف ان کی مدد پر آمادہ تھے۔ پھر خود معاویہ بھی اپنی طرف سے صلح پر آمادگی ظاہر کر کے یہ کہہ چکے تھے کہ امر و نہی کے تمام احکام امام حسنؑ ہی جاری کیا کریں گے جبکہ یزید کے ذمے صرف ان کی تعمیل ہی ہوگی۔ ان حالات میں اگر وہ جنگ جاری رکھتے جبکہ خود ان کا لشکر ٹوٹ ٹوٹ کر اور ان کو چھوڑ چھوڑ کر معاویہ سے ملتا جا رہا تھا تو معاویہ کے لیے امام حسنؑ ان کے بھائیوں عزیزوں اور ان کے مخلص شیعوں کو نابود کر دینا اور اسلام کو مسخ کر ڈالنا خاصا آسان ہو جاتا۔ اگر ایسا ہو ہی جاتا تو پھر معاویہ کے لیے اس میں کوئی رکاوٹ نہ رہتی کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے خواب کو پورا کر دکھائیں جو کچھ اوپر بیس سال تک اسلام سے بد سر جنگ رہ چکے تھے۔ پھر ادھر سے ادھر تک کسی بھی مسلمان سے خوف نہ کھاتے جبکہ امام حسنؑ، امام حسینؑ اور بچے کچھے نیک نفس مسلمانوں کے ہوتے ہوتے بھی انھوں نے ایسی ایسی بدعتیں نکالیں کہ جس سے اسلام اور شریعت کی جڑیں تک ہل گئیں۔ ان کی یہ بدعتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ وہ اپنے اقتدار اور حکمرانی کی خاطر اسلام کو مسخ کر دینے یا مٹا ڈالنے پر تیار تھے۔ اس سے پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ محمد رسول اللہؐ کے ساتھ اپنے اس حسد اور دشمنی کو اپنے مقررین سے چھپانہ سکے تھے کیونکہ آنحضرتؐ کا نام نامی روزانہ سیکڑوں مرتبہ اذانوں میں اور منیروں پر دہرایا جاتا تھا۔ یہ وہ امور ہیں جو ہم پچھلے ابواب میں بیان کر چکے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ امام حسنؑ کے موقف کی بنیاد اسلام کی وہ عظیم مصلحت تھی جو اہل بیت کرامؑ کے تمام اعمال و افعال میں کار فرما تھی۔

وہ لوگ جو حسینی اقدام کو تنقید و اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں وہ اپنے اندھے تعصب یا بنی امیہ کی بے جا حمایت میں ایسا کرتے ہیں۔ جیسے ابو بکر بن عربی نے اپنی کتاب القواصم من القواصم میں کیا ہے۔ اس میں وہ یزید کی مدح کرتا ہے اور اس کے خلاف امام حسینؑ کے اقدام کو ان کی وہ غلطی قرار دیتا ہے کہ جس کے لیے کوئی جواز نہیں ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: جب خلافت ان کے بھائی کے ہاتھوں سے نکل گئی، حالانکہ ان کے پاس ایک عظیم



مشکر تھا اور بڑے بڑے آدمی ان کو چاہتے بھی تھے تو پھر وہ کوفہ کے اوباشوں کے ذریعے ان کے ہاتھ کیسے آسکتی تھی۔ وہ مزید کہتا ہے: حسینؑ کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ اپنے نانا کی اس حدیث پر عمل کرتے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ: عنقریب کچھ مصیبتیں آئیں گی۔ اگر اس وقت کوئی شخص امت کی جمعیت میں تفرقہ ڈالے تو اس کو تلوار سے مار ڈالو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اس لیے یہ بہتر تھا کہ حسینؑ یزید کی بیعت کر لیتے اور اپنے گھر میں بیٹھے رہتے۔ پس انکو یزید یا اس کے گورنرا بن زیاد نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو کوفہ کے ان اوباشوں ہی نے قتل کیا جنہوں نے ان کو بلایا تھا۔

پھر ابن حزم اندلسی اور ابن تیمیہ وغیرہ نے بھی ابن عربی ہی کے قدم پر قدم رکھا ہے کیونکہ یہ سب خارجیوں کے ظاہریہ، سلفیہ اور اباضیہ وغیرہ ایسے طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے کٹرین اور غلو میں بہت ہی بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کے ہم خیال لوگ یزید کو اس لیے قابل تعریف سمجھتے ہیں کہ اس نے امام حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ وہ یوم عاشورہ کو عید مناتے ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے اور خوب تقریبیں منعقد کرتے ہیں کیونکہ اس روز حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا گیا تھا۔ یہ لوگ الجزائر وغیرہ کے اطراف میں آباد ہیں جہاں آج بھی یوم عاشور کو عید کے ایک بہت بڑے تہوار کے طور پر منایا جاتا ہے۔

جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں ان کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پران کا استدلال یہ ہے: حسینؑ نے یزید کی بیعت سے کنارہ کشی کر کے جماعت میں تفرقہ ڈالا اور مسلمانوں میں فتنہ کھڑا کیا، کیونکہ یزید نے یا کوفہ کے گورنرا بن زیاد نے شر و فساد کی ابتدا نہیں کی بلکہ اس کا آغاز حسینؑ ہی نے کیا تھا۔ پس انھوں نے ایسا کام کیا کہ جس سے ان کا خون بہانا جائز ہو گیا تاکہ امت کی وحدت محفوظ رہے اور اس کی عزت و وقار محفوظ رہے۔ یہ سب کچھ ان کے نانا کے اس قول کی تعمیل میں کیا گیا کہ جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر کوئی اس امت کی جمعیت میں تفرقہ ڈالے تو اس کو تلوار سے مار ڈالو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ اموی گھرانے کی حد سے زیادہ طرفداری کرنے والوں مثلاً ابن نمیرہ اور غزالی وغیرہ کی طرف سے اس بات کو شہرت دی گئی کہ: حسینؑ اپنے نانا محمد رسول اللہؐ کی تلوار سے قتل ہوئے۔ اسی طرح کے اور بھی اقوال ہیں جو ان لوگوں کے علیؑ اور آل علیؑ سے حسد اور کینے کو ظاہر کرتے ہیں۔



اور حیرت ناک بات یہ ہے کہ جو لوگ رسول اکرمؐ کی طرف منسوب ایک قول کی بنا پر یزید کے افعال کو حق بجانب ٹھہراتے ہیں، وہ اس قول کو معاویہ بن ابی سفیان پر منطبق نہیں کرتے۔ جنہوں نے پوری امت کی مخالفت کی، اس کی وحدت میں تفرقہ ڈالا اور اسکی یک جہتی کو ختم کر دیا۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کے سردار یعنی امام علیؑ پر متفق تھے اور آپ کی بیعت ان سب لوگوں نے کر لی تھی جنہوں نے ابو بکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی۔ اس طرح آپ کی خلافت کو مملکت اسلامی کے تمام علاقوں میں بابرکت تسلیم کر لیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے اس وقت بھی امت اور جماعت کی مخالفت کی جب وہ حسنؑ بن علیؑ کے ساتھ جفاکاری کرنے لگے جو نواسہ رسولؐ اور جو انان جنت کے سردار تھے۔ جبکہ اس وقت کے بقیہ مہاجرین و انصار اور مملکت اسلامی کے ان تمام علاقوں کے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی تھی جو ان کے والد بزرگوار کی بیعت میں تھے۔ نیز معاویہ نے امام حسنؑ کے ساتھیوں اور ان کے لشکریوں کو زور و مال دیکر اور جھوٹے وعدے کر کے بہکا دیا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ آپ چند شرائط پر وہ حکومت معاویہ کے سپرد کر دیں، جن میں سب سے اہم اور نمایاں شرط یہ تھی کہ وہ اپنے بعد حکومت کا معاملہ امام حسنؑ یا عام مسلمانوں پر چھوڑ جائیں گے تاکہ وہ اپنے دین اور دنیا کے لیے جس کو مناسب سمجھیں اختیار کر لیں لیکن انہوں نے ساری ہی شرطوں کو پامال کر دیا اور امام حسنؑ کو قتل کرانے کا اہتمام کیا۔ پھر اپنے بدکار اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے بیٹے یزید کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا حالانکہ وہ اس سے نفرت کرتے تھے اور اپنی جانوں سے زیادہ شریعت محمدیہ کے بچاؤ کی خاطر اس سے ڈرتے تھے۔ اس کے باوجود برا دران اہل سنت کی ایک عظیم اکثریت کے نزدیک انہی معاویہ کا شمار رسول اکرمؐ کے بلند مرتبہ انصاف پرور اور پاکیزہ صحابہ میں ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ مبینہ حدیث کہ جس کے مطابق وہ لوگ امام حسینؑ کے قتل کو جائز کہتے ہیں، وہی حدیث معاویہ کو بھی واجب القتل قرار دیتی ہے۔ علاوہ بریں صحابی عمار بن یاسر کے قتل کے بارے میں آنحضرتؐ کی وہ حدیث کہ جس کو وہ لوگ بھی مانتے ہیں، وہ معاویہ کو باغی قرار دیتی ہے اور از روئے قرآن باغی کا قتل کیا جانا واجب ہے۔



یعنی ”اگر مومنوں کی دو جماعتیں ایک دوسرے سے قتال کریں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے زیادتی کرے، تو جو زیادتی کرے اس سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف پلٹ آئے“ (سورۃ حجرات آیت ۹)

کیا معاویہؓ نے اپنی بغاوت سے اللہ کی طرف رجوع کیا۔ نہیں! بلکہ انہوں نے تو الٹا صلح کی شرائط کی خلاف ورزی کر کے مسلمانوں کے منبروں پر علیؑ کو برا کہنے کا حکم جاری کیا اور یہ اتنی مدت تک جاری رہا کہ بچے جوانی تک اور جوان بڑھاپے تک پہنچ گئے۔ نیز انہوں نے جس بن عدی جیسے سیکڑوں پاکباز اور نیک افراد کو تہ تیغ کر ڈالا۔ پھر انہوں نے امام حسنؑ کو قتل کیا کہ جو رسول اکرمؐ کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے امام تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے سنت رسولؐ اور اجماع امت کے خلاف زیاد بن سمیہ کو ابوسفیان کا بیٹا قرار دے دیا۔ مسلمانوں کا مال اپنے ساتھیوں اور حمایتیوں میں لٹاتے رہے اور مرنے سے پہلے اپنے بدکردار اور قابل نفرت بیٹے کو مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کر گئے۔

مختصر یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے مطابق یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کون امت میں تفرقہ ڈالنے کے درپے تھا جبکہ وہ ایک ایسے شخص پر متفق ہو چکی تھی جو اللہ کے احکام پر قائم تھا۔ شریعت پر عمل کرنے والا تھا اور مسلمانوں کی بہبودی کا خواہاں اور ان کے حقوق کا پاسبان تھا۔ البتہ جب حاکم یزید کی طرح ظلم کرنے والا ہو۔ علانیہ برائیوں اور بدکاریوں کا ارتکاب کرتا ہو، شریعت اور اس کے اصولوں کے خلاف چلتا ہو تو اسلام اور قرآن کے احکام کے مطابق امت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اس ظالم اور بدکار حاکم سے جنگ کرے، ورنہ اس کو بھی اس کی تمام بد اعمالیوں اور بے راہ رویوں میں شریک تصور کیا جائے گا۔ پس یہی وہ صورت حال تھی کہ جس کے تحت امام حسینؑ کو یزید کے خلاف اٹھنا پڑا تھا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے مسلح جنگ ان کی مصلحت کے خلاف ہے۔ البتہ جیسا کہ ہم ایسے متعصب ناقدین اور غلط کیش افراد کے خیالات پر اس تبصرہ کے بعد ثابت کریں گے کہ اس کے نتائج اسلام اور مسلمانوں کے حق میں بہتر تھے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام حسینؑ کے اقدام پر تنقید اور تعریف کرنے والے لوگ



بنی امیہ کے طرفدار اور ان کے دوست ہیں، یا اس کو سیاسی اور جنگی نقطہ نظر سے دیکھنے والے ہیں۔ مثلاً مستشرقین اور بعض عرب مؤلفین کہ جو ان حالات پر نظر نہیں ڈالتے، جو امام حسینؑ کو گھیرے ہوئے تھے یا ان دینی عوامل اور ان کے نتائج کو نہیں دیکھتے کہ جو آپ کی شہادت کا باعث بنے تھے۔ حالانکہ تاریخ عالم کسی ایسی جنگ سے واقف نہیں ہے کہ جس میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی طرح، ایک فریق کی جانبیں یکسر ختم ہوئی ہوں۔ مگر اس نے حکومت اور مذہب پر اپنے ایسے اثرات چھوڑے ہوں، جیسے کہ بلا کی اس جنگ نے چھوڑے، کیونکہ نہ کسی جنگ نے اس کے ظاہری فاتحوں کی خوابگا ہوں کو اس طرح متاثر کیا۔ نہ فاتحوں نے کبھی ندامت سے اپنی انگلیاں کاٹیں۔ یہ باتیں صرف اور صرف معرکہ کربلا کے خصوصیات میں شامل ہیں۔

پھر تاریخ نے اس کے جتنے کچھ بھی فوائد بتلائے ہوں، اس گروہ کے اہل قلم اس واقعہ کو اسی سطحی نظر سے دیکھتے اور امام حسینؑ پر وقتی حالات کا غلط اندازہ لگانے اور ایک نامناسب موقف اختیار کرنے کا الزام دھرتے ہیں کہ جس سے آپ کو اپنی اولاد، اپنے بھائیوں اور اپنے اہل خاندان کو اپنے سامنے قتل ہوتے دیکھنا پڑا۔ ان لوگوں کی رائے میں لامحالہ یہ سب کچھ ان کو پیش آنا ہی تھا۔

چنانچہ فلوزن اپنی کتاب الخوارج والشیعہ میں کہتا ہے کہ: حسینؑ بن علیؑ نے ایک بچے کی مانند چاند کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بڑے بڑے دعوے کیے لیکن وہ ان میں سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا مقصد حاصل کرنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے یہ سب کچھ دوسروں پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ پہلے ہی مرحلے میں بے بس ہو گئے۔ تب انھوں نے چاہا بھی کہ اس محاصرے سے نکل جائیں لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ پس وہ محض دیکھتے ہی رہے اور ان کے انصار ان کی خاطر مرتے رہے لیکن انھوں نے خود کو آخری لمحے تک بچائے رکھا۔ وہ مزید کہتا ہے: عثمان کا قتل تو یقیناً ایک ناگہانی المیہ تھا لیکن قتل حسینؑ ان کی جلد بازی اور مایوسی کا نتیجہ تھا۔ البتہ ان کے شخصی عیوب اس لیے پوشیدہ رہے کہ ان کی رگوں میں رسول اکرمؐ کا خون دوڑ رہا تھا اور وہ ان کے اہلبیتؑ میں شامل تھے۔ مستشرق جولدسہر اپنی کتاب "العقیدۃ والشریعۃ" میں لکھتا ہے حسینؑ حکومت یزید کے خلاف اقدام کرنے میں شیعوں کے غصے اور کم نظری کے باعث کھینچ لیے گئے۔ اس طرح



ان لوگوں نے ان کے گھرانے کو خاندان امیہ کے ساتھ اس طرح کے دائمی جھگڑوں میں الجھا دیا۔ تاہم سر ولیم میورؒ ہر معاملے کو رسوخ و افتداری کی نظر سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ وہ حکومت کے خلاف ہر عمل کو فتنہ تصور کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے: حسینؑ نے حکومت کے خلاف خفیہ سازش میں شریک ہو کر ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس سے معاشرے کا ڈھانچہ متزلزل ہو گیا اور اموی اقتدار کے فوری خاتمے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔

لامنس نے بھی بالکل یہی انداز اختیار کیا ہے۔ اس نے امام حسینؑ کے اقدام پر اسی لہجہ میں تنقید کی ہے جو عموماً اسلامی مباحث پر اس کے بیانات میں ہوتا ہے جو اسلام پر اسلامی شخصیتوں پر اور اہل بیت نبیؐ کے کارناموں کو چھپانے اور ان پر چھوٹے الزام لگانے سے بھرے ہوتے ہیں۔

ان لوگوں نے امام حسینؑ کو اس نظر سے دیکھا ہے کہ گویا آپ اپنے مٹھی بھر اہل خاندان اور انصار کی مدد سے حکومت حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان اہل قلم کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ زیر نظر مسائل کا مطالعہ اس طریقے سے کرتے ہیں جو ان کے متصل حالات اور واضح نتائج سے کوسوں دُور ہوتا ہے۔ حالانکہ کوئی بھی محقق اس امر کی ایک سے زیادہ تاریخی شہادتیں ڈھونڈ سکتا ہے کہ امام حسینؑ اپنی تحریک کے دوران میں دشمن سے نبرد آزمائی کے لیے جنگی قوت فراہم کرنے کی کوئی کوشش نہیں فرما رہے تھے اور نہ آپ حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ آپ کے اعلانات اور آپ کی تصریحات سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ آپ خوب سمجھ رہے تھے کہ آپ اس تحریک میں قتل ہو جائیں گے۔ آپ یزید بن معاویہ کے خلاف اسی وقت اٹھے، جب آپ نے ان خطرات کو بھانپ لیا جو امت اسلامیہ کو گھیرے ہوئے تھے اور جن کا تدارک اس قربانی کے بغیر ممکن نہ تھا جس کا آپ نے عزم فرمایا تھا اور جس کو آپ نے عملاً پیش فرمایا۔ نیز ایک صاحب نظر اس بات کے متعدد شواہد بھی تلاش کر سکتا ہے کہ آپ مکہ سے روانہ ہونے سے پہلے ہی ان نتائج کا احساس کر رہے تھے جو جلد ہی رونما ہونے والے تھے۔

اس بات کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ نے سفر عراق سے روکنے والوں کے ہر مشورے کو رد کر دیا۔ حالانکہ ان میں سے بیشتر آپ کے چاہنے والے تھے جیسے عبداللہ بن عباسؓ



عبداللہ ابن جعفر، محمد ابن حنفیہ اور عبداللہ بن مطیع کہ جنہوں نے آپ کو دو مرتبہ یہ مشورہ دیا کہ عراق جانے کا خیال بھی نہ کریں۔ پہلی مرتبہ اس وقت جبکہ آپ مکہ کی طرف جارہے تھے اور دوسری مرتبہ اس وقت جب وہ آپ کو عراق کے راستے میں ملے۔ نیز ابوہریرہ اسدی، عبداللہ بن سلیم، ابن المشعل اور فرزدق وغیرہ کہ جنہوں نے آپ کی خدمت میں اہل کوفہ کے رویے کی تصویر کشی کر کے آپ کو اس صورت حال سے مطلع کیا تھا، جس سے آپ دو چار ہوئے۔ چنانچہ اگر آپ خلافت ہی کے خواہشمند ہوتے تو کوفہ کی طرف سے آپ کو نظر ہٹانے کے لیے یہی کافی تھا۔

اسی طرح وہ خطبہ کہ جو آپ نے مکہ سے روانگی کے وقت دیا، یہ صراحت کرتا ہے کہ آپ اس معاملے کو بخوبی سمجھتے تھے جو بعد میں درپیش ہوا۔ آپ نے اس خطبے کو شروع ہی اس قول سے فرمایا: موت کا طوق بنی آدم کے گلے میں اس طرح پڑا ہے جیسے کسی دوشیزہ کے گلے میں ہار ہوتا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: دیکھو! ہمارے ساتھ وہی چلے جو اللہ سے ملاقات کی تمنائیں اپنی جان پیش کرنے پر آمادہ ہو۔ میں تو انشاء اللہ کل صبح ہی روانہ ہونیوالا ہوں۔ جب آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے دوسری بار خصوصاً یہ اصرار کیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں تو آپ نے فرمایا: جب میں آپ سے جدا ہوا تو رسول اکرمؐ نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ اے حسین! اب تم چل ہی پڑو، کیونکہ اللہ چاہتا ہے کہ وہ تم کو مقتول دیکھے۔ اس پر آپ کے بھائی ابن حنفیہ نے کہا: اگر آپ قتل ہونے ہی کے لیے جارہے ہیں تو پھر ان عورتوں کو اپنے ساتھ لے جانے کا کیا مقصد ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی یہ مرضی بھی ہے کہ یہ قیدی بنائی جائیں۔ اسی طرح جب ابن عباس آپ کے سامنے گڑ گڑائے کہ آپ کو عراق جانے کے ارادہ سے باز رکھیں، تو آپ نے فرمایا: مجھ کو رسول اکرمؐ نے خواب میں ایک امر کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور میں اسی کو پورا کرنے کے لیے جارہا ہوں۔

ایک اور شخص کہ جو آپ کو راستے میں ملا اور اس نے کوفہ کے حالات بتا کر آپ کو وہاں جانے سے روکا تو آپ نے فرمایا: یہ بات مجھ پر بھی پوشیدہ نہیں ہے لیکن اللہ کے فیصلے پر کوئی بھی غالب نہیں آسکتا۔

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا: قسم بخدا! بنی امیہ جب تک میرا پیٹ چاک نہ کر لیں گے، ہرگز میرا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ اگر میں کسی جانور کے بل میں بھی جا گھسوں گا تو بھی یہ



لوگ مجھ کو نکال کر قتل کر ڈالیں گے۔ اس طرح وہ ہاشمی افراد جو آپ کے ساتھ نہ چلے، آپ نے ان کو لکھا کہ جو کوئی مجھ سے وابستہ رہے گا وہ شہادت کا مرتبہ پائے گا اور جو مجھ سے دور رہے گا وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ آپ کے اور بھی ایسے اقوال اور بیانات ہیں جن سے ذرا بھی شک باقی نہیں رہتا کہ آپ پہلے ہی سے اس نتیجے کو اچھی طرح جانتے تھے، جو آخر میں رونما ہوا۔ نیز یہ کہ آپ حکومت حاصل کرنا نہیں چاہتے تھے اور نہ اپنے مخالفین پر فتح پانے کے خواہاں تھے بلکہ آپ ایک ایسے امر کے لیے اٹھے تھے جو براہ راست اسلام سے متعلق تھا اور ان عظیم خطرات کو اس سے دور کرنے والا تھا جس سے اسلام معاویہ کے دور میں دوچار ہوا اور پھر یزید کی بدکاریوں کی صورت میں اس کو گھیرے ہوئے تھے۔ تاہم معاویہ کے مقاصد حصول حکومت سے بھی کچھ آگے تک وسیع تھے کیونکہ وہ اقتدار پر قابض ہو کر عوام کو گمراہ کرنا چاہتے تھے اور اسلام کے اصلی اعتقادات کو بدل دینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ انھوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ عوام کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ جب میرے اور علیؑ کے درمیان خلافت کے بارے میں تنازعہ ہوا تو اللہ نے اس کا فیصلہ میرے حق میں کیا اور وہ مجھے مل گئی۔

اس کے بعد جب انہوں نے اہل حجاز سے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو صاف صاف اعلان کر دیا کہ خلافت کے لیے یزید کو منتخب کرنا، میرا ایسا ناقابل تردید فیصلہ ہے کہ جس میں لوگوں کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسی طرح معاویہ ہر موقع پر مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کرتے تھے کہ خلیفہ کی طرف سے جاری کیا ہوا ہر حکم، خواہ اس میں اللہ کے احکام کی مخالفت ہی کیوں نہ ہوتی ہو، وہ تقدیر الہی کے ماتحت ہوتا ہے اور اس کو تسلیم کرنا رعایا پر فرض ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگوں کے دل و دماغ میں پستی اور بے بسی کا احساس اور حاکموں کے سامنے سرنگوں رہنے کا جذبہ پیدا کر دیں، خواہ وہ حاکم گناہ، ظلم اور سرکشی بھی کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ عوام کے سامنے اپنی بد اعمالیوں کے لیے جوابدہ نہ ہوں، کیونکہ جب ان کی وہ بد اعمالیاں ناقابل تردید حکم کی حیثیت رکھتی ہوں تو نہ لوگوں کو ان میں کوئی دخل دینے کا اختیار ہے اور نہ ان کے بارے میں کوئی مواخذہ کرنے کا حق ہے کیونکہ وہ ان سے تقدیر الہی کے ماتحت سرزد ہوئی ہیں۔



ان کا بیٹا یزید ان سے زیادہ خواہش پرست تھا۔ وہ غالباً ان سے بھی زیادہ بری نیت اور بد عقیدگی کا حامل تھا۔ جیسا کہ عبد اللہ بن حنظلہ نے بیان کیا ہے، جن کے والد عسیل الملائکہ (ملائکہ کے غسل دیے ہوئے) کہلاتے تھے، وہ کہتے ہیں: ہم یزید کے خلاف صرف اس وقت اٹھے جب ہم کو یہ ڈر ہوا کہ ہم پر آسمان سے پتھر پڑیں گے کیونکہ وہ ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا، شراب پیتا اور علانیہ نماز روزہ ترک کیے رہتا تھا۔ قسم بخدا! اگر ایک آدمی بھی میرا ساتھ نہ دے، تب بھی میں اس کے ساتھ شدید جنگ کروں گا۔

یہ تنقید کرنے والے امام حسینؑ کے اقدام کو اسی زاویہ نظر سے جانچتے ہیں جس میں کسی اقدام کے لیے خوب ساز و سامان اور مناسب حالات کا ہونا ضروری ہوتا ہے جس طرح وہ ان جنگی تحریکات کے بارے میں رائے قائم کرنے کے عادی ہیں جن میں تحریک چلانے والے فریق کو شکست ہوئی ہو اور مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہوئے ہوں، چنانچہ اس لحاظ سے ان لوگوں نے آپ کو بے سوچے سمجھے خطرے میں کود پڑنے والا قرار دے دیا اور کہا کہ آپ اس خاص معاملہ کے لیے ضروری انتظام کیے بغیر اس میں الجھ گئے، حالانکہ یہ لوگ غور سے دیکھتے اور گہرا مطالعہ کرتے تو وہ آپ کو اس سے مختلف پاتے اور ان کو معلوم ہو جاتا کہ آپ کے افعال کی بنیاد اس حقیقت پر تھی کہ آپ اسلام کے دفاع کے ذمہ دار اور رسالتِ نبیؐ کے فرزند تھے۔ چنانچہ ہر طرف سے لوگوں کی نظریں آپ پر لگی ہوئی تھیں اور تاریخ کے اس اہم موڑ پر اسلام کے مستقبل کو آپ کے موقف سے وابستہ کیے ہوئے تھیں۔

اگر امام حسینؑ کے اس اقدام پر تنقید کرنے والوں کے خیال کے مطابق آپ یزید کی بیعت کر لیتے، جیسے ابن عمر اور دوسرے کمزور ارادے کے افراد نے کی تو یزید کے لیے یہ بہت آسان ہو جاتا کہ وہ اپنی خلافت کو شرعی رنگ دیدے اور اپنی تمام بدکاریوں اور اسلام سوز افعال پر اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کر دے لیکن آپ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا اور اپنے اہل خاندان اور مٹھی بھر انصار کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، پھر اس خاص طرز سے جام شہادت نوش فرمایا اور اس طرح اپنے مخالفوں پر حجت تمام فرمادی کہ ان کے لیے آپ کو اور آپ کی اولاد و انصار کو قتل کرنے اور آپ کی عورتوں کو قیدی بنانے کا کوئی حواز باقی نہ رہا۔ اس طرح آپ نے معاویہ اور ان کے بعد ان کے بیٹے کی تمام تدبیروں کو تھس تھس



کر دیا۔ چنانچہ آپؐ کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں بے چینی پھیل گئی اور خاص طور پر اہل کوفہ میں شرم و ندامت کا احساس جاگ اٹھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے اپنی زبان، مال اور جان سے امام حسینؑ کا ساتھ نہیں دیا۔ پس جب ہم اپنے نبیؐ سے ملاقات کریں گے تو ہمارے پاس اس بے تکلفی کا کیا عذر ہوگا۔ چنانچہ تو ابین کی تحریک اٹھی، اسکے بعد مختار نے خروج کیا جس میں انہوں نے کربلا کے تمام شہر کا قلع قمع کر ڈالا۔ سیطرہ اہل حجاز اٹھ کھڑے ہوئے جن میں رسول اللہؐ کے باقی ماندہ صحابی بھی تھے۔ انہوں نے یزید کی اطاعت ترک کر دی اور امویوں کو ان کے ظلم و ستم کے باعث ذلیل کیا تو انہوں نے حسینؑ اور ان کے انصار اور عیال کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی امویوں کے خلاف مسلسل تحریکیں اور شورشیں ہوتی رہیں۔ چنانچہ ان میں امام حسینؑ کا خون کاٹ کے لحاظ سے سارے ہتھیاروں سے زیادہ شدید ثابت ہوا۔ اسی کے سہارے عباسی اور قاطمی خاندان برسرِ اقتدار آئے۔ پھر حکومت کا ہر خواہشمند اسی کو اپنا ذریعہ بنانے لگا۔ حتیٰ کہ علیؑ اور آل علیؑ کا ابن زبیر ایسا سخت دشمن بھی اپنی مصلحت کے لیے اسی کا سہارا لیتا رہا۔

میری رائے میں جس طرح امام حسینؑ کی شہادت نے اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کیا، بنی امیہ کے منصوبوں کو برباد کیا اور مسلمانوں کو بیدار کیا، اسی طرح اہل شام میں سے علیؑ کے دشمنوں اور اہل عراق میں سے ان کا ساتھ چھوڑ دینے والوں کو ذلت و رسوائی سے ہمکنار کیا۔ کیونکہ علیؑ کی جنگ اور حسنؑ کی صلح، دشمنوں کی ریشہ دوانیوں، ساتھیوں کی غداری اور معاویہ کے اپنے معروف طریقوں سے عوام کو گمراہ کرنے کے باعث بے نتیجہ قرار پاسکتی تھی، لیکن جب امام حسینؑ شہید ہو گئے اور بنی امیہ نے آپ کے سر اقدس اور آپ کے خاندان کی عورتوں کو شہر بہ شہر پھرایا تو بیشتر مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ علویوں اور امویوں کے مابین یہ پیکار انہی جنگوں کا شاخسانہ ہے جو محمد رسول اللہؐ اور ابوسفیان بن حرب میں ہوا کرتی تھیں۔

المختصر امام حسینؑ کا اقدام انتہائی دانشمندی سے تیار کیا ہوا ایک مضبوط منصوبہ تھا۔ اگر آپ مشورہ دینے والوں کے کہنے سے خانہ نشین ہو جاتے اور تسلیم خم کر دیتے تو گویا یزید کی حکومت کو شرعی رنگ عطا کر دیتے اور اگر یمن یا کسی دوسرے مقام کی طرف جا کر اپنے انصار اور حامیوں کو جمع کرتے تو آپ پر فتنہ برپا کرنے اور تفرقہ پردازی کا اتہام



عائد کر دیا جاتا، جس سے آپ کے نظریے کی حقیقت زائل ہو جاتی۔ چنانچہ آپ اسی عزم پر قائم رہے کہ اپنے ساتھ اپنے اہل خاندان اور اپنی عورتوں کو لے کر جائیں گے تاکہ دنیا دیکھ لیں کہ بنی امیہ آپ کے ساتھ کیسا مجرمانہ سلوک کرتے ہیں، جس کو نہ دین حق بجانب قرار دے سکتا ہے نہ ضمیر نہ انسانیت ہی اس کو قابل قبول مانے گی۔ اس طرح صحرا میں بہائے گئے آپ کے خون کی بدولت آپ کا نظریہ زائل نہیں ہو سکے گا، خواہ دیکھنے والا آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے مابین ہو نیوالے کسی اور معاملے پر نظر ڈالے یا نہ ڈالے۔

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی اپنی کتاب ”بطلہ کر بلا“ میں رقمطراز ہیں: ”حسینؑ کی بہن زینبؑ نے بنی امیہ اور ابن زیاد کے لیے فتح کا مزہ کرا کر دیا اور فتح مندوں کے پیالوں میں کڑواہٹ بھر دی۔ چنانچہ وہ تمام سیاسی واقعات جو اس کے بعد رونما ہوئے، جیسے امیر مختار اور ابن زبیر کی معرکہ آرائی، اموی حکومت کا زوال، عباسی حکومت کا قیام اور شیعہ جماعت کا استحکام۔ ان سب تحریکوں کو پیدا کرنے والی اور ابھارنے والی کر بلا کی شیر دل خاتون جناب زینبؑ کی انقلابی تقریریں ہی تھیں۔“

ڈاکٹر احمد محمود صبحی اپنی کتاب ”شیعہ اثنا عشریہ کا نظریہ امامت“ میں لکھتے ہیں: ”حالانکہ آپ کو جنگی پیکار میں بظاہر شکست ہوئی اور سیاسی میدان میں بھی نقصان پہنچا تاہم تاریخ کسی ایسی شکست سے واقف نہیں ہے کہ جس سے شکست خوردہ جماعت کے لیے ایسا نتیجہ برآمد ہوا ہو جیسا کہ خون حسینؑ کا۔ کیونکہ آپ ہی کی شہادت کی بازگشت سے ابن زبیر کی شورش اور امیر مختار کی تحریک پیدا ہوئی اور پھر یہ ٹھنڈی نہیں پڑی، یہاں تک کہ معاملہ کچھ اور شورشوں تک پہنچا اور اموی حکومت کو زوال آ گیا۔ مزید یہ کہ ”انتقام خون حسینؑ“ ایک نعرہ بن گیا جس سے شاہی تخت الٹے گئے اور حکومتیں ختم کی گئیں۔ چنانچہ عباسیوں اور پھر فاطمیوں کی حکومتیں اسی کے سہارے پر قائم ہوئیں۔ نیز عرب، فارس اور روم میں بادشاہ اور فرمانروا انتقام خون حسینؑ ہی کے نعرے کو اپنا کر پروان چڑھتے رہے۔“

ڈاکٹر صبحی مزید لکھتے ہیں: ”گو حسینؑ کو اپنی جان دینا پڑی، مگر وہ ان لوگوں کو دائمی رنج اور عبرت کے ایک ایسے عالم میں ڈال دینے میں کامیاب ہو گئے جنہوں نے آپ کے



والد بزرگوار کے ساتھ بے وفائی کی اور ان کے قتل کو کوئی اہمیت نہ دی۔ نیز آپ کے بھائی کے ساتھ غداری کی اور اس ذلت کی کوئی پروا نہ کی جس میں ان کو انہوں نے امویوں کے رحم و کرم پر چھوڑا تھا۔ اب خواہ کتنے ہی سال اور صدیاں بیت جائیں ان لوگوں کا یہ غم زائل نہ ہوگا اور کبھی تسکین حاصل نہ ہوگی۔

اسی طرح آپ امویوں کے خلاف غم و غصہ اور نفرت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے جبکہ وہ امام حسنؑ سے صلح ہو جانے کے بعد اپنی حکومت کو شرعی رنگ دے رہے تھے۔ اس کے بعد وہ مزید لکھتے ہیں: اس طرح حسینؑ مسلمانوں کے لیے ہر اس تحریک کے امام بن گئے جو ایسے بادشاہوں کو مٹانے کے لیے ابھرے، جو ناحق اپنی حکومت کو خلافت کا نام دیتے ہوں۔ اسی طرح عقیدے پر آپ کی شہادت کے اثر سے تشیع کے معنی حسینؑ ہو گئے کیونکہ ڈاکٹر صبحی کے بقول حسینؑ اپنے والد بزرگوار کے بعد شیعوں کے سب سے بڑے امام ہیں۔ اس لیے کہ عقیدے کے معاملے میں آپ کی شہادت نے وہ اثر چھوڑا ہے جو علیؑ کے بعد شیعوں کے اماموں میں سے کسی اور نے نہیں چھوڑا۔

امام حسینؑ کے اقدام کے نتائج اور دائمی اثرات کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: ایک جرمن مستشرق نے ان سب نکات کو معلوم کر لیا کیونکہ اس نے دوسرے مستشرقین کی طرح امام حسینؑ کے اقدام کو صرف جنگی زاویہ نظر سے دیکھ کر سطحی فیصلہ نہیں کیا۔ چنانچہ مستشرق ”مارینی“ نے امام حسینؑ کے اقدام کو ایک ایسا منصوبہ قرار دیا کہ جس کو آپ نے معینہ مقاصد کے لیے تیار فرمایا تھا اور آپ کو اس کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ گویا یزید کے خلاف آپ کی پیش قدمی ایک عظیم دل کا پختہ ارادہ تھا۔ ان کے لیے اطاعت کرنا بھی مشکل تھی اور فوری فتح حاصل ہونا بھی مشکل تھی۔ پس انھوں نے اپنے اہل خاندان اور چند دوستوں کو ساتھ لیکر اقدام کیا جس میں ان کو موت کے بعد کامیابی حاصل ہونا تھی۔ اس سے حکومت الہیہ کا وہ نظریہ زندہ ہوا جو اس قربانی کے بغیر زندہ نہ ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر صبحی کہتے ہیں: ان تمام امور کے بعد امام حسینؑ کے اقدام کو ایک ایسے شخص کا کاغذی قرار نہیں دیا جاسکتا جو کسی غلط مقصد کے لیے اٹھا ہوا اور جسے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا کہا جاسکے، کیونکہ آپ نے اپنے دشمن کے سامنے تمام دلائل پیش کر دیے تھے اور



ان کے لیے کوئی ایسا بہانہ نہیں چھوڑا تھا جس سے وہ آپ کو قتل کرنے میں حق بجانب ٹھہریں۔ اس لیے کہ آپ نے ان کے سامنے اپنی شرائط پیش کر دی تھیں۔ اس کے باوجود کہ آپ اور آپ کے سب ساتھی، آپ کی عورتیں اور بچے پیاس کی شدت برداشت کر رہے تھے۔ آپ نے اس وقت تک ان سے جنگ نہیں کی جب تک انہوں نے آپ کے لیے حجت پیش کرنے کے تمام دروازے بند نہیں کر دیے۔ پھر بھی آپ نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ان کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی، جس کے دوران آپ نے ان سے دریافت کیا کہ وہ کیوں آپ کے قتل کے ورپے تھے۔ جبکہ نہ آپ کے ذمہ ان کا کوئی خون تھا، نہ آپ نے ان کا کوئی مال چھینا تھا۔ نہ ان کو آپ کے بیٹی کی بیٹی کا بیٹا ہونے میں شک تھا۔ نیز آپ کے پاس ان لوگوں کے بھجے ہوئے خطوط سے بھرے ہوئے دوڑے تھیلے تھے جن میں آپ کو یہاں آنے کے لیے کہا گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے وہ سب خط ان لوگوں کے سامنے پھیلادیے۔

اس طرح امام حسینؑ کے یہ اقدامات ان کی اس سیاسی اور نظریاتی تحریک کے ان اسباب کو واضح کر دیتے ہیں جو آپ نے اس وقت بیان نہیں فرمائے تھے، جب مشورہ دینے والے آپ کو اس سے روک رہے تھے۔ علاوہ بریں یزید کے خلاف آپ کا اس وقت کا اقدام کسی تردد پر مبنی نہ تھا کیونکہ اس کی بیعت کرنا ایک عظیم گناہ تھا۔ یہ بیعت نہ نقیہ کے ماتحت برحق ہو سکتی تھی، نہ اس کے لیے کوئی اور عذر موجود تھا۔ چنانچہ آپ اپنے اس اقدام سے بنی امیہ کی حکومت کو تباہی کی راہ پر ڈال دینے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح آپ نے تاریخ کو اس رخ سے ہٹا دیا جس پر اس کو بنی امیہ چلانا چاہتے تھے۔

استیعاب ابن عبدالبر میں حسن بصری سے روایت ہے کہ امام حسینؑ کے ساتھ آپ کے اہل خاندان کے ایسے ایسے افراد قتل ہو گئے جن کی مثال آج بھی صفحہ ارض پر موجود نہیں ہے۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید میں ہے کہ ایک شخص جو کربلا میں عمر بن سعد کے ساتھ موجود تھا۔ اس سے کہا گیا: ”وائے ہو تم پر۔ کیا تم نے رسول اکرمؐ کی اولاد کو قتل کر ڈالا۔ اس پر اس نے کہا: اگر تم وہ منظر دیکھتے جو میں نے دیکھا تو تم بھی وہی کرتے جو میں نے کیا۔ جس گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا ان کا یہ حال تھا کہ ان کے ہاتھوں میں تلواروں کے قبضے تھے اور وہ خوشخوار شیروں کی مانند سواروں کو داہنے اور بائیں گراتے جا رہے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اس طرح



موت کے سامنے پیش کر رہے تھے جیسے ان کو نہ امان چاہیے نہ مال۔ گویا ان کے اور موت کے یا ملک پر قبضہ حاصل کرنے کے مابین کوئی رکاوٹ تھی ہی نہیں۔ ایسی حالت میں اگر ہم ان کے سامنے ذرا بھی نرمی دکھاتے تو وہ پورے لشکر پر حاوی ہو جاتے، پھر ہم ایسا کیوں نہ کرتے؟ ان میں سے بعض مورخوں نے نیز اصفہانی نے مقاتل الطالبيين حضرت علی اکبرؑ کے متعلق بیان کیا ہے کہ آپ عمر کے انیسویں یا دوسری روایت کے مطابق تیرھویں سال میں تھے۔ آپ کی والدہ معظمہ لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی تھیں اور کثیر التعداد روایتیں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ موجود تھیں اور انھوں نے اپنے بیٹے کی شہادت دیکھی۔ عبداللہ بن حسینؑ چھوٹے بچے تھے۔ امام حسینؑ نے ان کو اپنی بہن زینب سے لیا تاکہ اپنی حیات کے آخری لمحوں میں ان کو الوداع کہیں، اتنے میں ان کی گردن پر ایک تیر آگیا، جبکہ وہ اپنے والد بزرگوار کی گود میں تھے۔ بیشتر روایات میں ہے کہ امام حسینؑ ان کو خود خیمے سے باہر لے کر گئے تاکہ دشمنوں سے ان کے لیے پانی طلب کریں کیونکہ وہ پیاس کے مارے جاں بلب تھے۔ اس وقت حرمہ بن کاہل نے ان کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا جو ان کی گردن پر لگا اور وہ اسی وقت قضا کر گئے۔ ان کی ماں رباب بنت امراء القیس بن عدی تھیں۔

حمید بن مسلم جس نے کربلا کے بیشتر واقعات بیان کیے ہیں، اس سے روایت ہے کہ امام حسینؑ نے ایک چھوٹے بچے کو بلا کر اپنی گود میں بٹھالیا لیکن عقبہ بن بشیر نے اس کو ایک تیر کا نشانہ بنایا اور مار ڈالا۔ پس حسینؑ نے اس کا خون اپنے ہاتھوں میں لیکر آسمان کی طرف پھینکا اور فرمایا: اے اللہ! یہ تیرے نزدیک ناقہ صالحؑ سے کم نہیں ہے۔

ابن مہنا کی عمدۃ الطالب میں ہے کہ ابو الفضل العباس بن علیؑ جو سقا کے لقب سے مشہور ہیں، امام حسینؑ اور ان کے اہل و عیال کے لیے دریائے فرات سے پانی لایا کرتے تھے۔ لیکن آخری دنوں میں جب دشمنوں نے امام حسینؑ پر محاصرہ میں شدت کر دی تب حسب معمول وہ آخری مرتبہ پانی لینے گئے تو شہید ہو گئے، واپس نہیں آئے۔ اور وہیں دریا کے قریب دفن ہوئے۔ ان کی مادر گرامی ام البنین تھیں، ان کے تین سگے بھائی ان سے پہلے امام حسینؑ پر قربان ہوئے۔ عباسؑ بڑے خوش شکل اور خوب صورت تھے۔ مورخ بیان کرتے ہیں کہ وہ بلند



اور توانا گھوڑے پر سوار ہوتے، تب بھی ان کے پیر زمین کو لگتے جاتے تھے۔ ان کے المقاب قمر بنی ہاشم اور سقا تھے۔ باوجود اپنے صبر اور قوت قلب کے امام حسینؑ ان پر روئے اور فرمانے لگے: ”اب میری کمر ٹوٹ گئی“ شہادت کے وقت آپ کی عمر چونتیس سال تھی۔

عبداللہ بن علیؑ بن ابی طالب کی والدہ گرامی ام البنین تھیں۔ حضرت عباسؑ نے ان کو بلا کر کہا: چلو اور حسینؑ پر نثار ہو جاؤ تاکہ اللہ کے نزدیک تمہارا مرتبہ بلند ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے بڑھ کر بہادرانہ جنگ کی لیکن لوگوں نے ہجوم کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔ جعفر بن علیؑ بھی حضرت عباسؑ کے سگے بھائی تھے۔ یہ عنفوان شباب میں تھے۔ کربلا کے واقعات لکھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ بیس سال کے بھی نہ ہوئے تھے۔ وہ بھی بڑی بہادری کے ساتھ دشمنوں سے لڑے۔ ان پر بھی لوگوں نے ہجوم کر لیا اور وہ قتل ہو گئے۔ اسی طرح ان کے بعد ان کے بھائی عثمان بن علیؑ آگے بڑھے اور وہ بھی قتل ہو گئے۔ عباسؑ اور یہ تینوں بھائی فاطمہ بنت حزام سے تھے۔ انہی کی وجہ سے ان کی کنیت ام البنین ہو گئی تھی۔ راویوں کا کہنا ہے کہ بیٹوں کے قتل کے بعد وہ بقیع کی طرف نکل جایا کرتیں۔ تب ان کی حالت اور رونا دیکھ کر دشمن اور دوست سب ہی رونے لگتے تھے۔ وہ بہن کیا کرتی تھیں:

وائے ہو تم پر! اب مجھے ام البنین مت کہا کرو۔ اس طرح تم میرے بہادر شہروں کی یاد تازہ کر دیتے ہو۔ ہاں کبھی تھے میرے بیٹے، جن کی بدولت میں ام البنین کہلاتی تھی، لیکن ہائے اب میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

محمد الاخضر بن علیؑ بن ابی طالب جیسا کہ طبری کی روایت ہے ان کی والدہ گرامی اسماء بنت عمیس تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایک کنیز کی اولاد تھیں۔ ابو بکر بن علیؑ، ان کی ماں بیٹی بنت مسعود تھیں۔ مدائنی کا بیان ہے کہ وہ بھی مقتولین میں پائے گئے لیکن ان کا قاتل معلوم نہیں ہو سکا۔ ابو بکر بن حسنؑ کہ ابھی بلوغ کی عمر کو نہ پہنچے تھے۔ ارباب مقاتل کا کہنا ہے کہ انکو عقبہ قنوی نے قتل کیا۔ قاسم بن حسنؑ، یہ ابو بکر بن حسنؑ کے سگے بھائی تھے۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ ہمارے سامنے ایک لڑکا نمودار ہوا، جس کا چہرہ گویا چاند کا ٹکڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ وہ قمیص، پاجامہ اور جوتے پہنے ہوا تھا جن میں سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ بایاں ہی تھا۔ عمرو بن سعد بن نفیل از دی نے کہا: قسم بخدا میں اس کی طرف بڑھتا



ہوں۔ وہ اس وقت میرے قریب تھا۔ میں نے اس سے کہا: اس لڑکے کے لیے تو وہی لوگ کافی ہوں گے، تم دیکھتے ہو کہ وہ اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ وہ ابھی اپنا رخ بھی بدلنے نہ پایا تھا کہ اس کے سر پر تلوار کا وار ہوا، وہ منہ کے بل گر پڑا اور چلایا: اے چچا! قسم بخدا اس وقت حسینؑ آگ کی چنگاری کی طرح چمک کر نکلے اور شیر کی طرح عمرو پر تلوار سے حملہ کیا، لیکن عمرو نے اپنی کلائی سے اس کو روکا۔ پس انہوں نے اس کلائی کو کہنی سے الگ کر دیا۔ اب بنی سعد کے سواروں نے حملہ کر کے اس کو امام حسینؑ سے چھڑانا چاہا، لیکن اس طرح اپنے ہی سواروں نے اس کو کچل ڈالا اور وہ مر گیا۔ جب گرد ہٹتی تو معلوم ہوا کہ حسینؑ اس لڑکے کے سر کی طرف بیٹھے ہیں اور وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ حسینؑ کہتے جاتے ہیں: اے میرے بیٹے! اب جبکہ ان لوگوں نے تجھ کو قتل کر ڈالا۔ تیرے چچا پر یہ امر کتنا سخت ہے کہ تو پکارے اور وہ جواب نہ دے سکے اور اگر جواب دے بھی تو کچھ نہ سکے۔

انہی شہداء میں عبداللہ بن حسنؑ، عون بن عبداللہ بن جعفرؑ، محمد بن عبداللہ بن جعفر کے علاوہ عقیل کے تین بیٹے یعنی عبداللہ، جعفر اور عبدالرحمن بھی ہیں۔ ابن کثیر کی ہدایہ و نہایہ میں ہے کہ شہیدوں میں جعفر بن عقیل کے ایک صاحبزادے خالد بن جعفر بھی ہیں۔ اسی طرح امام حسینؑ کے ساتھ قتل ہونے والوں میں محمد بن ابی سعید بن عقیل، عبداللہ بن مسلم، محمد بن مسلم اور عبید اللہ بن جعفر بن ابی طالب بھی شامل ہیں۔ چنانچہ محمد بن فتح بدران اور فواد علی وفانے اپنی اپنی کتابوں ”غصن الرسولؐ“ اور ”حسینؑ بن علیؑ“ میں لکھا ہے کہ علوی شہیدوں کی تعداد اکیس تک پہنچتی ہے۔

جیسا کہ واقعہ کر بلا کے متعلق روایات بیان کرتی ہیں، امام حسینؑ کی اولاد میں سے امام زین العابدینؑ زندہ رہ گئے کیونکہ وہ ان دلوں بیمار تھے۔ البتہ قیدیوں کے کوفہ پہنچنے اور ابن زیاد کے سامنے حاضر کیے جانے کے وقت ابن زیاد نے چاہا تھا کہ آپ کو بھی قتل کر دے لیکن آپ کی پھوپھی جناب زینبؑ آپ سے پیٹ گئیں اور آپ پر اپنے آپ کو گرا کر کہنے لگیں: ”اگر تو ان کو قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھ کو ان سے پہلے قتل کر دے۔ چنانچہ ان کی وجہ سے اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپ اس وقت شادی شدہ تھے اور آپ کے ایک بیٹے (امام) محمد باقرؑ آپ کے ہمراہ تھے، جن کی عمر اس وقت دو سال یا اس سے کم و بیش تھی۔



الامامت والسیاست ابن قتیبہ میں امام محمد بن علی الباقریؑ سے روایت ہے کہ ہم بارہ لڑکے ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے تھے اور ہم صرف ایک ایک قمیص پہنے ہوئے تھے۔ جب ہم یزید بن معاویہ کے سامنے پہنچے تو وہ کہنے لگا: تم نے اپنے آپ کو اہل عراق کا غلام بنا لیا ہے۔ مجھ کو ابو عبد اللہ کے خروج کا کوئی علم نہ تھا، جب تک کہ وہ ہم پر چڑھ نہیں آئے اور نہ ان کے قتل کا علم تھا، جب تک کہ وہ قتل نہ ہو گئے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ اس طرح وہ خود امام حسینؑ کے قتل سے بری ہو جائے، حالانکہ اسی نے اس کا حکم دیا تھا اور اس کا سامان کیا تھا۔ وہ ایسی باتیں اس لیے کر رہا تھا کہ اب اس کو ہر طرف سے اپنے خلاف غم و غصے کا احساس ہو رہا تھا۔ نیز اس کو اور اس کے گھرانے کو ہر طرف سے خطروں نے گھیر لیا تھا۔ چنانچہ اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ اگرچہ مسلمانوں نے اُس کے اور اس کے باپ کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم و ستم برداشت کر لیے تھے لیکن اب وہ حسینؑ کا قتل اور ان کی عورتوں کا قید کیا جانا برداشت نہ کریں گے۔

شہادت امام حسینؑ کی شیعہ تعبیر  
ڈاکٹر احمد صبحی وغیرہ کی نظر سے

امام حسینؑ کی شہادت پر شیعہ نقطہ نظر پر  
ڈاکٹر صبحی وغیرہ کی رائے پیش کرنے سے پہلے  
میں چاہتا ہوں کہ امام حسینؑ کی شہادت کے

متعلق شیعہ عقیدہ بیان کر دوں۔ گو میں سچے صفحات میں اس بارے میں لکھ چکا ہوں تاکہ ان افترا پردازوں کے خیالات کی تردید ہو سکے جو اراداً یا بلا ارادہ شیعہ عقیدوں کی شکل کو ایسی حدیثوں کی بنا پر بگاڑنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جو بعض شیعہ کتب میں موجود ہیں، جبکہ خود شیعہ نہ ان حدیثوں پر عقیدہ رکھتے ہیں، نہ ان کو کسی شمار میں لاتے ہیں۔ ایسے موضوعات پر قلم اٹھانے والوں سے میری یہ تمنا رہتی ہے کہ وہ کامل مطالعہ اور تحقیق کرنے سے پہلے اپنے فیصلوں میں جلدی نہ کیا کریں تاکہ ان کے فیصلے ایسے ہلکے نہ ہوا کریں۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حسینؑ اپنے والد بزرگوار اور اپنے برادر عالی قدر کے بعد تیسرے امام ہیں، کیونکہ آپ کی اور آپ کے بھائی کی امامت پر آپ کے جد بزرگوار رسول اکرمؐ نے اس حدیث شریف میں صراحت فرمادی ہے جو سنی اور شیعہ دونوں گروہوں کے محدثین میں مشہور ہے اور اس کو سنی محدثین نے صحیح قرار دیا ہے، یعنی الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ



اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا پس حسنؑ اور حسینؑ دونوں امام ہیں۔ وہ کھڑے ہوں (جنگ کریں) یا بیٹھے ہوں (یعنی صلح کریں)۔ اس حدیث کے ماخذ کے بارے میں ہم زیر نظر کتاب کی ابتدائی فصلوں میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح ہم آپؑ کے آپ کے بھائی اور آپ کے والد بزرگوار کے متعلق آپ کے نانا رسول اکرمؐ کی وہ حدیثیں بھی بیان کر چکے ہیں جو معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں۔

مسلمان آپؑ کی زندگی میں آپؑ کو مقدس مانتے رہے، آپؑ کی تعظیم کرتے رہے اور ان کو آپؑ کی شخصیت میں آپؑ کے جد بزرگوار کا خا کہ نظر آتا رہا۔ اس لیے نہیں کہ آپؑ رسول اکرمؐ کے محبوب فرزند تھے بلکہ اس لیے کہ آپؑ اپنے نانا کی سیرت اور اسلام کی تعلیمات کا مجسمہ تھے، نیز آپؑ ہر لحاظ سے آنحضرتؐ کی سیرت اور سنت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ چنانچہ ہم پچھلی فصلوں میں آپؑ کی سیرت کے بیان میں ان میں سے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

جب حکومت امویوں کے ہاتھوں میں آگئی تو وہ ناجائز افعال کے ارتکاب اور اسلام کے اصول اور تعلیمات کی خلاف ورزیوں میں بہت بڑھ گئے۔ جب وہ نیک اور پارسا افراد پر شدید قسم کے ظلم و ستم ڈھانے لگے تو مسلمان امام حسینؑ سے طالب پناہ ہوئے، کیونکہ آپؑ نواسہ رسولؐ اور شریعت کے محافظ تھے۔ اس وقت آپؑ کے لیے ان سرکشوں کے خلاف اقدام کرنا ضروری ہو گیا، خواہ آپؑ کو اس کی کچھ بھی قیمت دینا پڑے۔ آپؑ نے یزید بن معاویہ کی حکومت سے ٹکر لینے کے لیے تمام امکانی صورتوں اور اسلام کے مفاد میں ان سے برآمد ہونے والے نتائج پر نظر ڈالی تو آپؑ نے اس سے زیادہ مناسب اور مفید کوئی صورت نہ پائی کہ آپؑ خود اپنی اور اپنے مٹھی بھرا ہل خاندان اور انصار کی جانوں کی قربانیاں پیش کریں اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قیدیوں کی حیثیت سے شہر بہ شہر تشہیر کے لیے پیش کریں۔ چنانچہ آپؑ اپنے ساتھ اپنے بیٹوں، بھائیوں، چچا زاد بھائیوں اور اصحاب کو لے کر چل کھڑے ہوئے، کیونکہ آپؑ پر اپنی ذمہ داریاں پوری طرح عیاں تھیں اور آپؑ کو اپنی راہ عمل پر پورا اعتماد تھا۔ چنانچہ نہ آپؑ اس اقدام سے باز رہنے کا مشورہ دینے والوں کے مشوروں کی پروا کرتے تھے، نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتے تھے بلکہ آپؑ بہادرانہ شان سے زندہ رہے اور بہادرانہ روش ہی کے ساتھ مرے۔ اس طرح آپؑ ہر اس شخص کے لیے



ایک پاکیزہ نمونہ عمل، بہترین نمونہ حیات اور بہادری کی اعلیٰ مثال بن گئے جو نیزوں کے سائے میں حاصل ہونے والی موت کو خود سر ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر ترجیح دیتا ہے۔ آپ اس راہ پر گامزن رہے جو آپ کے لیے ایک فریضے کے طور پر معین تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے میں ان ظالموں کیساتھ زندہ رہنے کو بد بختی اور موت سے ہمکنار ہونے کو سعادت سمجھتا ہوں۔ تاریخ کسی ایسی جنگ کے ذکر سے خالی ہے جس میں ہارنے والے کے لیے ایسے مفید نتائج نمودار ہوئے ہوں جیسے امویوں کے ساتھ آپ کی جنگ سے برآمد ہوئے۔ آپ کی شہادت کے بعد جو بھی سیاسی تحریک ابھری اس نے آپ ہی کے اصول، عزم اور کامیابی سے تقویت حاصل کی۔

کتنی بار فتح سے شکست کی خرابیاں پھوٹ پڑتی ہیں اور ظالموں کے مکانات کھنڈر بن کر رہ جاتے ہیں۔

یہ ہے وہ زاویہ نگاہ جس سے شیعہ امام حسینؑ کی شہادت کو دیکھتے ہیں۔ وہ ہر سال آپ کے ذکر کے لیے اجتماع منعقد کرتے ہیں اور اکثر اوقات وہ یہی خواہش کرتے ہیں کہ اس کو کا شعلہ نہ بجھے نہ چھپے بلکہ مسلسل روشن رہے تاکہ آنے والی نسلیں ظلم و سرکشی کے خلاف ہر زمانے اور ہر مقام پر اٹھنے والی تحریکوں میں اس سے ہمت و جرات حاصل کرتی رہیں۔

ائمہ اہلبیتؑ اس ذکر کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے خواہشمند رہے۔ چنانچہ انھوں نے اس کو باقی رکھنے اور پھیلانے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ اسلام کے عظیم مقاصد اور اعلیٰ مطمح نظر سے علیحدہ نہیں ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے عاشورہ محرم کے روز اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے فرمایا: کیا تم لوگ اس بات کو یاد کرتے ہو کہ میرے دادا حسینؑ پر کیا گزری؟ قسم بخدا ان کو اس طرح ذبح کیا گیا جیسے مینڈھے کو ذبح کیا جاتا ہے۔ پھر ان کے ساتھ ان کے سترہ ایسے بیٹے، بھائی اور رشتے دار بھی مارے گئے جن کا مثل صفحہ ارض پر نہ تھا۔

بافہم شیعہ جانتے ہیں کہ اس سے امامؑ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ لوگوں کے جذبات اور احساس غم کو ابھار کر ان کو رونے پر آمادہ کریں، بلکہ آپ چاہتے تھے کہ ان دلدوز واقعات کو بار بار یاد دلا کر ان کے ذہنوں میں حق کی عظمت نقش کر دیں جس کے لیے اور جس کی راہ میں حسینؑ ہر چیز کو بیچ قرار دیتے ہوئے شہید ہو گئے اور اپنی ہر شے یعنی مال، اولاد اور خود



اپنی جان تک اس پر قربان کر دی۔

امام حسینؑ ان کے اہل خاندان اور اولاد پر جو کچھ گزرا تھا اس کو امام رضاؑ نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے سامنے بیان کرتے ہوئے اور ان کے ذہنوں میں کربلا کے واقعات کی یاد تازہ کرتے ہوئے فرمایا: جب کبھی تم ان کا ذکر کیا کرو تو کہا کرو: **يَا لَيْتَنَا كُنَّا مَعَكُمْ فَفَوْزَ فَوْزًا عَظِيمًا**۔ یعنی ”کاش! ہم بھی آپ کے ساتھ ہوتے اور عظیم کامیابی پر فائز ہوتے“ آپ چاہتے تھے کہ آپ کے اصحاب آپ کے شیعہ اور عام مسلمان اپنی روحوں اور اپنے عزائم کے لحاظ سے امام حسینؑ، نیز ان افراد کے ساتھ رہیں جو ہر زمانے میں اور ہر مقام پر انسان کی بھلائی کے لیے کوشاں رہتے ہیں، کیونکہ امام حسینؑ ظلم کے خلاف اقدام کر کے اسلام کے ان پہلوؤں کا مظہر بن گئے ہیں۔

امام رضاؑ اپنے اصحاب اور شیعوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں: ہر زمانہ میں نیرید جیسے ظالم اور بنی امیہ ایسے جابر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ پس تم لوگ اسی طرح ظالموں اور جابروں کے خلاف رہو جس طرح حسینؑ اپنے زمانے میں نیرید اور اس کے ساتھیوں کے مخالف رہے ائمہ کرام کے موقف کی ایسی بہت ساری مثالیں ہیں۔ وہ یہ کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں کو ظالموں کے خلاف نفرت سے بھر دیں اور حق انسان کی عزت اور آزادی کی راہ میں ہر دوسری چیز کو بے وقعت قرار دیدیں۔ آج کل کے شیعہ عوام امام حسینؑ کے اقدام کے اعراض کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور انہوں نے ان مجالس میں جو امام حسینؑ کے لیے ہر سال جگہ جگہ منعقد کی جاتی ہیں اس کے صحیح مقاصد سے ہٹ کر کچھ غیر مفید چیزیں داخل کر لی ہیں لیکن حسینؑ ان کی شہادت اور اس کے اثرات کے بارے میں شیعوں کی رائے اور عقیدے سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ڈاکٹر احمد محمود صبحی نے اپنی کتاب ”شیعہ اثنا عشریہ کا نظریہ امامت“ میں شیعوں اور ان کے اماموں کے بارے میں لکھا ہے اور کتاب کے بعض حصوں میں ایک ایسے مطالعہ کرنے والے کی طرح نظر ڈالی ہے جو حقیقت کی تلاش میں ہو۔ انہوں نے واقعات کو مجرد کر کے مناسب اہمیت دی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہم ان کو اور ہر ایسے لکھنے والے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، خواہ وہ کسی رنگ یا نسل کا فرد ہو لیکن کتاب کے بعض دوسرے



حصوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں انہوں نے اس نظر اور اس جذبے سے کام نہیں لیا جس سے انہوں نے دوسری فضلیں لکھی ہیں۔ ہم قاری کے لیے اس طرح کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۳۴۴ پر شہادت حسینؑ کی شیعہ تفسیر کے تحت لکھا ہے:

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کی وفات پر رنج و غم کا اظہار فرمایا اور آپؐ کی قبر پر روتے ہوئے فرمایا: اے ابراہیمؑ تم پر آنکھ آنسو بہا رہی ہے، دل شکستہ ہو رہا ہے اور میں رنج میں ڈوبا ہوا ہوں۔ تب اللہ نے آنحضرتؐ کو ان کی وفات کے سبب سے آگاہ کیا۔ چنانچہ جبریلؑ نے حاضر ہو کر کہا: اللہ آپؐ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: آپؐ چاہیں تو ابراہیمؑ کی زندگی لے لیجیے، اللہ ان کو دوبارہ زندگی عطا کر کے آپؐ کے بعد نبوت پر سرفراز کر دے گا۔ اس کے بعد آپؐ کی امت ان کو قتل کر دیگی اور اللہ امت کو جہنم میں ڈال دیگا، یا ان کی موت قائم رہے اور آپؐ کے لیے حسینؑ زندہ رہیں۔ اللہ ان کو امام قرار دے گا۔ پھر آپؐ کی نصف امت ان کو قتل کر دے گی، جن میں ان کے قاتل ہوں گے قاتلوں کے مددگار ہوں گے، ان کا ساتھ چھوڑ دینے والے ہوں گے اور وہ لوگ ہونگے جو ان کے قتل پر راضی رہیں گے۔ اللہ ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا۔ پس آنحضرتؐ نے اپنی امت کے لیے دونوں نقصان دہ صورتوں میں سے کم نقصان کی صورت کو پسند فرمایا اور امام حسینؑ کے قتل کیے جانے پر راضی ہو گئے۔ اس پر انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ: حسینؑ کی شہادت کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ اس عقیدے سے بہت ملتا ہے جو مسیحؑ کے بارے میں عیسائیوں کا ہے۔ یعنی یہ کہ حسینؑ نے اس لیے اپنی جان کی قربانی پیش کی کہ گنہگار شیعوں کی بخشش کا باعث بن جائیں جیسا کہ عیسائی مسیحؑ کے بارے میں کہتے ہیں۔ یہ عبارت انھوں نے مستشرق رونا لڈ کی کتاب عقیدۃ الشیعہ سے نقل کی ہے۔

وہ مزید کہتے ہیں: شیعہ اس مشابہت کو چھپاتے نہیں ہیں جس سے شیعیت اور مسیحیت



میں یہ نظریہ نجات ابھرا ہے، کیونکہ وہ مسیحؑ اور حسینؑ میں تشابہ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں: کبھی کوئی بچہ چھ ماہ کے حمل سے پیدا نہیں ہوا سوائے عیسیٰ بن مریمؑ اور حسینؑ کے۔

ڈاکٹر صاحبی آگے چل کر کہتے ہیں: بعض ہندوستانی شیعہ معاصر بیان کرتے ہیں کہ وجود کا اصلی باعث حسینؑ ہی ہیں۔ وہ علت و معلول کے مابین جوہری رابطہ اور اللہ اور انسان کے درمیان ایک سنہری کڑی ہیں۔ وہ اپنے اس قول کو ان جملوں پر ختم کرتے ہیں: ایک ہندوستانی شیعہ مصنف نے حسینؑ کو الہی صفات سے منصف کیا ہے، جس کی نظیر ہم کو مسیحؑ کے متعلق عیسائیوں کے عقیدے میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی باتیں ہیں جو ان کی کتاب میں ملتی ہیں کہ شہادت حسینؑ کے بارے میں شیعہ عقائد میں ان باتوں کی نہ کوئی جڑ ہے نہ بنیاد۔ اسی طرح ابراہیمؑ کی حیات و موت کے متعلق رسول اکرمؐ اور جبریلؑ کے درمیان انہوں نے جو گفتگو نقل کی ہے، صحیح شیعہ روایتوں میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور کوئی شیعہ اس کو نہیں مانتا۔ شیعوں، ان کے علماء اور ائمہ کرامؑ کے نزدیک شہادت حسینؑ کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے بارہا آپ کی سیرت کے ذیل میں بیان کی ہے، جو کردار کے اعلیٰ نمونوں، قربانیوں، آداب و اخلاق اور ہر اس صفت سے بھری ہوئی ہے جو دنیا و آخرت میں انسان کو رفعت بخشی ہے۔

**شیعہ اور محرم کا پہلا عشرہ** | ماہ محرم کی دسویں کو امام حسینؑ کے شہید ہو جانے کے وقت سے اس ماہ کے ابتدائی ایام میں سالانہ ماتم

اور رنج و غم منایا جاتا ہے۔ شیعوں کے امام بھی اس بات کے خواہشمند رہے ہیں کہ یہ المیہ اپنے بلند مقاصد کے ساتھ ایک مثال کے طور پر لوگوں کے ذہنوں میں موجود رہے۔ شیعہ روایات بتاتی ہیں کہ امام زین العابدینؑ المیہؑ کو بار بار دہراتے تھے اور مولیوں نے آپ کے والد بزرگوار کے ساتھ جو ظلم و جور کیا تھا، اس کو یاد کر کے گریہ فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ اینکہ ”یگام“ (بہت رونے والا) آپ کا ایک لقب قرار پا گیا۔ یہی حال دوسرے اماموں کا تھا۔ چنانچہ شیعوں نے ماہ محرم کے ان دنوں کو امام حسینؑ پر رونے اور نوحہ کرنے کے دن قرار دے لیا، جن میں وہ خاص مقامات پر جمع ہو کر آپ کی اور آپ کے اہل خاندان کی



مرگ و شہادت اور قید و بند کے مصائب بیان کر کے ان پر جی بھر کے روتے رلاتے ہیں۔ نیز ان میں سے بہت سے افراد ہر سال آپ کی قبر مطہر کی زیارت کے لیے بھی جاتے ہیں۔ چنانچہ اقتدار میں آنے والی حکومتوں نے بھی اس معاملے میں کسی کو نہیں روکا۔ البتہ جب متوکل عباسی خلیفہ بنا، جو علویوں سے اپنی شدید دشمنی میں مشہور تھا تو اس نے امام حسینؑ کی قبر مسمار کرادی اور لوگوں کو اس کی زیارت کرنے سے روک دیا۔ اس نے آپ کا ماتم کرنے اور آپ کی زیارت کے لیے جانے پر جائیداد کی ضبطی اور موت کی سزا مقرر کر دی۔

تاریخ ابن کثیر میں ۳۲۰ھ کے حالات میں آیا ہے کہ متوکل عباسی، امام علیؑ اور آپ کے اہل خاندان سے سخت بغض رکھتا تھا، یہاں تک کہ جس کسی کے متعلق اس کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ علیؑ اور حسینؑ سے محبت رکھتا ہے، وہ اس کے مال کی ضبطی اور اس کے قتل کا ارادہ کر لیتا تھا۔ مزید یہ کہ اس نے اپنے مصر کے گورنر کو حکم بھیجا کہ آل ابوطالب کو مصر سے نکال کر عراق بھیج دے، کیونکہ یہ لوگ مصر میں علیؑ سے محبت کا اظہار کیا کرتے تھے اور حسینؑ پر کربلا میں جو کچھ گزرا تھا اس کو بیان کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ مصر کے گورنر اسحق بن یحییٰ نے رجب ۳۲۰ھ میں ان لوگوں کو وہاں سے نکال دیا اور جو کوئی اہل بیتؑ کا ہم خیال تھا وہ روپوش ہو گیا۔ اس کے عہد میں خود اس کے اور اس کے صوبائی اور ضلعی حاکموں کے تعصب کی بدولت شیعہوں اور علویوں پر سخت ظلم و ستم ہوتا رہا۔ جس میں وہ لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابن اثیر وغیرہ نے کہا ہے، متوکل کی موت اور اس کے بیٹے مستنصر کے خلیفہ بن جانے پر وہ سختیاں کچھ کم ہو گئیں جن کے باعث یہ لوگ تباہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ ۳۲۸ھ کے حالات میں لکھتا ہے کہ مستنصر نے مزارات علیؑ و حسینؑ کی زیارت کی اجازت دیدی، علویوں کو امان دی، ان کی جائیدادیں و انذار کر دیں اور فدک ان کو واپس دیدیا۔ اس نے سب سے پہلے یہ کیا کہ مدینہ سے صالح بن علی کو معزول کیا، جو ان لوگوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھاتا رہا تھا۔ پھر اس کی جگہ پر علی بن حسن بن اسمعیل بن عباس بن محمد کو مقرر کیا۔ جب وہ مدینہ جانے کے لیے رخصت ہونے کو آیا تو اس نے اس سے کہا: اے علی! میں تم کو اپنے گوشت، پوست، خون اور دست و بازو کی طرف بھیج رہا ہوں۔ پس خیال رکھنا کہ تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو اور ان کے ساتھ میری طرف سے کس طرح پیش آتے ہو۔



شیعوں نے اپنا یہ مستقل وطیرہ بنا لیا کہ ان کو جب بھی موقع ملتا وہ شیعیت کے تمام مظاہر کے ساتھ غم حسینؑ کیلئے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ خواہ وہ کوئی ایسا علاقہ ہو جہاں ان کا غلبہ ہو، جیسے عراق اور فاطمین کے زیر حکومت افریقہ یا وہ علاقہ ہو جہاں وہ دوسروں کے مقابلے میں اقلیت میں ہوں۔ مصر میں کافورانشیدی کے دور میں بھی ان کا یہی طریقہ تھا جو بعض مورخین کے نزدیک شیعوں سے سخت تعصب رکھتا تھا۔ تاہم اس کے عہد میں بھی یہ لوگ دوسروں کے مقابلے میں کم تعداد میں ہونے کے باوجود اپنے طریقوں پر جمے رہے۔ چنانچہ وہ ان کے افعال سے چشم پوشی کرنے پر مجبور تھا جو وہ اہل بیتؑ کے مصائب پر رنج و غم کے اظہار کے لیے کرتے تھے۔

مصر میں سختیاں صرف اسی وقت ختم ہوئیں جب وہاں فاطمیوں کا تسلط ہوا اور المعز لدین اللہ وہاں کا فرمانروا ہوا۔ اب تو دوسروں نے بھی اس کے لیے مناسب فضا پیدا کر دی اور یہ ذکر زندہ رکھنے میں شریک ہو کر فراخ دلی سے اس میں مال و دولت خرچ کرنے لگے۔ چنانچہ اس کے عہد میں شیعوں کو بڑا عروج حاصل ہو گیا۔

مقریزی اپنی کتاب خطط میں کہتا ہے: فاطمین یوم عاشورہ پر اونٹ اور گائیں ذبح کرتے اور خوب نوحہ و بکا کرتے تھے۔ ان کا یہ دستور ان کی سلطنت کے ختم ہونے تک قائم رہا۔ اس پر انھوں نے المعز لدین اللہ کی سیرت کے ذیل میں ابن زولاق کی اس روایت کا اضافہ کیا ہے کہ ۳۶۳ھ کے یوم عاشورہ پر کچھ شیعہ جن کے ہمراہ اپنے لوگوں کے علاوہ افریقی سوار بھی تھے، وہ ام کلثوم اور نفیسہ کی قبروں پر گئے تاکہ سب مل کر حسینؑ پر گریہ کریں۔ تب ان لوگوں نے شدت جذبات میں وہاں پانی پلانے والوں کے برتن توڑ ڈالے۔ ۳۹۶ھ میں حسب معمول یہ حکم جاری ہوا کہ بازار بند کر دیے جائیں اور ذاکرین جامع قاہرہ میں جا کر وہاں نوحہ و بکا کرنے کے لیے جمع ہوں۔ اس کے بعد مقریزی فاطمین کی وہ کیفیت بیان کرتا ہے جو احرار کو حکومت اور قوم کی طرف سے رنج و غم کے مظاہروں میں ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ لکھتا ہے: جب محرم کی دسویں تاریخ ہوتی تو خلیفہ عوام سے روکش ہو جاتا۔ جب دن چڑھ آتا تو قاضی القضاۃ اور دوسرے ارکان حکومت غم انگیز ہیت میں سوار ہو کر نکلتے، امام حسینؑ کے روضہ پر جا کر بیٹھ جاتے اور اہل بیتؑ کے غم میں مرثیہ پڑھتے۔ یہ عمل



تین گھنٹے تک جاری رہتا۔ پھر خلیفہ ان کو اپنے قصر میں بلا لیتا۔ جب قاضی القضاۃ، خطیب اور ساتھ والے لوگ باب الذہب پر پہنچتے تو وہاں ان کو دہلیزوں کے آگے چٹائیاں بھی ہوئی ملتی۔ چنانچہ قاضی، ان کے پہلو میں خطیب اور دیگر ہر طبقے کے افراد ان چٹائیوں پر بیٹھ جاتے۔ پہلے قرآن پڑھا جاتا پھر ذاکرین مصائب پڑھتے۔ اس کے بعد سب لوگ دسترخوان کی طرف بڑھتے، جس پر پیڑ، دودھ، شہد وغیرہ چنے ہوتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر نوہ خواں وہاں سے چلے جاتے اور نوہ خوانی کرتے ہوئے قاہرہ میں چکر لگاتے۔ اس روز دکاندار اپنی دکانوں کو بالکل بند رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ مقریزی نے ان تمام مظاہر کا ذکر کیا ہے۔ جس پر فاطمی حکومت اپنے قیام کے زمانے میں عمل پیرا رہی۔

جب ابوہیوں کا دور آیا تو انھوں نے ان تمام طریقوں کو بلیٹ کر رکھ دیا۔ اب سویں محرم کو خوشی اور مسرت کا دن قرار دیا گیا۔ جس میں لوگ رنگا رنگ کپڑوں، اچھے اچھے کھانوں، لذیذ مٹھائیوں اور سسے سسے برتنوں کا استعمال کر کے خوشی مناتے تھے تاکہ شیعوں کی مخالفت اور توہین کریں، جیسا کہ مقریزی نے خطط میں لکھا ہے۔

بنی بویہ کے عہد میں شیعہ عوام اور حکام عراق میں اسی طرح عمل کرنے لگے جیسے مصر میں فاطمیین کے دور میں تھا۔ چنانچہ تاریخ ابو الفداء میں ۳۵۲ھ کے حالات میں آیا ہے کہ محرم کے دسویں روز معز الدولہ بازار بند کروا دینا اور پھر یہ حکم دیتا تھا کہ حسینؑ کے غم میں مرد نوچے پڑھتے ہوئے اور عورتیں بال بکھراتے، لباس چاک کیے اور منہ پر تھپڑ مارتی ہوئی نکلیں۔

بدایہ و نہایہ میں ابن کثیر نے بھی حکومت بنی بویہ کے حالات میں یہ ذکر کرتے ہوئے اس کی تائید ہے کہ وہ بغداد میں ہر سال دسویں محرم اور اس سے پہلے کے دنوں میں یہ عمل کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ راویوں نے رنج و غم کے اور بھی مظاہر بیان کیے ہیں جو شیعہ حاکم اور عوام اختیار کیا کرتے تھے۔ ادھر سنی فرمانروا اور عوام اس کے مقابلے میں شیعوں اور ان کے طریقوں کی مخالفت میں خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے تھے۔ ہم اللہ سبحانہ سے توفیق چاہتے ہیں کہ وہ ہم کو قول میں پختگی اور عمل میں خلوص عطا کرے۔ نیز یہ توفیق بھی چاہتے ہیں کہ ہم حسینؑ کے اس مثالی اقدام سے مظلوم اور ستائے ہوئے لوگوں کی مدد کرنے کی راہ میں بانی دینے کا طریقہ سیکھ لیں۔



# امام زین العابدینؑ

آپ محدثین میں ابن خیرتین (دو بہترین شخصیتوں کے فرزند) مشہور ہیں، کیونکہ آپ کے والد بزرگوار امام حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ ایران کے بادشاہ یزدجرد کی صاحبزادی ہیں۔ ربیع الا برار زرخشتری میں ہے کہ اللہ کے بندوں میں دو منتخب گروہ ہیں۔ عرب میں بنی ہاشم اور غیر عرب میں سے ایرانی۔ آپ کے متعلق ابوالاسود دو سلی کہتا ہے :

کسریٰ اور ہاشم کے خاندانوں کے اشتراک سے پیدا ہونے والا بچہ تمام ہستیوں میں سب سے زیادہ صاحب شرف ہے۔

راویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی والدہ ایران کے با شرف افراد میں سے تھیں۔ البتہ ان کے نام امام حسینؑ سے تزویج اور ایران پر مسلمانوں کے تسلط کے وقت کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بحار الانوار میں جعفر بن بابویہ سے روایت ہے کہ ان کا نام شہربانو بنت یزدجرد بن شہریار ہے، لیکن الکامل ابن اثیر میں ان کا نام سلافہ و خولہ وبرة بتایا گیا ہے۔

کافی میں امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب یزدجرد کی بیٹی عمر بن خطاب کے سامنے آئیں تو اپنا چہرہ ڈھانپ کر فارسی زبان میں بولیں، جس کا مفہوم یہ



تھا کہ: ہر مزر کے دن کیسے تاریک ہو گئے۔ دنیا اس کے لیے کیسی بری ہو گئی اور زمانہ کیسا اس کے خلاف ہو گیا کہ اس کی اولاد ایک ایسے معمولی شخص کے حکم سے قیدی بنالی گئی ہے۔ جب وہ بول رہی تھیں تو عمر یہ سمجھے کہ وہ اس کو برا کہہ رہی ہیں۔ اس پر امیر المومنین علیؑ نے ان کا اصل مطلب واضح فرما دیا۔

شیخ مفید کی روایت میں کہا گیا ہے کہ عمر بن خطاب نے ان کو بیچ ڈالنا چاہا لیکن امیر المومنین علیؑ نے ان سے کہا کہ بادشاہوں کی بیٹیاں کبھی بیچی نہیں جاتیں خواہ وہ کافر ہوں۔ بلکہ ان کو پیشکش کریں کہ یہ کسی شخص کو اپنے لیے پسند کریں۔ پس جس کو یہ پسند کریں اسی سے ان کی تزویج کر دیں۔ پھر اس عطاء کو اس شخص کو دی جانے والی روزینہ کی رقم میں محسوب کریں۔ چنانچہ ان کو یہ اختیار دیا گیا تو انھوں نے اپنے لیے امام حسینؑ کا انتخاب کیا اور ان کی تزویج انہی سے ہو گئی۔ امیر المومنین علیؑ نے امام حسینؑ کو ہدایت فرمائی کہ ان کو ہر طرح کے تحفظ کا یقین دلائیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ نیز راوی کے بقول ان سے یہ بھی فرمایا: اے حسینؑ! اس سے تمہارے یہاں دنیا بھر میں بہترین بیٹا پیدا ہو گا۔ چنانچہ ان سے امام علی زین العابدینؑ پیدا ہوئے۔ امام حسینؑ ان سے فرمایا کرتے تھے: تم دو بہترین شخصیتوں کے بیٹے ہو۔ عربوں میں پسندیدہ قریش اور قریش میں بنی ہاشم ہیں اور غیر عرب میں اہل فارس!

اس روایت کی تائید احمد بن علی بن مہنا نے اپنی کتاب ”عمدة الطالب فی مناقب آل ابی طالبؑ“ میں کی ہے اور اس پر یہ اضافہ کیا ہے: یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ علی بن ابی طالبؑ کی خلافت کے زمانے میں قید ہو کر آئیں۔ جبکہ حارث بن جابر حنفی نے یزدجرد کی دو بیٹیاں آپ کے پاس بھیجیں۔ پس آپ نے ان دونوں میں سے ایک اپنے بیٹے حسینؑ کو عطا کر دی اور ان سے امام علی بن الحسینؑ پیدا ہوئے۔ دوسری محمد بن ابوبکر کو عنایت کی اور ان سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے جو تابعین کے زمانہ میں مشہور فقیہ گزرے ہیں۔ اس روایت کی تائید ابن کلبی نے بھی کی ہے جس سے علی جلال الدین حسینی نے اس کو اپنی کتاب ”حسینؑ بن علیؑ“ میں نقل کیا ہے۔ اول الذکر روایت کی تائید شبلنجی نے نور الابصار میں اور زرخشری نے ربیع الاربار میں کی ہے۔ یزدردوں نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ جب عمر بن خطاب کے پاس فارس



کے قیدی لائے گئے تو ان میں یزدجرد کی تین بیٹیاں تھیں۔ انھوں نے ان قیدیوں کو فروخت کر دیا لیکن جب وہ یزدجرد کی بیٹیوں کو پہچنے لگے تو امیر المومنینؑ نے ان سے کہا: بادشاہوں کی بیٹیوں کے ساتھ اوروں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کی قیمت لگوائی جائے اور مسلمانوں میں سے جو بھی ان کو پسند کرے، وہ معینہ قیمت ادا کر دے۔ چنانچہ جو لوگ وہاں موجود تھے انھوں نے ان کی قیمت لگا دی، تب امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب نے ان کو بیکران میں سے ایک حسینؑ کو عطا کر دی، جن سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے۔ ایک عبداللہ بن عمر کو دیدی جن سے سالم بن عبداللہ پیدا ہوئے اور ایک محمد بن ابوبکر کو دی، جن سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے۔ چنانچہ یہ تینوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے۔

ابن بابویہ کی روایت میں ہے کہ عثمان بن عفان کی خلافت کے زمانے میں جب عبداللہ بن عامر نے خراسان کو فتح کیا تو وہاں سے کسریٰ کی دو بیٹیاں عثمان کے پاس بھیج دیں۔ پس انہوں نے ایک حسنؑ کو اور ایک حسینؑ کو دیدی۔ بعد میں وہ دونوں حالت زحکی میں وفات پا گئیں۔ اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام رضاؑ سے روایت کیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے محمد بن سہیل بن قاسم نو شجانی سے فرمایا: ہمارے اور تمہارے درمیان ایک رشتہ قائم ہے۔ انھوں نے دریافت کیا وہ کیا ہے؟ امام نے فرمایا: عبداللہ بن عامر بن کرز کو یزدجرد بن شہریار کی دو بیٹیاں ملیں۔ اس نے ان کو عثمان کے پاس بھجوا دیا۔ انھوں نے ان میں سے ایک حسنؑ کو اور دوسری حسینؑ کو دیدی۔ وہ دونوں حالت زحکی میں وفات پا گئیں۔ امام حسینؑ کی بیوی علیؑ بن حسینؑ کی ولادت کے وقت فوت ہوئیں۔

ان تینوں روایات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ راویوں اور مؤرخوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام سجادؑ کی والدہ فارس کے بادشاہ کی بیٹی تھیں اور وہ امام حسینؑ کو ملیں۔ نیز ان کی ایک یادوہنیں بھی ان کے ساتھ جنگی قیدی بنی تھیں۔ البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا وہ عمر بن خطابؓ عثمان بن عفان یا امیر المومنین علیؑ کے عہد میں بلاد مشرق میں آپ کے عامل حارث بن جابر حمفی کے ذریعے قید ہو کر آئیں۔ آخری دو روایتیں اس لیے قابل ترجیح ہیں کہ امام زین العابدینؑ اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے وقت اکیس یا پچیس سال کے تھے۔ جبکہ عمر بن خطابؓ کی وفات اور واقعہ کربلا کے درمیان



تقریباً چالیس سال یا اس سے قدرے کم و بیش مدت حامل تھی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ امام سجادؑ کی والدہ نے آپ کی ولادت کے چند ہی دن کے بعد وفات پائی تھی۔ انہی دنوں محمد بن ابی بکر مصر میں قتل ہو گئے۔ تب امام حسینؑ نے انکی بیوہ یعنی امام سجادؑ کی والدہ کی بہن سے تزویج فرمائی تھی۔ اس طرح وہی آپ کی تربیت کی نگران ہوئیں۔ بعض راویوں کا کہنا ہے کہ وہ امام حسینؑ کے ساتھ رہیں اور محرکہ کر بلا میں موجود تھیں۔ انہوں نے امام حسینؑ کی شہادت پر شدت غم کے باعث خود کو دریائے فرات میں ڈبو دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی روایتیں ہیں۔ البتہ ہم اس معاملے میں تحقیق کرنا نہیں چاہتے۔ راویوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اہل مدینہ میں سے کوئی کنیزوں سے تزویج کرنا پسند نہ کرتا تھا، تاہم امام علیؑ بن الحسینؑ پیدا ہوئے تب لوگ کنیزوں سے شادیاں کرنے لگے۔

بہر حال بیشتر راویوں کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت شعبان ۳۰ یا ۳۱ ہجری میں ہوئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نیمہ ماہ جمادی الثانی میں ہوئی۔ اس بنا پر جب آپ اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے، اس وقت آپ کی عمر ۲۲ یا ۲۳ سال تھی۔ البتہ اس روایت کی بنا پر کہ آپ کی ولادت ۳۰ ہجری میں ہوئی، آپ کے والد بزرگوار کی شہادت کے وقت آپ کی عمر تیس سال ہوگی۔ آپ کی امامت چونتیس سال تک جاری رہی، جس کے دوران یزید بن معاویہ، مروان بن حکم اور عبدالملک بن مروان فرمانروا ہوئے جیسا کہ بیشتر شیعہ روایات بتلاتی ہیں، آپ کی وفات محرم ۹۵ھ میں ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانے میں زہر خورانی سے واقع ہوئی لیکن اس سے مختلف روایت بھی بیان کی گئی ہے۔

آپ کے مشہور القاب زین العابدینؑ، سجادؑ، ذوالشفات، بگاء اور عابد ہیں۔ ان میں زین العابدینؑ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ آپ کو اس سے اسی طرح پکارا جاتا تھا جس طرح آپ کے نام سے۔ محمد بن شہاب زہری کی روایات میں آیا ہے کہ قیامت کے روز ایک ندادینے والا ندادے گا کہ اپنے زمانے میں عبادت گزاروں کا سردار کھڑا ہو جائے۔ تب علیؑ بن حسینؑ کھڑے ہو جائیں گے۔ تذکرۃ الخواص ابن جوزی میں آیا ہے کہ آپ کا یہ نام رسول اکرمؐ نے رکھا تھا۔

آپ کا لقب ذوالشفات ہونے کے بارے میں حلیۃ الاولیاء اور کافی کلینی میں ہے



کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: سجدوں کے طول اور کثرت کی وجہ سے میرے پدر بزرگوار کے سجدہ کے مقامات پر پکے گٹے پڑ گئے تھے جن کو آپ ہر سال کاٹا کرتے تھے۔ شیخ صدوق سے روایت ہے کہ آپ ان گٹوں کو کاٹ کر جمع کرتے جاتے تھے اور آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو آپ کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ دفن کر دیے گئے تھے۔

آپ کا لقب بکاہونے کے بارے میں راویوں نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: علی بن الحسینؑ اپنے پدر عالی قدر پر بیس سال تک اس طرح روتے رہے کہ اس زمانے میں جب بھی آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا آپ رونے لگتے۔ آپ کے کسی موالی نے آپ سے عرض کیا: اے فرزند رسول! میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ میں ڈرتا ہوں کہ آپ اس گریہ میں کہیں جان سے نہ گزر جائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: میں اللہ سے اپنے دل کا درد اور رنج بیان کرتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم حاصل ہے جو تم کو نہیں ہے۔ میں جب بھی اپنے باپ اور بھائیوں کو یاد کرتا ہوں، تب شدت گریہ سے میرا سانس رکنے لگتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ کے کسی موالی نے کہا کہ اب تو آپ کا رنج ختم ہو جانا چاہیے اور آپ کا رونا کم ہو جانا چاہیے۔ اس پر آپ نے فرمایا: وائے ہو تم پر یعقوب نبیؑ کے بارہ بیٹے تھے، جن میں سے اللہ کی مصلحت سے ایک غائب ہو گیا تو ان کی آنکھیں کثر گریہ سے سفید ہو گئی تھیں اور کمر جھک گئی تھی۔ حالانکہ ان کا وہ بیٹا دنیا میں زندہ موجود تھا۔ جبکہ میں نے اپنے باپ، چچاؤں، بھائیوں اور سترہ چچا زاد بھائیوں کو جانوروں کی طرح ذبح کیا ہوا دیکھا ہے۔ میں نے اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ اپنے مقتولین پر رو رہی ہیں اور اہل کوفہ ان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ قسم بخدا جو نہی میں اس دن کو یاد کرتا ہوں گریہ و بکا میرا سانس روک دیتے ہیں۔

امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ رونے والے پانچ ہیں: آدمؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، فاطمہ بنت محمدؑ اور علی بن حسینؑ۔ آدمؑ اس وقت سخت رنجیدہ ہوئے اور روئے جب اللہ نے ان کو جنت سے نکالا۔ یعقوبؑ اپنے بیٹے یوسفؑ پر روتے رہے یہاں تک کہ



ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ ان سے کہا گیا کہ اللہ اللہ آپ یوسفؑ کو اس قدر یاد کرتے ہیں کہ آپ گھل گھل کر ہلاک ہو جائیں گے۔ ادھر یوسفؑ اپنے والد بزرگوار کی جدائی میں اس قدر روئے کہ قید خانہ میں ان کے ساتھی تنگ آ گئے۔ فاطمہ بنت محمدؑ اپنے پدر عالی قدر پر اس قدر روئیں کہ آنحضرتؐ سے جا ملیں اور آپ کے شب و روز روتے رہنے سے اہل مدینہ تنگ آ گئے۔ پھر ان لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ نے رو کر ہم کو تنگ کر ڈالا ہے۔ اس کے بعد سے آپ یثیع میں شہداء کی قبروں کی طرف چلی جایا کرتیں اور دن بھر وہیں روتی رہتی تھیں شام ہو جاتی تو اپنے گھر واپس آ جاتی تھیں۔ علیؑ بن حسینؑ اپنے والد بزرگوار پتیس سال سے زیادہ عرصے تک روتے رہے۔ جب بھی آپ کے لیے کھانا یا پانی لایا جاتا آپ فرمایا کرتے: میں کیسے کھانا کھا لوں، حالانکہ ابو عبد اللہؑ بھوکے قتل کر دیے گئے اور میں کیسے پانی پی لوں، جبکہ ابو عبد اللہؑ پیاسے قتل کر دیے گئے۔

اس کے علاوہ رادیوں نے ہر اس موقع پر آپ کے گریہ کرنے کو بیان کیا ہے، جب آپ کو وہ دکھ اور مصیبتیں یاد آ جاتی تھیں جو کر بلا میں آپ پر اور آپ کے اہل خاندان پر گزری تھیں اور جن کی تلخی آپ عمر بھر محسوس کرتے رہے۔ جب بھی آپ کی خدمت میں کوئی جماعت یا گروہ دور دراز علاقوں سے آتا تو آپ ان کے سامنے ان مصائب کو بیان فرماتے تھے۔ اگر کبھی آپ بازار میں نکل جاتے اور دیکھتے کہ قصاب بکری یا کسی دوسرے جانور کو ذبح کرنے والا ہے تو آپ اس کے قریب جا کر کہتے: آیا تو نے اس کو پانی پلا لیا ہے یا نہیں؟ تب وہ جواب دیتا کہ جی ہاں! اے فرزند رسولؐ! ہم اس وقت تک کسی جانور کو ذبح نہیں کرتے، جب تک اس کو پانی نہ پلا لیں، خواہ تھوڑا ہی سہی۔ تب آپ رو کر فرماتے: ہائے ابو عبد اللہؑ پیاسے ذبح کر دیے گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز آپ نے ایک اجنبی کو دیکھا تو اس کو سلام کر کے کھانے کے لیے اپنے مکان پر بلا لیا۔ پھر تمام لوگوں کی موجودگی میں اس سے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے، اگر تم کو اس حالت میں موت آ جائے کہ تم اپنے اہل خانہ سے دور ہو تو کیا تم کو کوئی غسل دینے والا اور دفن کر دینے والا مل جائے گا۔ اس پر سب ہی لوگ بول پڑے۔ اے فرزند رسولؐ! ہم سب ہی اس فرض کو ادا کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ تب آپ نے رو کر فرمایا کہ



ابو عبد اللہ حالت مسافرت میں قتل کر دیے گئے اور تین دن تک بے غسل و کفن دھوپ میں پڑے رہے۔

آپ اپنے ان بیشتر اقوال کے ذریعے یہ کوشش فرماتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کریں، ان کو ظلم اور ان ظالموں کے خلاف قیام پر آمادہ کر لیں جو اپنے شاہی تختوں کو قائم رکھنے اور اپنی حرص و ہوس کی خاطر حرام افعال کو جائز قرار دیتے اور دین کو بے وقعت کرتے رہتے تھے۔ آپ کا یہ طریقہ تبلیغ بار آور ہوا اور جلد ہی حجاز اور عراق وغیرہ میں مسلم عوام ظالم حکام سے مقابلہ کرنے پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ کوفہ کے باشندوں نے حسینؑ کا ساتھ نہ دینے پر ندامت کا اظہار کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح مدینے والوں نے بھی محسوس کر لیا کہ کربلا کے اس شدید واقعہ نے اسلام کو بڑی گہرائی تک متاثر کیا ہے۔ پس انہوں نے یزید کی سرکشی سے نالاں ہو کر اس کے گورنر کو نکال باہر کیا۔ اس معرکہ میں یزید کے جرنیل مسلم بن عقبہ نے مدینۃ الرسولؐ کو اپنے لشکریوں پر مباح قرار دیدیا۔ چنانچہ ان کے ہاتھوں دس ہزار سے زیادہ ذی علم اور بلند مرتبہ مسلمان مارے گئے۔

**آپ کی صفات اور لیاکس** | آپ کی صفات کے بارے میں فرزدق شاعر نے بیان کیا ہے کہ آپ خوش شکل اور خوب صورت تھے۔ آپ کا چہرہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور آپ کا بدن سب سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ کی آنکھوں کے بیچ میں نشان سجدہ نمایاں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں کے درمیان سجدوں کا نشان ابھر آیا تھا، اسی لیے آپ کا لقب ذوالشفقات قرار پایا تھا۔ فرزدق نے اپنے مشہور قصیدہ مہمہ میں آپ کی شان میں کہا ہے:

آپ کی پیشانی کے نور سے اندھیرا اس طرح چھٹ جاتا ہے جس طرح آفتاب کے نکلنے سے تاریکی زائل ہو جاتی ہے۔

اللہ نے آپ کو ازل ہی سے شرف اور عظمت عطا کی ہے اور اس کا نقش آپ کے لیے لوح قدرت پر لکھ دیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ اپنے ہم عصروں میں اخلاق و بذل و عطا اور ناداروں کے ساتھ حسن سلوک میں پیش پیش تھے۔ نیز لوگوں کو راہ حق کی ہدایت کرنے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔



آپ ہر قریب اور دور والے کے لیے مرکزِ ہدایت و صاحبِ تعظیم تھے۔ آپ عادتاً پچاس دینار میں اونی چادر خرید فرماتے اور سردی کا موسم گزر جانے پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت ناداروں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ گرمی کے موسم میں آپ بہترین لباس زیب تن فرمایا کرتے اور کھاتے تھے کہ زینت کی وہ چیزیں اور پاکیزہ رزق جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے، انہیں کون حرام قرار دے سکتا ہے

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جب سردی کا موسم ختم ہو جاتا تھا تو میرے والد امام علیؑ بن حسینؑ اپنی چادر غریبوں کو بطور صدقہ دیدیتے تھے۔ نیز جب گرمی کا موسم ختم ہو جاتا تب بھی اپنی چادر صدقہ کر دیتے تھے جس میں بستم زیادہ ہوتا تھا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنا لباس ایسے لوگوں کو دیدیتے ہیں جو اس کی عظمت کو نہیں جانتے اور نہ اس کے پٹنے کے لائق ہوتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت صدقہ کرتے آپ نے فرمایا: مجھ کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ میں اس کپڑے کو بیچ ڈالوں جس میں نماز پڑھتا رہا ہوں۔ آپ کے بارے میں متواتر روایتوں میں آیا ہے کہ آپ بہترین قسم کے کپڑے پہنتے تھے جب اللہ کے حضور میں کھڑے ہوتے تو پہلے غسل فرماتے اور خوشبو لگا لیتے تھے۔ چنانچہ لباس اور ظاہری بود و باش کے معاملے میں بیشتر ائمہؑ کا طریقہ یہی تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات جو زہد فی الدنیا اختیار کیے ہوئے تھے اس کے نہ یہ معنی تھے کہ پاکیزہ چیزوں سے کنارہ کشی کی جائے اور نہ یہ کہ زندگی میں تکلیف اٹھائی جائے بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ جو حکم دیتا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ جو اس نے حرام قرار دیا ہے اور جس سے اس نے منع کر دیا ہے اس سے دور رہا جائے۔ نیز جو مال دنیا دوسرے افراد کے پاس ہے اس پر نظر نہ کی جائے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ زہد کا اعلیٰ ترین درجہ وہی ہے جو ورع یعنی اللہ سے ڈرتے رہنے کا سب سے نچلا درجہ ہے۔

راویوں کا بیان ہے کہ ابن عیینہ نے امام ابو عبد اللہ جعفر صادقؑ سے کہا کہ آپ کے دادا علیؑ بن ابی طالب کھدوے کپڑے پہنا کرتے تھے اور آپ مرو کا قہوی رنگ کا نفیس لباس استعمال فرماتے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا: وائے ہو تم پر اے ابن عیینہ! علیؑ مسلمانوں کی تنگدستی کے زمانہ میں تھے لیکن اب کشادگی کا زمانہ آگیا ہے۔ پس نیک افراد اس سے مستفید ہونے کے



امام جعفر صادقؑ نے اپنے دادا امام علی بن حسینؑ کے بارے میں فرمایا: میرے دادا اس طرح چلتے تھے گویا ان کے سر پر طائر بیٹھا ہوا ہے۔ ان کا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ سے آگے نہ ہوتا تھا۔ نہ آپ اپنا ہاتھ بلند کرتے تھے۔ آپ کے چہرے پر شرافت اور وقار کا جلوہ نظر آتا تھا۔ عبداللہ بن سلیمان سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ مسجد میں تھا۔ اتنے میں علی بن حسینؑ تشریف لے آئے۔ میں ان سے واقف نہیں تھا؛ وہ سیاہ عمامہ زیب سر کیے ہوئے تھے جس کے دونوں سرے ان کے دونوں شانوں پر پڑے تھے۔ میں نے اپنے قریب کے ایک آدمی سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ اس نے مجھ سے کہا: تم کو کیا ہو گیا ہے، اس شخص کے علاوہ جو لوگ مسجد میں آئے تم نے کسی کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا۔ میں نے کہا کہ میں نے ان کے علاوہ کسی کو اتنا خوبصورت نہیں پایا۔ تب اس نے بتایا کہ یہ علی بن حسینؑ ہیں۔

**امام زین العابدینؑ کو فوشام میں** | امام علی بن حسینؑ نبوت کے گھر اور وحی کے

مقام نزول میں پلے۔ اس گھر میں جس کو اللہ کی راہ میں سخت ترین رنج، مشقت اور مصیبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ آپ بچپن میں اپنے عظیم دادا علی المرتضیٰؑ کے غم شہادت سے دوچار ہوئے جو مسجد کوفہ میں اپنے خون میں لت پت ہو گئے تھے۔ جب آپ شباب کی طرف بڑھ رہے تھے تو اپنے تایا حسنؑ کی شہادت کا غم اٹھانا پڑا جو اس زہر کے اثر سے خون کے ساتھ اپنے جگر کے نو تھڑے اگل رہے تھے جو ان کو معاویہ نے دلویا تھا۔ پھر اپنی جوانی میں جبکہ آپ ایک ایسے مرض میں مبتلا تھے جو آپ کے جسم کو کھلائے دے رہا تھا، آپ نے اپنے والد بزرگوار چچاؤں اور بھائیوں اور بھتیجیوں کا قتل ہونا اور اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کا کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام میں قیدی بن کر جانا دیکھا۔ آپ کے تمام اہل خاندان اور اصحاب حسینؑ کے نیزوں پر بلند کیے ہوئے سر ساتھ ساتھ تھے اور آپ کے والد ماجد کا سر سب سے آگے تھا۔ نیز آپ نے عبید اللہ بن زیاد اور یزید بن معاویہ کو دیکھا کہ وہ عداوت اور قساوت سے آپ کے والد ماجد کے دندان مبارک کو اپنی چھڑی سے مارتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے خود آپ پر بھی ایک سے زیادہ مرتبہ تلوار اٹھائی،



لیکن مشیت الہی نے ان کے ارادوں کو پورا نہیں ہونے دیا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ علی بن حسینؑ اپنے والد ماجد کے پہلو ٹھٹھے بیٹے تھے اور ان کے ساتھ کربلا میں موجود تھے لیکن بیماری نے ان کو اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ میدان میں نہ جاسکتے تھے۔ ابو مخنف نے بیان کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس صبح کو میرے والد ماجد شہید ہوئے اس رات میں اپنے بستر پر بیٹھا ہوا تھا اور میری پھوپھی زینبؑ میری تیمارداری میں مصروف تھیں اس وقت میرے والد اپنے خیمہ خاص میں تھے اور ابوذر کے غلام جون ان کی تلوار صاف کر رہے تھے، جبکہ میرے والد یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اے زمانے! تو کیسا برا دوست ہے۔ ہر صبح و شام کیسے کیسے دوستوں اور  
ساتھیوں کو لے ڈالتا ہے کہ دنیا میں ان کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ تاہم ہر زندہ  
اسی راستے پر رواں ہے جو وعدہ فضا کو جاتا ہے۔

اپنے والد کے یہ اشعار سن کر شدت گریہ سے میرا سانس رک گیا لیکن میں نے مجبوراً  
سکوت اختیار کیا اور میں سمجھ گیا کہ جنگ شروع ہو گئی ہے لیکن جب میری پھوپھی زینبؑ  
نے وہ درد انگیز کلام سنا جو میں نے سنا تھا تو ان سے رہا نہ گیا اور وہ اپنے دامن کو سنبھالتی  
ہوئی جھپٹ کر ان کے پاس جا پہنچیں اور چلائیں کہ کاش موت نے آج کے دن سے قبل ہی  
میری زندگی ختم کر دی ہوتی۔ اے بزرگوں کی یادگار اور اے زندہ رہنے والوں کی زندگی  
کے سہارے، معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرے نانا محمدؐ، میرے باپ علیؑ، میری ماں فاطمہؑ  
اور میرے بھائی حسنؑ کو آج ہی موت آئی ہے۔ اس پر میرے والد نے ان کی طرف دیکھ کر  
فرمایا: بہن! شیطان تمہارے صبر کو زائل نہ کرے۔ پھر آپؑ نے ان کو صبر کرنے اور بچوں کی  
نگہداشت کرنے کے لیے وصیت فرمائی۔

امام علی بن حسینؑ نے کربلا کی مقابلہ آزمائیوں کے بہت سے واقعات بیان کیے  
ہیں۔ اسی طرح آپؑ نے اپنے والد ماجد کا وہ خطبہ بھی روایت کیا ہے جو انہوں نے اپنی شہادت  
سے قبل اہل کوفہ کے سامنے دیا تھا۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات  
میں بابا حسینؑ میرے بستر کے پاس تشریف لائے اور اپنی وصیتیں فرما کر ثبوت کے برکات  
میرے سپرد فرمائے۔ انہوں نے مجھ کو آخری وصیت یوں فرمائی: اے بیٹے! اب میں تم کو



وہ وصیت کرتا ہوں جو تمہارے نانا رسول اکرمؐ نے وصال کے وقت میرے بابا علیؑ کو فرمائی۔ پھر تمہارے دادا علیؑ نے تمہارے تایا حسنؑ کو اور انھوں نے مجھ کو فرمائی تھی۔ یعنی کسی ایسے شخص پر سختی نہ کرنا جس کا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہو۔ اس کے بعد آپ مجھ سے رخصت ہو کر اس آخری جنگ کے لیے روانہ ہو گئے جس میں انھوں نے شہادت پائی تھی۔

امام سجادؑ ہی نے اپنے والد حسینؑ، ان کے مقتول خاندان اور انصار کو دفن کیا۔ جیسا کہ بیشتر روایات میں آیا ہے، آپ نے بنی اسد کو شہداء کی قبریں اور ان کے نام بتا دیے تھے۔ وہ لوگ خود بھی ۱۲ محرم کو ان سب کے دفن کے وقت موجود تھے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ آپ ہی نے ان سب کے دفن کی نگرانی فرمائی تو جیسا کہ روایتوں میں بیان کیا گیا ہے، آپ اس کام کے لیے اسی طرح نکل آئے ہوں گے جس کی توجیہ اللہ کی مشیت کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ جب آپ اور آپ کی پھوپھیاں کوفہ میں داخل ہوئیں تو لوگ جمع ہو گئے۔ ان سب کو اس واقعہ نے ششدر کر دیا اور وہ رونے اور نوحہ کرنے لگے۔ اگرچہ اس وقت آپ بیمار تھے لیکن پھر بھی آپ نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا اور کمزوری کے باوجود آپ نے کھڑے ہو کر اللہ کی حمد کی۔ بنی اکرمؑ کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد کہا: اے لوگو! جو مجھ کو پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے۔ جو نہیں پہچانتا اس کو میں خود بتائے دیتا ہوں۔ میں علی بن حسینؑ بن علی بن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی حرمت ضائع کی گئی، کھانا پینا بند رکھا گیا، بے جرم مار ڈالا گیا، مال لوٹا گیا اور اس کے اہل و عیال کو قیدی بنا لیا گیا ہے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کو فرات کے کنارے ذبح کر ڈالا گیا ہے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کو دھوکے سے بلا کر قتل کیا گیا ہے اور یہی قربانی فخر کے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اہل کوفہ کو ان کا امام حسینؑ کو خطوط بھیجنا، ان سے جھوٹے وعدے کرنا اور پھر ان کے کریمہ جبرائیلؑ یاد دلانے، یہاں تک کہ راوی کے بقول وہ لوگ زور زور سے رونے اور چلانے لگے۔ البتہ مجھ کو شک ہے کہ آپ نے اور آپ کی پھوپھی نے اپنے خطبوں میں وہ سب کچھ کہا ہو گا جو بیان کیا جاتا ہے کیونکہ ابن زیاد ان کو ہرگز ایسا موقع نہیں دے سکتا تھا جس سے رائے عامہ میں ہیجان پیدا ہو اور لوگوں کے جذبات بھڑک اٹھیں۔ اس نے ان لوگوں کے کوفہ میں داخل ہونے کے وقت یقیناً تمام پیش بندیاں کر لی تھیں تاکہ کسی شخص کو ایسا موقع نہ ملنے پائے۔



جب آپ کو اپنی پھوپھیوں کے ساتھ ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو راوی کے بقول اس نے آپ سے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا: میں علی بن حسینؑ ہوں۔ اس نے پٹ کر کہا: کیا اللہ نے علی بن حسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ امامؑ نے جواب دیا میرے ایک بھائی جن کا نام علی تھا، ان کو لوگوں نے قتل کر ڈالا۔ اس پر ابن زیاد بولا: ان کو اللہ نے قتل کیا ہے۔ اب امامؑ نے قرآن کی آیت تلاوت فرمائی: اللہ ہی موت کے وقت جانوں کو واپس بلا لیتا ہے۔ (سورہ زمر- آیت ۴۲)۔

اب تو ابن زیاد بچھڑ گیا اور بولا: تم کو اتنی جرات ہے کہ میری بات کو رد کرو۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کو قتل کر دیں لیکن آپ کی پھوپھی زینبؑ آپ سے چمٹ گئیں اور آپ کو اپنے بازوؤں میں لے کر کہنے لگیں: اے ابن زیاد! تو نے ہمارے جو خون بہا لیے وہی بہت ہیں۔ قسم بخدا! میں ان سے ہرگز جدا نہ ہوں گی۔ اگر تو ان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے۔ اس پر وہ کچھ نرم پڑ گیا اور اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔

جب یزید بن معاویہ نے عبید اللہ کو حکم بھیجا کہ امام حسینؑ کا سراقدس اور دوسرے مقتولین کے سرہائے مقدس کو قیدیوں کے ساتھ شام بھیج دے تو اس نے سب کو مخضر بن ثعلبہ عادی شمر بن ذی الجوشن اور اپنے لشکر کے کچھ سپاہیوں کے ساتھ وہاں روانہ کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ لوہے میں جکڑے ہوئے تھے۔ جب یہ ستم رسیدہ و مشق پہنچے تو وہاں کے لوگ رنگارنگ لباس پہنے خوشی کے عالم میں ان سب کا نظارہ کرنے کے لیے نکلے۔

کامل بھائی اور بحار میں سہل بن سعد ساعدی سے روایت کی گئی ہے کہ میں بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا، جب خطہ شام کے وسط میں پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ ایک شہر ہے جس میں بہت سی منزلیں اور ہرے پھرے درخت ہیں۔ وہاں کے باشندوں نے اپنے مکانوں پر ریشمی پردے لٹکائے ہوئے ہیں۔ وہ ڈھول تاشے بجاتے اور خوشیاں مناتے ہوئے ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے ہیں۔ میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اہل شام میں کوئی ایسی عید تو نہیں ہوگی جس کو ہم نہ جانتے ہوں۔ چنانچہ میں کچھ لوگوں کے قریب گیا جو آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا: اے لوگو! کیا تم اہل شام میں کوئی ایسی عید بھی ہوتی ہے جس کو ہم نہیں جانتے۔ وہ بولے اے شیخ ہمارا خیال ہے کہ تم یہاں اجنبی ہو۔ تب میں نے ان سے کہا: میں صحابی رسولؐ سہل بن سعد ساعدی ہوں۔ میں نے رسول اکرمؐ کی



زیارت کی ہے اور آنحضرتؐ سے ان کی حدیث سنی ہے۔ تب وہ کہنے لگے کہ اے سہل کوئی تعجب نہیں کہ آسمان خون برسائے اور زمین ساری آبادی سمیت دھنس جائے۔ میں نے ان سے کہا: یہ کیوں؟ وہ بولے: یہ حسینؑ بن علیؑ کا سر اقدس ہے جو عراق سے یزید بن معاویہ کے پاس ہدیہ لایا جا رہا ہے۔ تب میں نے کہا: بڑے تعجب کا مقام ہے کہ حسینؑ کا سر اقدس آیا ہے اور وہ لوگ اس طرح خوشیاں منا رہے ہیں جیسا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ ہاں مجھے بتائیں کہ یہ کس باب سے شہر میں داخل ہوگا۔ اس پر ان لوگوں نے اس دروازہ کی طرف اشارہ کیا جس کو ”باب ساعات“ کہتے تھے۔ ہم لوگ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں آگے پیچھے جھنڈے آنے لگے۔ تب میں نے دیکھا کہ ایک سوار کے ہاتھ میں نیزہ ہے۔ جس کی انی نکلی ہوئی ہے اور اس پر حسینؑ کا سر اقدس ہے جو تمام لوگوں میں سب سے زیادہ رسول اکرمؐ سے مشابہ تھے۔ اس کے پیچھے بے کجاوہ اونٹوں پر عورتیں ہیں۔ میں نے سب سے آگے والی بی بی کے قریب ہو کر کہا: اے لڑکی! تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں سکینہ بنت الحسینؑ ہوں۔ میں نے ان سے کہا: میں سہل بن سعد ساعدی ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے آپ کے نانا رسول اکرمؐ کی زیارت کی ہے، کیا آپ کو مجھ سے کوئی حاجت ہے؟ انھوں نے کہا: اے سہل! اس سر کو لے جانے والے سے کہد تجھے کہ وہ اس سر کو لے کر ہمارے آگے آگے چلے تاکہ لوگ سر کو دیکھنے میں لگ جائیں اور رسول اکرمؐ کے ناموس سے نظریں ہٹالیں۔ سہل بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے اس سر کو لے کر چلنے والے کے قریب جا کر کہا کہ کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ میری ایک حاجت پوری کر دو اور مجھ سے چار سو دینار لے لو۔ اس نے پوچھا وہ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اس سر کو عورتوں کے سامنے کی طرف لے آؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا اور میں نے اس کو یہ رقم دیدی۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ امام زین العابدینؑ تھے جنہوں نے سہل سے کہا کہ شہداء کے سروں کو لے چلنے والے کو کچھ دیدیں۔ پھر یزید بن معاویہ نے شام کے معزز اور ممتاز افراد کو بلا کر اپنے ارد گرد بٹھایا۔ تب علیؑ بن حسینؑ، سرہائے شہداء اور قیدیوں کو لائے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ سب اس کے سامنے اس طرح لائے گئے کہ رسی میں بندھے ہوئے تھے۔ اس وقت علیؑ بن حسینؑ نے یزید سے کہا: اے یزید! میں تجھے اللہ کا واسطہ



دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر رسول اکرمؐ ہمیں اس حالت میں دیکھیں تو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس پر سب حاضرین روپڑے۔ پس یزید نے حکم دیا کہ رسیاں کاٹ دی جائیں۔ جب سرہائے شہداء اس کے سامنے رکھے گئے تو وہ یہ شعر پڑھنے لگا:

ہم ان لوگوں میں سے ایک شخص کا سر کچل رہے ہیں جو ہمارے لیے نہایت سخت، نافرمان اور ظالم تھے۔

اس وقت مروان بن حکم کا حقیقی بھائی یحییٰ بن حکم دربار میں موجود تھا۔ جب اس نے یزید کو خوشی سے جھومنے ہوئے دیکھا تو اس نے یہ اشعار پڑھے:

کیا غضب ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد ایسے کینے اور دوغلے حسب و نسب والے شخص کی بدنام دادی سمیہ کی نسل تو کنکریوں کی طرح پھیلے اور فرات کے کنارے رسول اکرمؐ کی بیٹی کی نسل قطع ہو جائے۔

تب یزید نے اس کے سینے پر ٹھوکا لگا کر کہا: چپ رہو۔ پھر اس نے امام علیؑ بن حسینؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: تمہارے باپ نے میری قرابت کا خیال نہ کیا۔ میرے حق کو نظر انداز کیا اور میری حکومت کے معاملے میں مجھ سے جھگڑا کیا۔ اب تم نے دیکھ لیا کہ اللہ نے ان کا کیا حال کیا۔ علیؑ بن حسینؑ نے (قرآن کی آیت سے) جواب دیا:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَاهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ . لَّكِنَّا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ .

یعنی جو مصیبتیں دنیا میں یا تمہارے اوپر گزرتی ہیں وہ کتاب میں موجود ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم ان کو ظاہر کریں یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ تاکہ جو تم کو نہیں ملا اس پر افسوس نہ کرو اور جو اللہ نے تم کو دیا ہے اس پر خوشی نہ مناؤ۔ اللہ غرور کرنے والے اور فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔



یزید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا کہ وہ امام کو اس کا جواب دے لیکن خالد کوئی جواب نہ دے سکا۔ تب یزید نے اس سے کہا کہ تم ان سے یہ کہو:

مَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ

یعنی جو کچھ تم پر گزرتا ہے وہ تمہارا ہی کیا دھرا ہے اور اللہ بیشتر سے تودرگزر

کرتا رہتا ہے۔ (سورہ شوریٰ، آیت ۳۰)

اس پر امام زین العابدینؑ نے فرمایا: اے یزید! اے معاویہ، ہند اور صخر کے بیٹے! میرے باپ دادا کے پاس نبوت اور حکومت اس وقت سے رہی ہے جب تو پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ بدر، احد اور احزاب کی جنگوں میں میرے دادا علی بن ابی طالبؑ کے ہاتھ میں رسول اکرمؐ کا علم ہوتا تھا اور تیرے باپ اور دادا کے ہاتھ میں کفار کا۔ وائے ہو تجھ پر اے یزید کہ اگر تجھ کو معلوم ہوتا، تو نے میرے باپ اور ان کے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو پھر تو پہاڑوں میں بھاگ جاتا۔ مٹی پر لیٹ رہتا اور چیختا پکارتا رہتا۔ بس اب تو سمجھ لے کہ قیامت کے روز تجھ کو لوگوں کے اجتماع میں ذلت اور ندامت کا سامنا ہوگا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ نے اپنے ایک حمایتی کو حکم دیا کہ وہ منبر پر جا کر علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو برا کہے اور معاویہ کی مدح کرے۔ اس خطیب نے منبر پر جا کر خوب خوب معاویہ کی تعریفیں کیں اور علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو برا کہا۔ اس پر امام سجادؑ نے کہا: وائے ہو تجھ پر اے تقریر کرنے والے، تو نے اللہ کے غصے کے عوض بندے کی مرضی خرید لی اور اس طرح تو نے اپنا ٹھکانا جہنم میں تیار کر لیا۔ پھر آپ نے یزید سے فرمایا: کیا تو مجھ کو موقع دے سکتا ہے کہ میں بھی اس منبر پر جا کر تقریر کروں جس میں اللہ کی رضا اور یہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے لیے اجر و ثواب ہو۔ یزید نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس پر کسی درباری نے کہا: اے امیران کو بولنے دو۔ ذرا ہم بھی سنیں کہ یہ کیا کہتے ہیں۔

یزید بن معاویہ نے اس کے جواب میں کہا: یہ منبر پر گئے تو میری اور آل ابوسفیان کی برائی کیے بغیر نہ اتریں گے۔ تب اس سے کہا گیا کہ یہ تو ایک لڑکا ہے کیا کہہ سکے گا۔ تب راویوں کے بقول اس نے کہا: یہ اہلبیتؑ کے فرد ہیں جن کو علم سے بھر دیا گیا ہے۔ تاہم وہ لوگ برابر یزید کے پیچھے پڑے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے اجازت دیدی۔ چنانچہ آپ نے منبر پر



تشریف لے جا کر اللہ کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا: اے لوگو! ہم کو چھ چیزیں عطا کی گئی ہیں اور ہماری سات بزرگیاں ہیں۔ ہم کو دیا گیا ہے علم، حلم، سخاوت، فصاحت، شجاعت اور مومنوں کے قلب میں محبت۔ ہماری بزرگیاں یہ ہیں: کہ اللہ کے منتخب نبیؐ ہم میں سے ہیں۔ صدیق ہم میں سے ہیں۔ طیار (ملائکہ کی مانند اڑنے والے) ہم میں سے ہیں اور اسدِ رسولؐ ہم میں سے ہیں۔ عالمین کی عورتوں کی سردار ہم میں سے ہیں اور اس امت میں رسولؐ کے دونوں سے بھی ہم میں سے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

اے لوگو! جو مجھ کو پہچانتا ہے، وہ تو پہچانتا ہے۔ جو نہیں پہچانتا میں اس کو اپنا حسب و نسب بتلاتا ہوں۔ میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں۔ میں زمزم و صفا کا فرزند ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے غریبوں کے لیے زکات وصول کی۔ میں چادر اور ٹھنے والوں اور لباس پہننے والوں میں بہترین فرد کا فرزند ہوں۔ میں طواف اور سعی کرنے والوں میں بہترین شخص کا فرزند ہوں۔ میں بیت اللہ کا حج کرنے والوں اور لبیک کہنے والوں میں بہترین شخص کا فرزند ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو براق پہنوا میں لے جایا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (عرش) تک لیجا یا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے ساتھ جبریل سدرۃ المنتهیٰ تک گئے۔ میں اس کا فرزند ہوں جو تجلیات سے اس قدر قریب ہوئے کہ دو کمانوں یا اس سے کم فاصلے پر پہنچ گئے۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے ملائکہ سموات کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو اللہ نے وحی فرمائی۔ میں فرزند ہوں محمد مصطفیٰؐ اور علی مرتضیٰؑ کا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے لوگوں کی تا کوں کو نیچا کیا۔ یہاں تک کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے لگے۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے رسول اکرمؐ کی حفاظت کے لیے دو دولواروں سے جنگ کی، وہ جو دو بیعتوں میں شریک رہا، جس نے دونیزوں سے حملے کیے۔ جس نے دو مرتبہ ہجرت کی۔ جو بدر و حنین میں لڑا اور جس نے ایک لمحہ کے لیے بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ آپ اسی طرح بولتے رہے اور مجمع کے سامنے اپنے بزرگوں، رسول اکرمؐ، علی مرتضیٰؑ اور اپنے والد بزرگوار ابو عبد اللہ حسینؑ کے کارنامے گناتے اور جو کچھ کہہ بلا میں ہوا بیان فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ لوگ رونے اور چیخنے لگے۔ اس وقت جیسا کہ راوی کہتے ہیں، یزید کو خوف ہوا کہ اہل شام



اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ چنانچہ اس نے مؤذن کو حکم دیا کہ وہ اذان شروع کر دے تاکہ آپ کی تقریر کا سلسلہ بند ہو جائے۔ پس جب مؤذن نے کہا: اللہ اکبر تو آپ نے فرمایا: یقیناً اللہ سے بڑی کوئی شے نہیں۔ جب اس نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ تو امامؑ نے فرمایا: خون، گوشت، جسم اور میرے بال بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ جب اس نے کہا: اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ تب علیؑ بن حسینؑ نے مزید بن معاویہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ محمدؐ میرے نانا ہیں یا تیرے۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ تیرے نانا ہیں تو پھر یقیناً تو جھوٹا ہے اور کافر ہو گیا ہے لیکن اگر تو یہ مانتا ہے کہ وہ میرے نانا ہیں تو پھر تو نے ان کی عزت کو کس لیے قتل کیا؟

راوی نے امام زین العابدینؑ اور مزید بن معاویہ کے مابین اس گفتگو کو بیان کرتے ہوئے مزید کہا ہے کہ تب مزید کے دربار میں ایک یہودی عالم بھی موجود تھا۔ اس نے مزید سے پوچھا: یہ لڑکا کون ہے؟ اس نے کہا: یہ علیؑ بن حسینؑ ہے۔ تب یہودی نے آپ کے دادا، باپ اور ماں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے اس کو آپ کے نسب کے متعلق بتلایا یہاں تک کہ بات رسول اکرمؐ تک پہنچی۔ وہ یہودی بولا: سبحان اللہ تم نے اتنی جلدی اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ تم نے ان کے بعد ان کی ذریت کے ساتھ بہت ہی برا سلوک کیا۔ قسم بخدا! اگر موسیٰؑ بن عمران ہمارے درمیان اپنا ایک نواسہ چھوڑ جاتے تو ہمارا خیال ہے کہ ہم اللہ کی بجائے اس کی عبادت کرنے لگتے۔ مگر تم وہ ہو کہ ابھی کل تمہارے نبیؐ تم سے جدا ہوئے ہیں اور تم ان کے بیٹے پر جھپٹ پڑے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ کیسی بری امت ہو تم لوگ۔

راوی مزید کہتا ہے کہ ایک روز امام زین العابدینؑ اس مکان سے باہر نکلے جو یزید نے قیدیوں کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ آپ بازار میں تھے کہ اتنے میں آپ کے سامنے منہال بن عمرؑ آ پہنچے۔ انہوں نے آپ کا حال دریافت کیا۔ امامؑ نے فرمایا: ہم کو آل فرعون کے درمیان بنی اسرائیل کی مانند سمجھ لو، کیونکہ وہ بھی ان کے بیٹوں کو قتل کر دیتے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ پھر امامؑ نے ان سے فرمایا: اے منہال! عربوں نے عجمیوں پر یہ فخر کرنا شروع کیا کہ محمدؐ ان میں سے ہیں۔ قریش نے سارے عرب پر فخر کیا



کہ محمدؐ ان میں سے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ جو ان کے گھرانے والے ہیں لیکن ہم کو قتل کر ڈالا گیا اور ہم کو بے گھر کر دیا گیا ہے۔ اس طرح گزر رہے ہیں ہمارے دن رات لے منہال! ایک دوسری روایت ہے کہ امامؑ نے ان سے اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا کہ وہ شخص جو یزید کا قیدی ہو، اس کی کیا زندگی ہے؟

لہو ف میں ہے کہ یزید بن معاویہؓ نے علیؑ بن حسینؑ سے وعدہ کیا کہ وہ آپؑ کی کوئی سی تین خواہشیں پوری کر دے گا۔ ایک روز اس نے آپؑ سے کہا کہ اپنی تین خواہشیں بیان کیجیے، جن کے پورا کرنے کا میں نے آپؑ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ آپؑ نے اس سے فرمایا: میری پہلی خواہش تو یہ ہے کہ مجھے میرے والد ماجد کا چہرہ دکھا دے تاکہ میں جی بھر کر اس کو دیکھ لوں۔ دوسری یہ کہ کر بلا میں ہم سے جو کچھ چھینا گیا ہے وہ واپس کر دے۔ تیسری یہ کہ اگر تیرا ارادہ مجھ کو قتل کرنے کا ہے تو ان عورتوں کے ساتھ کسی ایسے شخص کو بھیج دے جو ان کو رسول اکرمؐ کے روضہ پر واپس پہنچا دے۔

راوی کہتا ہے کہ یزید نے آپؑ سے کہا: اپنے باپ کا سر آپؑ کبھی نہ دیکھ پائیں گے۔ ان عورتوں کو آپؑ کے علاوہ کوئی اور مدینہ واپس نہیں لے جائے گا۔ آپؑ کی جو چیزیں چھینی گئی تھیں، ان کی قیمت کا کئی گنا میں آپؑ کو دیے دیتا ہوں۔ اس پر امامؑ نے اس سے کہا: ہم کو تمہارا مال نہیں چاہیے جو تمہارے پاس بہت زیادہ ہے۔ البتہ میں نے تم سے چھینا ہوا مال اس لیے طلب کیا ہے کہ اس میں میری جدہ ماجدہ فاطمہؑ کا دوپٹہ، ہار اور قمیص ہے۔ چنانچہ یزید نے یہ چیزیں آپؑ کو واپس دیے جانے کا حکم دیدیا اور ان کے ساتھ دوسو دینار کا اضافہ بھی کر دیا جو آپؑ نے اس سے لے کر ناداروں میں تقسیم کر دیے۔

بعض راوی بیان کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہؓ نے امام زین العابدینؑ کو شام میں مقیم رہتے یا مدینہ واپس جانے کا اختیار دیا۔ آپؑ نے مدینہ واپس جانا پسند فرمایا۔ اس پر یزید نے ان کو ضروری سامان مہیا کر دیا، نیز ان کے معاملات کے انتظام اور راستے میں ان کی دیکھ بھال کے لیے کچھ افراد ان لوگوں کے ساتھ کر دیے۔ تب اہلبیتؑ نے ایک شہر سے خواہش کی کہ وہ ان کو کر بلا کی طرف سے لے چلے اور اس نے یہ بات مان لی۔ ادھر جابر بن عبد اللہ انصاری اور بعض بنی ہاشم امام حسینؑ کے مرقد کی زیارت کے لیے بڑی عورت



سے مدینے سے کربلا کا سفر طے کر رہے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ ان قیدیوں کے کربلا پہنچنے سے ایک روز قبل وہاں پہنچ گئے۔ جابر اور ان کے ساتھ والے قبروں کے درمیان گھوم رہے تھے کہ شام کی طرف سے امام سجادؑ کی سواری ان کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ جابرنا بیٹا تھے تب ان کے رہبر نے ان سے کہا کہ مجھ کو شام کی طرف سے کوئی چیز اپنی طرف بڑھتی دکھائی دے رہی ہے۔ اس پر ان کو خوف ہوا کہ یہ یزید یا ابن زیاد کے سپاہیوں کی سواریاں ہوں گی۔ پس جابر نے اس سے کہا کہ تم جاؤ اور جلدی سے ان کا حال معلوم کر کے آؤ۔ اگر یہ یزید کے آدمی ہوں گے تو ہم کو کسی اور جگہ پناہ لینا پڑے گی اور اگر یہ علی بن حسینؑ اور ان کی بہنیں اور پھوپھیاں ہیں تو تم بفضل خدا ہر خوف سے آزاد ہو۔ چنانچہ وہ گیا اور تیزی سے واپس آ کر کہنے لگا: اے جابر! اٹھیے اور حرم رسولؐ کا استقبال کیجیے۔ یہ امام زین العابدینؑ اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کو میکر آئے ہیں۔ جابر اٹھ کھڑے ہوئے اور پا پیادہ چل کر زین العابدینؑ کے پاس پہنچ گئے۔ وہ بوسے لینے کے لیے امامؑ پر گر پڑے اور ساتھ میں روتے جاتے تھے۔ تب کثرت گریہ سے میدان کربلا گویا تھرا گیا۔ امامؑ نے ان سے کہا: اے جابر! قسم بخدا! یہیں پر ہمارے مرد قتل کر ڈالے گئے، ہمارے بچے ذبح کر دیے گئے، ہماری عورتیں قیدی بنائی گئیں اور ہمارے خیمے جلا دیے گئے۔ ابن طاووسؑ اپنی کتاب لہوف میں لکھتے ہیں کہ جب اہلبیتؑ کربلا پہنچے تو انھوں نے جابر بن عبد اللہ انصاری اور بنی ہاشم کے کچھ مردوں کو وہاں پایا، جو امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کے لیے آئے تھے۔ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر روتے رہے اور وہاں ان سب نے مجلس عزابریا کی۔ اس وقت ان لوگوں میں کربلا کے قریب فرات کے کنارے بسنے والے بنی اسد بھی آ کر شریک ہو گئے۔ ان روایات کے مطابق جو ان قیدیوں کا عراق سے شام اور وہاں سے حجاز کے سفر کا حال بیان کرتی ہیں، یہ قافلہ کربلا میں چند دن قیام کر کے مدینے روانہ ہو گیا۔

راویوں نے راہ شام اور پھر دمشق میں امام زین العابدینؑ کے بیانات نیز دوران سفر اور دربار یزید میں آپ سے اور حسینؑ کے سراقص سے ظاہر ہونے والی ایسی ایسی کرامات نقل کی ہیں جو تنقید اور تجزیے کے سامنے قائم نہیں رہ سکتیں۔ حالانکہ یہ چیزیں ان ذوات سے باعث حیرت بھی نہیں ہیں۔ نہ یہ امر اللہ کی قدرت سے بعید ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کی بات مان لے



جنہوں نے اسکی بات مان کر اپنی عزیز ترین متاع کو نیز اپنی جانوں کو اس کی راہ میں فدا کر ڈالا۔  
البتہ اس میں شک نہیں کہ یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم ساتھیوں نے امام حسینؑ کے  
ساتھ کربلا میں اور اسیران اہل حرم کے ساتھ کوفہ و شام میں ایسا سلوک کیا جو ہر زمانے اور ہر دور کے  
لوگوں کی نظر میں اس قدر برا ہے کہ اس سے پہلے اس کی نظیر تاریخ عرب میں نہیں ملتی۔ یہ باتیں یزید  
سے کچھ بعید کسی نہیں ہیں، کیونکہ وہ ایسا خود پرست اور بد ہنسا د تھا کہ خود اپنے گھرانے کے  
بے لگاموں میں بھی سب سے بڑھا ہوا تھا۔ امام حسینؑ کی شہادت اور اس کے بعد کے واقعات  
کے بارے میں جو روایات پیش کی گئی ہیں، ان میں سے بیشتر مرسل ہیں اور بہت کم قابل اعتبار ہیں۔  
البتہ ان روایات میں جو سقم پائے جاتے ہیں وہ ان تمام تفصیلات یا ان کے نصف سے بھی متعلق  
نہیں ہیں۔ اسی طرح مجھ کو اس میں بھی شک نہیں ہے کہ ایک زمانہ حسینؑ سے محبت کرنے والوں  
اور ان کا انتقام لینے والوں کا بھی آیا، جب راویوں نے وہ واقعات قلمبند کر ڈالے جن سے  
معرکہ کربلا کے متعلق کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

بعض راویوں کا بیان ہے کہ جب امام زین العابدینؑ مدینہ میں

مدینے کے قریب پہنچے تو آپ نے اپنی سواری  
رکوا کر ایک خیمہ نصب کر دیا اور اس میں عورتوں اور بچوں کو اتارا گیا۔ آپ کے ساتھ بشیر بن جہیم  
تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ اے بشیر! اللہ تمہارے باپ پر رحم نازل کرے وہ تو شاعر  
تھے، کیا تم بھی کچھ شعر کہہ لیتے ہو۔ اس نے کہا، جی ہاں! اے فرزند رسولؐ! تب آپ نے  
فرمایا کہ ذرا شہر میں جاؤ اور میرے والد بزرگوار ابو عبد اللہ حسینؑ کی خبر شہادت لوگوں کو سنا  
دو۔ بشیر کہتا ہے کہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا۔ یہاں تک کہ مدینے میں داخل ہو گیا  
اور پھر مسجد نبویؐ کے قریب پہنچا تب میں نے بلند آواز سے رو کر یہ اشعار پڑھنا شروع  
کیے :

اے مدینے کے رہنے والو! یہ مقام تمہارے رہنے کے قابل نہیں ہے،

کیونکہ حسینؑ قتل کر دیے گئے ہیں۔ پس تم مسلسل روتے رہو۔ انکا جسم مٹھر

کربلا میں خون آلود پڑا ہے اور سراقہ س نیزے پر پھرایا جا رہا ہے۔

پھر میں نے کہا کہ اے اہل مدینہ! علی بن حسینؑ اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کیساتھ



آکر تمہارے شہر کے باہر خیمہ زن ہو گئے ہیں۔ میں ان کا قاصد بن کر تم کو بتانے آیا ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ مدینے میں کوئی پردہ نشین عورت ایسی نہ رہی جو پردہ سے باہر نہ نکل آئی ہو۔ بلکہ مدینے میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو باہر نہ نکلا ہو۔ تب وہ سب کے سب روپیٹ رہے تھے۔

بشیر بن جندیم کہتا ہے کہ جب میں نے اہل مدینہ کو امام حسینؑ کی خبر شہادت سنا دی تو ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو شہر سے نکل نہ پڑا ہو۔ اس وقت میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور واپس ہوا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ تمام راستے اور مقامات لوگوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں گھوڑے سے اتر پڑا اور لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا امام علیؑ بن حسینؑ کے خیمہ پر جا پہنچا۔ جب لوگ آپ کے خیمے کے چاروں طرف جمع ہو گئے تو آپ باہر تشریف لائے۔ آپ ایک کپڑا لیے ہوئے تھے جس سے اپنے آنسو پونچھنے جاتے تھے۔ ایک خدمت گار نے آپ کے لیے ایک کرسی لاکر رکھ دی۔ جس پر آپ جلوہ افروز ہو گئے لیکن آپ کے آنسو روکے نہ رک رہے تھے۔ لوگ چیخ چیخ کر رو رہے تھے اور آپ کے والد بزرگوار کا پر سہ دے رہے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو خاموش ہو جانے کا اشارہ فرمایا اور کہنا شروع کیا: حمد ہے اس اللہ کے لیے جو ساری دنیاؤں کا پروردگار ہے۔ وہ رحمن اور رحیم ہے، یوم جزا کا مالک ہے۔ ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ دور ہے ان معنی میں کہ اونچے آسمانوں کی طرح بلند مرتبہ ہے۔ وہ قریب ہے ان معنی میں کہ سرگوشی تک بھی سن لیتا ہے۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں بڑے معاملات پر، زمانہ کی ڈالی ہوئی مصیبتوں پر، مصیبتوں کی تکلیفوں پر، سختیوں کی چیخ و پکار پر، عظیم تباہیوں پر، بڑی مشکلوں پر جو تباہ کرنے والی، ایذا پہنچانے والی ہمارے گمراہ اور وسیع ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ نے جو سزاوار حمد ہے ہم کو بڑی آزمائش میں مبتلا کیا، جب کہ اسلام میں سخت رخنہ پڑ گیا تھا۔ ابو عبد اللہ حسینؑ اور ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا گیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔ ان کے سراقہ کو نیزہ کی آتی پر رکھ کر شہر بہ شہر پھیرایا گیا۔ یہ ایک ایسی مصیبت ہے جس کے مثل کوئی اور مصیبت نہیں ہے۔

اے لوگو! کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو ان کے قتل ہو جانے کے بعد خوش رہ سکے۔ کونسا دل ہے جو ان کی وجہ سے غم زدہ نہ ہو۔ تم میں سے کس کی آنکھ ہے جو اپنے آنسوؤں کو روک



سکے اور گریہ کو دبا سکے۔ کونسا دل ہے جو ان کے قتل پر بے چین نہ ہو۔ کونسا دل ہے جو ان کے لیے نہ پیچے اور کونسا کان ہے جو اسلام میں اس دراز کے پڑ جانے کو سنے اور بہرہ نہ ہو جائے۔

اے لوگو! ہم وطن سے نکالے گئے۔ در بدر کیے گئے اور شہر بہ شہر ہٹکائے گئے۔ اپنے گھر سے اور اپنے شہروں سے دور کر دیے گئے، جبکہ نہ ہم نے کوئی جرم کیا تھا نہ کوئی ناجائز فعل کیا تھا۔ نہ اسلام میں کوئی رخنہ ڈالا تھا۔ ہم نے ایسی بات اپنے پیشرو آباؤ اجداد میں کبھی نہ سنی تھی۔ یہ نئے افتراء کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ قسم بخدا! اگر رسول اکرمؐ ان لوگوں کو ہمارے قتل کی وصیت فرماتے، جیسے آنحضرتؐ نے ان کو ہمارے حق میں وصیت فرمائی تھی تو یہ لوگ اس حد تک زیادتی نہ کرتے۔ بس ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ ہم اس عظیم مصیبت سے گزر کر جو کیسی عظیم ہے، کیسی دکھ پہنچانے والی ہے، کیسی کچل ڈالنے والی ہے، کیسی تلخ اور کیسی شدید ہے۔ بس جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا ہے اور جو ہم نے کیا ہے، اس کا حساب ہم اللہ کے یہاں کریں گے کیونکہ اللہ ہی بڑا قدرت والا اور انتقام لینے والا ہے۔

آپ کی تقریر نے اس مجمع کے دلوں میں رنج و غم کی ہر دوڑادی جو آپ کے چاروں طرف اکٹھا ہو گیا تھا۔ سارا علاقہ رونے اور چیخنے کی آوازوں سے تھرا اٹھا۔ مسلمانوں نے اس شدید صدمے کی تلخی محسوس کی، جس نے اسلامی معاشرے کو ہلا ڈالا تھا۔ اس نے ان کو اپنی اس عظمت کے دفاع کی خاطر جس پر ہر طرف سے خطرے گھیرا ڈال رہے تھے۔ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے ان کی رگوں میں نئی لہریں، ان کے ضمیروں میں نئی چنگاریاں پیدا کر کے ان میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اب ہر مسلمان کے ضمیر میں احساس گناہ پیدا ہوا اور اس نے سوچا کہ جب حسینؑ نے ہم سے مدد طلب فرمائی تھی تو ہم نے آپ کی مدد نہ کی، آپ کی پکار کو سنا اور اس پر لبیک نہ کہا۔ چنانچہ اس کے بعد اسلامی معاشرے میں وقتاً فوقتاً مسلح تحریکیں اٹھنے لگیں، جن کو وہ لوگ برپا کر رہے تھے جن میں احساسِ خطا و تقصیر پیدا ہو گیا تھا اور جنہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ حسینؑ جو رسول اکرمؐ کے چمن کے پھول تھے، ان کے قتل کیے جانے اور ان کی عورتوں کے قیدی بنائے جانے کے بعد سے ہر مسلمان کی آبرو و یزید بن معاویہ اور امویوں کے قدموں کے نیچے آن پڑی تھی۔ چنانچہ امام حسینؑ کی شہادت کے تین ہی سال کے اندر اندر یزید بن معاویہ کے خلاف تو اہلین، مختار ثقفی اور مدینہ اور اس کے اطراف کے مسلمانوں کی تحریکیں



اٹھیں۔ آپؑ ہی کی شہادت ان تحریکوں کے برپا کرنے والوں کو آنیچ بہم پہنچاتی رہی اور ان کو آپؑ کی نصرت سے کنارہ کش رہنے اور ظالموں اور ان کے ساتھیوں کے سامنے جھک جانے کی بجائے — موت کا مقابلہ کرنے کی قوت بخشتی رہی۔ اس کے بعد اموی حکومت کے خلاف انتقام لینے والوں کا سلسلہ جاری رہا جن کی قیادت معرکہ کربلا کے بلند مقاصد ہی کر رہے تھے جن کی بدولت یہ لوگ جس امر کو حق خیال کرتے تھے اس کے لیے قربانیاں دیتے رہے اور اس کے لیے پوری قوت سے کوشاں رہے یہاں تک کہ کربلا میں امام حسینؑ اور آپؑ کے عظیم صحابیوں پر گزرنے والے مصائب کی بدولت اموی حکومت کی بنیادیں اکھڑ گئیں اور اس کی بجائے عباسی حکومت قائم ہو گئی۔ پھر بھی ظلم و جور اور فساد کے خلاف وہ تحریکیں جن کی قیادت کربلا کی روح کر رہی تھی دسیوں بلکہ سیکڑوں سال تک پیہم جاری رہیں۔

اپنی اس تقریر کو تمام کرنے کے بعد امام زین العابدینؑ مدینے میں داخل ہوئے جبکہ آپؑ اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ آپؑ نے ملاحظہ فرمایا کہ اہل مدینہ پر غم و اندوہ کے باعث وحشت طاری ہو گئی ہے اور آپؑ کے اہل خاندان کے مکانات خالی پڑے اپنے رہنے والوں کا ماتم کر رہے ہیں۔ چنانچہ آپؑ اپنے قیام کے ابتدائی سالوں میں لوگوں سے کنارہ کش رہے اور دنیا کی کسی شے میں دلچسپی نہ لیتے تھے۔ صرف اپنے والد بزرگوار اور اپنے بھائیوں پر رویا کرتے تھے جو ان کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ محدثین نے آپؑ کا شمارنے والوں میں کیا ہے کیونکہ آپؑ اپنے والد بزرگوار پر بیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے تک گم بہ کرنے لگے۔

حلیۃ الاولیاء میں بہ سند ابو حمزہ ثمالی امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: علیؑ بن حسینؑ سے آپؑ کی کثرت گریہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: مجھ کو کچھ نہ کہا کرو، کیونکہ یعقوبؑ پیغمبر کی اولاد میں سے صرف یوسفؑ ہی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ اس پر وہ اس قدر روئے کہ ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں جبکہ میں نے کربلا کی ریتی پر اپنے گھر کے چودہ افراد کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ان کا غم میرے دل سے مٹ سکتا ہے؟

ابن شہر آشوب نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ امام سجادؑ کے سامنے جب بھی کھانا رکھا جاتا، آپؑ رونے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؑ کے ایک غلام نے کہا:



میں آپ پر فدا ہو جاؤں اے فرزند رسول! مجھ کو خوف ہے کہ اس شدید گریہ میں آپ جان سے گزر جائیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا: میں اپنے رنج و غم کا حال اپنے اللہ سے بیان کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے مجھ کو وہ چیز معلوم ہے جو تم نہیں جانتے ہو۔ میں جب بھی بنی فاطمہؑ کے قتل ہونے کو یاد کرتا ہوں روتے روتے میرا سانس رکنے لگتا ہے۔

شیخ صدوق نے خصال میں روایت کی ہے کہ آپ اپنے والد بزرگوار حسینؑ مظلومؑ پر بیس سال تک روتے۔ ایک غلام نے آپ سے کہا: سانحہ کربلا پر طویل مدت گزر چکی ہے۔ اب تو آپ کا غم ختم ہو جانا چاہیے۔ اس پر آپ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے اللہ نے صرف یوسفؑ کو ان کے سامنے سے پوشیدہ کر دیا تھا۔ پس ان پر روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی، بال سفید ہو گئے اور غم کے بوجھ سے مکر خمیدہ ہو گئی تھی، حالانکہ وہ بیٹا دنیا میں زندہ و موجود تھا۔ جبکہ میں نے اپنے چاروں طرف اپنے باپ، چچا اور اپنے خاندان کے سترہ افراد کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر میرا رنج کیسے ختم ہو سکتا ہے۔

یہ بات راویوں میں اور ان تمام لوگوں میں مشہور تھی جنہوں نے آپ کی سیرت اور تاریخ پر قلم اٹھایا ہے۔ اس رگتا رونا کے ساتھ ساتھ آپ کوئی مناسب موقع سمجھتے تھے جس میں کربلا میں اپنے والد بزرگوار اور اپنے گھرانے پر گزرے ہوئے حالات کا ذکر نہ کرتے ہوئے چنانچہ آپ مدینے میں قصابوں کے بازار سے گزرتے تو رک کر ان سے دریافت کرتے کہ کیا انہوں نے ذبح کرنے سے پہلے بکری کو پانی پلا لیا ہے؟ جب آپ ان کو یہ کہتے ہوئے سنتے کہ ہم لوگ کسی جانور کو پانی پلائے بغیر ذبح نہیں کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑا سا ہی ہو، تب آپ رو کر فرماتے: ہائے! ابو عبد اللہ عالم مسافرت میں پیاسے قتل کر دیے گئے۔ آپ کے گریہ کرنے سے سب لوگ رونے لگتے۔ یہاں تک کہ رونے کی آوازیں بلند ہو جاتیں اور لوگ آپ کے پاس جمع ہو جاتے۔ آپ کو راستے میں کوئی مسافر مل جاتا تو آپ اس کو اپنے گھر کھانے پر بلا لیتے اور رو کر فرماتے: ہائے! ابو عبد اللہ میدان کربلا میں عالم مسافرت میں بھوکے پیاسے قتل کر دیے گئے۔ نیز آپ اپنے والد بزرگوار کے قتل کے بعد کے ابتدائی سالوں میں ایسی تدبیریں اختیار فرماتے تھے جن سے لوگوں کے ذہنوں میں ظالموں سے دشمنی کے علاوہ بیزبداور اس کی حکومت سے نفرت پیدا ہوتا کہ وہ مناسب وقت پر راہ حق میں قیام کے لیے تیار رہیں۔ آپ کی پھوپھی زینب کبریٰؑ







کیا اور ان کو بڑے بڑے انعامات دیے لیکن انھوں نے دیکھا کہ یزید اخلاق، دین اور تمام مذہبی قدروں، نیز مقدس چیزوں کی تذلیل کرتا تھا۔ پس جب وہ مدینہ واپس آئے تو انھوں نے اہل مدینہ کے سامنے یزید کا دین کے ساتھ ذلت آمیز سلوک، اسکی بدکاریاں اور بے حیائیاں بیان کیں اور خود کو اس کی بیعت اور اطاعت سے آزاد قرار دیدیا۔ اس کے خلاف ان کے اس غیظ و غضب کا نمایاں ترین سبب امام حسینؑ کا قتل تھا۔ جیسا کہ مسعودی جیسے مورخوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، حتیٰ کہ عام لوگوں کے ذہنوں کو یزید اور اس کے گھرانے کے خلاف دشمنی اور نفرت سے بھرے ہوئے دیکھ کر علویوں کے دشمن اپنی مصلحتوں کے تحت اس سے اپنی نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ میں، ابن اثیر نے کامل میں اور ابن کثیر نے بدایہ و نہایہ میں کہا ہے: ۱۔ میں جب امام حسینؑ کو قتل ہو گئے تو عبداللہ بن زبیر نے اہل مکہ کے درمیان کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے آپ کی شہادت کو ایک عظیم واقعہ قرار دیا، پھر تمام اہل عراق اور خاص طور پر اہل کوفہ کو ملامت کی اور آپ کو قتل کرنے والوں پر لعنت کی۔ انہوں نے کہا کہ اہل عراق دھوکہ دینے اور گناہ کرنے والے ہیں اور ان میں سے اہل کوفہ بدترین افراد ہیں۔ انہوں نے حسینؑ کو دعوت دی کہ ہم آپ کی نصرت کریں گے اور آپ کو اپنا حاکم بنا لیں گے لیکن جب آپ وہاں گئے تو ان لوگوں نے آپ کو گھیر لیا اور کہا کہ یا تو آپ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں، تاکہ ہم آپ کو ابن زیاد کے پاس بھیج دیں اور وہ آپ کے بارے میں فیصلہ کرے۔ ورنہ آپ ہم سے جنگ کیجیے۔ قسم بخدا! نب آپ کے اصحاب نے دیکھ لیا کہ وہ ایک بڑی تعداد کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ اللہ نے کسی کو یہ علم غیب نہیں دیا ہے کہ وہ قتل ہونے والا ہے لیکن حسینؑ نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی۔ اللہ حسینؑ پر رحم فرمائے اور ان کے قاتل کو ذلیل کرے۔ ہائے! ان لوگوں نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا، جو رات میں دیر دین تک نمازوں میں مصروف رہتے اور بیشتر دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے قرآن کی تلاوت کی بجائے موسیقی اور روزہ داری کی جگہ شراب خوری کو اختیار نہیں کیا تھا، جیسا کہ یزید بن معاویہ کرتا تھا۔ مختلف طریقوں سے اسی طرح امام حسینؑ کے قتل پر غم و اندوہ کا اظہار کیا کرتے اور ان کے قتل کا حکم دینے والے (یزید) کے خلاف لوگوں کو ابھارا کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ یزید کے خلاف اہل مدینہ کے سینے غصے سے بھر گئے۔ پھر امام سجادؑ اور جناب زینبؑ



کے طرز عمل نے ان لوگوں کو اور بھی مستعد کر دیا۔ نیز ان کی ایک جماعت یزید کے پاس گئی، حالانکہ اس نے ان کی عزت کی، ان کو دل کھول کر رقیس دیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ پھر بھی ان لوگوں نے واپس آکر اس کی بیعت توڑ ڈالی۔ چنانچہ عبداللہ بن حنظلہ نے کہا کہ میں تمہارے پاس ایسے آدمی سے مل کر آیا ہوں کہ اگر میرے ساتھ میرے ان بیٹوں کے علاوہ کوئی اور شخص نہ بھی ہو، تب بھی میں اس سے ضرور جنگ کروں گا۔ اگرچہ اس نے میری عزت کی اور مجھ کو بہت سارا مال بھی دیا ہے، لیکن میں نے اس کا یہ مال صرف اپنی قوت بڑھانے کے لیے لیا ہے۔

یزید بن معاویہ کے پاس جانے والے وفد میں منذر بن زبیر بھی شامل تھے۔ انہوں نے کہا: یزید نے مجھ کو ایک لاکھ کی رقم دی ہے، لیکن اس کا یہ انعام بھی مجھ کو اس کے بارے میں تم لوگوں کو صحیح صحیح اطلاع دینے سے باز نہیں رکھ سکتا، کیونکہ میرا فرض ہے کہ میں تم لوگوں کو اس کے متعلق خبر دوں اور اس کے حالات تمہیں سچ سچ بتا دوں۔ قسم بخدا! وہ بکثرت شراب پیتا ہے۔ وہ نشہ میں اس قدر چور ہو جاتا ہے کہ نماز کتوا دیتا ہے۔ اسے وہ تو سارے ہی ناجائز افعال کا ارتکاب کرتا ہے۔ حتیٰ کہ حرام عورتوں کو حلال سمجھ کر اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ پھر وفد کے دوسرے اراکین نے بھی اسی سے ملتی جلتی باتیں کہیں۔

تاریخ خمیس کی دوسری جلد میں ہے کہ اہل مدینہ نے امام حسینؑ کو قتل کرنے اور اس کی دوسری بدکاریوں کے باعث یزید کی بیعت توڑ ڈالی اور اس کے دشمن بن گئے۔ مسعودی کی رقاۃ کے مطابق اہل مدینہ نے عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن مطیع کو اپنے اوپر حاکم قرار دے کر یزید کے گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو نکال باہر کیا۔ تیز بنی امیہ کو مروان کے گھر میں محبوس کر دیا اور پھر ان کو مدینے سے نکال دیا۔ یہ واقعہ ۶۳ھ کا ہے۔ محمد بن علی بن طباطبا عرف ابن طقطقی کی کتاب الفخری کے صفحہ ۱۰۳ پر ہے کہ اہل مدینہ نے امام حسینؑ کے قتل کے بعد ۶۲ھ میں یعنی آپ کے قتل کے ایک سال بعد یزید کے خلاف تحریک کھڑی کر دی۔

اسی سال واقعہ حرہ ہوا۔ یہ مدینے کے باہر ایک مقام ہے۔ جب مروان اور دیگر بنی امیہ شام کی طرف چلنے لگے تو انھوں نے اپنے اہل و عیال کو مدینہ میں چھوڑ دیا۔ چنانچہ مروان بن حکم نے عبداللہ بن عمر سے بات کی کہ وہ اپنے عیال ان کی حفاظت میں چھوڑ جائے لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ تب اس نے امام علی بن حسینؑ سے کہا اور آپ اس پر رضا مند ہو گئے۔ چنانچہ مروان



کے گھروالے آپ کی حفاظت میں رہے تا انیکہ وہ معرکہ ختم ہو گیا۔ جب یزید کو معلوم ہوا کہ اہل مدینہ نے کیا سے کیا کر ڈالا ہے تو اس نے مسلم بن عقبہ مری کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ جب یہ لشکر حرہ پہنچا تو اہل مدینہ عبداللہ بن حنظلہ کی قیادت میں لڑنے کے لیے نکلے۔ طرفین میں گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں لشکر شام کو غلبہ حاصل ہوا۔ پس عبداللہ نے اپنے آنکھوں بیٹوں کو آگے بڑھایا اور خود بھی ان کے ساتھ قتل ہو گئے۔

مسعودی مروج الذهب میں کہتے ہیں: اس معرکہ میں آدمیوں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی۔ جن میں بنی ہاشم، قریش، انصار اور باقی تمام لوگ شامل تھے۔ وہ مزید کہتے ہیں: ان میں آل ابوطالب میں سے دو افراد یعنی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالب مارے گئے۔ آل ابوطالب کے علاوہ بنی ہاشم میں سے فضل بن عباس بن ربیعہ بن حرث بن عبدالمطلب، حمزہ بن عبداللہ بن نوفل بن حرث بن عبدالمطلب اور عباس بن عتبہ بن ابی لہب اور کچھ اوپر نوے افراد قریش کے۔ اتنے ہی انصار اور عوام الناس میں سے چار ہزار جو شمار میں آتے۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن کا پتا ہی نہیں چلا۔ پھر لوگوں نے اس امر پر بیعت کی کہ وہ سب یزید کے غلام ہیں۔ جس کسی نے اس سے انکار کیا وہ مسلم بن عقبہ کے حکم سے تہ تیغ کر دیا گیا، سوائے علی بن حسینؑ اور علی بن عبداللہ بن عباس کے۔ اس پر وہ یہ اضافہ کرتے ہیں کہ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ علی بن حسینؑ رسول اکرمؐ کی قبر مطہرہ پر پناہ گزیں ہیں تو وہ آپ کو مسلم بن عقبہ کے پاس لے آئے، جبکہ وہ غصے میں بھرا تھا اور آپ پر اور آپ کے آباء کرامؑ پر لعنت کر رہا تھا لیکن جب اس نے آپ کو اپنی طرف پڑھتے ہوئے دیکھا تو کانپ گیا اور کھڑے ہو کر آپ کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ پھر بولا: اپنی حاجت مجھ سے بیان فرمائیے لیکن آپ نے کوئی حاجت ظاہر نہیں کی۔ البتہ جو کوئی قتل کیے جانے کے لیے لایا جاتا آپ اس کی سفارش کر دیتے تھے۔ پھر آپ اس کے پاس سے چلے گئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے آپ سے کہا: غالباً آپ کے گھر والے پریشان ہوں گے۔ آپ نے فرمایا، بخدا یقیناً، تو اس نے اپنا گھوڑا منگوا یا، اس پر زین کسوائی اور آپ کو اس پر روانہ کر دیا۔

مسعودی کا بیان ہے کہ جب علی بن حسینؑ اس کے پاس سے چلے گئے تو لوگوں نے



اس سے کہا کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ تمہارے ہونٹ ہل رہے تھے۔ بتاؤ اس وقت تم کیا کہہ رہے تھے۔ اس نے کہا: میں یہ کہہ رہا تھا کہ اے میرے اللہ! سات آسمانوں اور جو کچھ ان کے زیر سایہ ہے، سات زمینوں اور جو کچھ ان کے اوپر ہے، اے ان سب کے پروردگار! اے با عظمت عرش کے پروردگار! اے محمدؐ اور ان کی آل پاک کے پروردگار! میں ان کے حق میں شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تیری حمایت میں ان سے ملاقات کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ کو ان کے ساتھ بھلائی کی توفیق عطا کر اور ان کے ساتھ برائی سے مجھ کو محفوظ رکھ۔

لوگوں نے مسلم بن عقیہ سے کہا: ہم نے دیکھا کہ تم ان صاحبزادے کو اور ان کے اسلاف کو برا کہہ رہے تھے لیکن جب ان کو تمہارے پاس لایا گیا تو تم نے ان کی عزت کی! اس پر وہ بولا: اس وقت میرا ارادہ سلب ہو گیا تھا اور میرے دل پر ان کا رعب چھا گیا تھا۔

طبری کی روایت میں ہے کہ یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقیہ کو امام علیؑ بن حسینؑ کے بارے میں ہدایت کر دی تھی۔ چنانچہ مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کی معیت میں جب آپ اس کے پاس پہنچے تو اس نے آپ کو دیکھ کر کہا: آپ ان دونوں کے ساتھ میرے پاس آئے ہیں۔ بخدا اگر معاملہ انہی دونوں پر ہوتا تو میں آپ کو ضرور قتل کرتا لیکن امیر یزید نے مجھ کو آپ کے بارے میں وصیت کر دی ہے۔ میرے نزدیک وہی آپ کے لیے فائدہ مند رہی نہ کہ آپ کا ان دونوں کے ساتھ آنا۔

کچھ بعید نہیں ہے کہ یزید نے مسلم بن عقیہ کو علویین کے ساتھ اچھے سلوک کی ہدایت کی ہو۔ اس لیے نہیں کہ وہ کوئی بھلائی کرنا چاہتا تھا یا کسی کی بھلائی چاہتا تھا، نہ اس لیے کہ وہ محمد رسول اللہؐ یا امام علیؑ کی اولاد میں سے کسی کی زندگی کا خواہشمند تھا بلکہ اس لیے کہ اس کو اپنے اس ظلم کا شدید احساس ہو گیا تھا جو اس نے امام حسینؑ اور ان کی اولاد پر کیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے تخت کو ہر طرف سے خطرہ ہی خطرہ ہے کیونکہ اس کی ساری مملکت میں خون حسینؑ کے انتقام کی آوازیں گونج رہی ہیں جن پر ہر طرف سے لبیک کہا جا رہا ہے۔ اہل مدینہ کی تحریک بھی کر بلا میں حسینؑ اور ان کی اولاد کی شہادت کے باعث برپا ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھی اس ظالم اموی حکومت کے خلاف مزید تحریکیں اٹھنے والی تھیں جن کی بنیاد حسینؑ کے وہ اصول تھے جن کے لیے وہ شہید ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد



یزید بن معاویہ کو ان سب باتوں کا احساس ہو گیا تھا۔ ان تلخ نتائج کے بعد غالباً اس کو اپنے باپ کی اس وصیت کا راز بھی معلوم ہو گیا ہوگا جس میں اپنی موت سے قبل انہوں نے کہا تھا کہ اہل کوفہ امام حسینؑ کو صرف اس لیے بلائیں گے کہ وہ ان کو بنی امیہ کے خلاف کھڑا کر دیں۔ پس اگر تم کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائے تو ان کو کوئی گزند نہ پہنچانا، کیونکہ ان کے ساتھ تمہاری قرابتداری ہے۔ معاویہ اپنے بیٹے یزید سے نہ تو ذہنی طور پر زیادہ کشادہ تھے اور نہ ان کا دل اس سے زیادہ پاکیزہ تھا۔ نہ معاویہ اور ان کے باپ یا ان کے گھرانے نے اسلام کے خلاف ان پہلے معرکوں میں قرابتداری کا کوئی لحاظ کیا تھا جو نبی اکرمؐ اور علیؑ بن ابی طالب کے ساتھ ہوتے رہے تھے۔ ابھی جنگ احد میں حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ ہندہ اور ابوسفیان کا برا سلوک ذہنوں سے محو نہ ہوا تھا لیکن معاویہ اپنے بیٹے کے مقابلے میں واقعات کے نتائج کے بارے میں زیادہ دُور اندیش اور ان کا احساس رکھنے والے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے مقاصد کو آسان ترین طریقوں سے حاصل کرنے کے خواہشمند رہتے تھے۔

پس یہ بعید نہیں ہے کہ یزید بن معاویہ نے اپنے جرنیل مسلم بن عقبہ کو علیؑ بن حسینؑ کے حق میں ہدایت کر دینی ہو کیونکہ معرکہ کربلا کے بعد جا بجا لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، وہ بھی جن پر حسینؑ کا وجود اس سے کچھ زیادہ ناگوار تھا جتنا کہ یزید بن معاویہ کے لیے تھا۔ وہ بھی آپ پر روتے اور لوگوں کو یزید اور دوسرے امویوں کے خلاف ابھارتے رہتے تھے۔ بہر حال امام علیؑ بن حسینؑ اور ان کے اہل خاندان اور وہ لوگ جو آپ کے گھر میں پناہ گزین ہو گئے وہ سب مسلم بن عقبہ کے مظالم سے محفوظ رہے۔ راویوں کا بیان ہے کہ چار سو سے زیادہ خاندان علیؑ بن حسینؑ کی پناہ میں آ گئے تھے۔

زمنشہری کی ربیع الاول میں ہے کہ جب یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تو امام زین العابدینؑ نے چار سو عورتوں، ان کے بچوں اور نوکرؤں وغیرہ کو اپنی کفالت میں لے کر اپنے عیال میں شامل فرما لیا۔ آپ ان کے اخراجات اس وقت تک برداشت فرماتے رہے جب تک مسلم بن عقبہ کا شکر مدینہ سے چلا نہیں گیا۔ ان میں سے ایک عورت قسم کھا کر بیان کرتی تھی کہ میں نے اپنے باپ کے گھر میں بھی اتنا چین اور آرام نہ پایا تھا جتنا کہ علیؑ بن حسینؑ کے گھر میں پایا۔



ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ تاراجی مدینہ میں انصار و غنما جرہن میں سے مرنے والوں کی تعداد ایک ہزار سات سو تک پہنچ گئی تھی جبکہ عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر دیگر مقبولین کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔ وہ مزید کہتے ہیں: مسلم بن عقبہ کے لشکر کا ایک آدمی ایک انصاری عورت کے پاس پہنچا، جو زچگی کی حالت میں اپنے بچے کو لیے ہوئے تھی، وہ بولا: کچھ مال ہے؟ اس نے کہا۔ نہیں بخدا ہمارے پاس لوگوں نے کچھ نہیں چھوڑا۔ تب وہ بولا: مجھ کو کچھ نہ کچھ نکال کر دے، ورنہ میں تجھ کو اور تیرے بچے کو مار ڈالوں گا۔ اس نے کہا، وائے ہو تجھ پر یہ ابو کبشہ انصاری کا بیٹا ہے جو رسول اللہؐ کے صحابی ہیں۔ اس شخص نے اس بچے کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹا جب کہ پستان اس کے منہ میں تھا، پھر اسے دیوار سے دے مارا جس سے اس کا بھیجا زین پر بکھر گیا۔

جنگ کے دوران اور خاص کر ان تین دنوں میں جبکہ مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو قتل عام کے لیے مباح قرار دیا تھا، مدینہ کے لوگوں میں سے کوئی عورت یا مرد اہل شام کے لشکر سے محفوظ نہیں رہا، سوائے اس کے جو بھاگ گیا ہو یا جس نے علیؑ بن حسین کے گھر میں پناہ لے لی ہو۔

ادھر یزید بن معاویہ مدینہ میں خروج کرنے والوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ ادھر کوفہ کے تو ابین یزید اور اس کے ساتھیوں پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے اس المیہ کی تلخی اس وقت سے محسوس کرنا شروع کر دی تھی جب امام زین العابدینؑ نے ان لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے غم و اندوہ کا بیان فرمایا تھا جو کوفہ کی سڑکوں پر سرہائے شہداء اور قیدیوں کو دیکھنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے اہل کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ تم نے میرے والد بزرگوار کو خط لکھے اور پھر ان کو دھوکا دیا۔ تم نے ان سے عہد و پیمان کیا اور پھر انہی سے جنگ کی۔ کتنی بری ہے تمہاری رائے اور کتنے برے ہیں وہ اعمال جو اپنے لیے تم نے آگے بھجے ہیں۔ تم رسول اللہؐ کی طرف کس طرح نظر اٹھا سکو گے جب آنحضرتؐ تم سے فرمائیں گے: تم نے میری عترت کو قتل کر ڈالا اور میری حرمت کو برباد کر ڈالا۔ پس تم میری امت میں سے نہیں ہو۔



راوی کہتے ہیں کہ اس پر ہر طرف سے لوگوں کے رونے کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور وہ سب ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: تم ہلاک ہو گئے اور تم کو اس کی خبر بھی نہیں ہے جناب زینب بنت علیؑ نے ان لوگوں کو روتے اور واویلا مچاتے دیکھ کر فرمایا: بخدا! اب تم روؤ گے بہت اور سنسو گے کم، کیونکہ تم سے بہت ذلت اور بے حیائی کا کام ظاہر ہوا ہے جس کی کالک کو کبھی دھونہ سکو گے۔ ہاں! تم خاتم الانبیاءؑ کے نواسے اور سردارِ جوآنِ جنت کے داغ کو دھو بھی کیسے سکتے ہو؟

راویوں کا بیان ہے کہ ان واقعات کے بعد کوفہ کے لوگ باہم ملے اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہاتے افسوس کہ ہم نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو بلایا اور وہ ہمارے ہاں آکر قتل ہو گئے کیونکہ ہم نے ان سے اپنی جانوں کو چرایا۔ نہ زبان سے ان کی حمایت کی، نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے ان کی مدد کی، نہ اپنے مال سے ان کو سہارا دیا۔ اب اللہ کے سامنے اور نبی اکرمؐ سے ملاقات کے وقت ہمارے پاس کیا عذر ہوگا؟ نہیں! بخدا! اس کے علاوہ کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ ہم ان کو قتل کرنے والوں کو قتل کر ڈالیں یا اس کوشش میں خود قتل کر ڈالے جائیں۔ ممکن ہے کہ اس طرح اللہ ہماری توبہ قبول کرے۔

سلیمان بن صرد خزاعی نے کہا: پہلے تو ہم گردنیں اٹھا اٹھا کر اپنے نبیؐ کی آل کے آنے کا انتظار کرتے رہے اور ان کو فتح و نصرت کی امید دلا کر یہاں آنے کی دعوت دیتے رہے لیکن جب وہ آگئے تو ہم ان سے بے نیاز ہو گئے اور بے عمل ہو کر صرف یہ دیکھتے رہے کہ اب کیا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے سامنے ہمارے نبیؐ کے فرزند ان کی نسل اور ان کے جگر کے ٹکڑے کو قتل کر دیا گیا۔ پس اٹھ کھڑے ہو کہ تمہارا پردہ گارتم پر غضبناک ہے۔ اب اپنی عورتوں اور بچوں کے پاس ہرگز واپس نہ جاؤ تا اینکه اللہ تم سے راضی نہ ہو جائے۔ میرے خیال میں وہ اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک فرزند رسولؐ کے قتل ہو جانے کے عوض تم اپنے آپ کو مٹانے ڈالو گے یا تباہ نہ ہو جاؤ گے۔ انھوں نے مزید کہا: دیکھو موت سے ہرگز نہ ڈرنا۔ بخدا جو کوئی موت سے ڈرتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

سلیمان بن صرد نے سعد بن حذیفہ بن الیمان اور دوسرے شیعوں کو مدائن میں اور مثنیٰ بن محرزہ عبدی کو بصرہ میں خط لکھے اور امام حسینؑ کے خون کا انتقام لینے کے لیے بلایا۔



خود سلیمان اور ان کے وہ ساتھی جو قتل حسینؑ کے وقت کوفہ میں تھے تیاریاں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک لشکر تیار ہو گیا جو تاریخ میں لشکر تواہین کے نام سے مشہور ہے۔ ان لوگوں نے اپنی بات کو کسی سے پوشیدہ نہیں رکھا۔ بلکہ ہتھیار اور جنگ کی دوسری ضروریات خریدنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ ہر طرف اعلان کرتے جاتے تھے کہ اے اللہ! ہم دنیا نہیں چاہتے، نہ اس کے لیے فوج کشی کر رہے ہیں۔ بلکہ ہم صرف خون حسینؑ کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی تحریک روز بہ روز ترقی کرنے لگی۔ خاص کر یزید بن معاویہ کی موت کے بعد یہ آواز کوفہ، بصرہ اور مدائن کے ہر گھر تک پہنچ گئی۔ یہاں تک کہ سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھیوں کی بیعت کرنے والوں کی تعداد سولہ ہزار تک پہنچ گئی۔

پھر جو نہی ۶۵ میں سال ہجری کا آغاز ہوا۔ ”یَا لثَارَاتِ الْحُسَیْنِ“ (اے خون حسینؑ کا انتقام لینے والو!) کے نعرے سے بنی امیہ اور ان کے ساتھیوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ یہ لوگ مسلح ہو کر کوفہ کی گلیوں اور سڑکوں پر آ گئے اور لوگوں کو کہنے لگے کہ حسینؑ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس پر خدا سے توبہ کریں اور اب حسینؑ کو قتل کرنے والے ظالموں سے انتقام لینے میں شریک ہو جائیں۔ شب جمعہ ۵ ربیع الثانی ۶۵ھ کو یہ لوگ کوفہ سے امام حسینؑ کے مزار کی طرف چلے۔ وہ یہ آیت تلاوت کرتے جاتے تھے:

فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ۔

تم اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کرو۔ پس اپنے آپ کو قتل کر ڈالو۔ یہ تمہارے پروردگار کے نزدیک تمہارے لیے بھلائی کا باعث ہے۔ (سورۃ بقرہ۔ آیت ۵۴) قبر مطہر پر پہنچ کر سب کے سب رونے اور نوحہ کرنے لگے۔ وہاں ایک دن رات بھرے وہ کہتے تھے:

اے اللہ! ہم نے تیرے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو تنہا چھوڑ دیا۔ ہماری توبہ قبول کر لے اور ہماری مغفرت فرما۔ بیشک تو بڑا توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا ہے، نیز حسینؑ اور ان کے اصحاب پر رحمت نازل فرما جو شہید ہوئے اور صدیقین میں شامل ہیں۔ خدا وندا! ہم تجھ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم اسی راہ پر قائم ہیں جس پر



وہ قتل کیے گئے۔ اگر تو ہم کو نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم یقیناً گھائے میں رہیں گے۔

قبر مطہر سے رخصت ہو کر یہ لوگ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ بہت سے ایسے لوگوں کو کوفہ میں ہی چھوڑ آئے جو کربلا کی جنگ میں شریک رہے تھے۔ اس وقت مروان بن حکم حکومت پر قابض ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے عبید اللہ بن زیاد کی قیادت میں شام سے ایک لشکر بھیجا تاکہ وہ کوفہ کی اس تحریک کو کچل دے۔ تب یہ دونوں لشکر عین الوردہ کے مقام پر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ پس یہ طاہرین قصاص موت سے بے پروا ہو کر ایک طوفان کی مانند عبید اللہ بن زیاد کے لشکر پر چھٹ پڑے۔ پھر دونوں میں وہ شدید لڑائی ہوئی کہ قریب تھا کہ ابن زیاد اور اس کا لشکر ختم ہو جائے لیکن ان کو شام سے برابر کمک پہنچ رہی تھی۔ پھر بھی یہ لوگ کئی روز تک نبرد آزما رہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک کر کے وہ سب ہی اپنی جانوں سے گزر گئے۔

اعشی ہمدانی نے ان کے مرثیہ میں یوں کہا ہے:

اس کے بعد شام کی فوج ان کے مقابلے کے لیے آتی رہی جس طرح سمندر کی موجیں ہر طرف سے آتی ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ ڈٹے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سب حسینؑ بن علیؑ پر نثار ہو گئے۔ حتیٰ کہ میدان جنگ میں عماموں کے سوا کچھ باقی نہ بچا۔ یہ تمام اہل صبر وہاں مرے پڑے تھے اور ان پر ہوائیں ادھر سے ادھر چل رہی تھیں۔

یہ تو ابن توبہ اور تلافی کے شہیدوں کی حیثیت سے ختم ہو گئے لیکن اپنے پیچھے عزم اور صبر کی روشنی چھوڑ گئے جس کی نو ایک پشت سے دوسری پشت تک پہنچتی رہے گی۔

۶۹؎ میں مختار کوفہ سے اٹھے اور انہوں نے انتقام خون حسینؑ کے لیے لوگوں کو ترغیب دینا شروع کی۔ وہ بڑے بڑے گروہوں اور مجموعوں

**امیر مختار کی تحریک**

میں واقعات کو بلا بیان کرتے اور وہاں اہل کوفہ کے جرائم کو دہراتے رہتے تھے۔ چنانچہ شیعہ ان کی طرف مائل ہو گئے۔ چنانچہ آپؑ نے بیت المال پر قبضہ کر کے اسے کوفہ والوں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح آپؑ کا اقتدار جم گیا۔ پھر انہوں نے چاہا کہ دعوت کا یہ کام امام علی بن حسینؑ



کے سپرد کر کے خاص کر شیعوں میں اپنی حیثیت کو مضبوط بنالے۔ چنانچہ مختار نے آپ کو خط لکھا اور بہت سا مال بھیجا۔ اس کے ساتھ ہی یہ پیشکش بھی کی کہ میں کوفہ میں آپ کی بیعت کر لوں گا اور لوگوں کو آپ کی جانب دعوت دوں گا۔

یہاں مورخوں کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ امامؑ نے مال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ بلکہ آپ نے مسجد نبویؐ میں لوگوں کے سامنے مختار کو برا کہا۔ چنانچہ آپ کی طرف سے مایوس ہونے پر اس نے آپ کے چچا محمد بن حنفیہ کو لکھا اور بیعت کی پیشکش کی۔ ابن حنفیہ نے امام زین العابدینؑ سے مشورہ لیا۔ آپ نے مشورہ دیا کہ بیعت کی پیشکش مسترد کر دیں اور جو مال مختار تے بھیجا ہے وہ قبول نہ کریں، بلکہ لوگوں پر اس کے عیب ظاہر کر کے اس سے برائت کا اظہار کریں۔ البتہ ابن عباس نے اس امر کو ترجیح دی کہ مختار کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار نہ کریں، ان سے رابطہ قائم رکھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے رہیں کہ ابن زبیر کا کیا حال ہوتا ہے کیونکہ وہ حجاز میں جم گئے تھے اور وہاں ان کا اقتدار مضبوط ہو چلا تھا۔ چنانچہ مسعودی وغیرہ کے بقول ابن عباس نے مختار کی بات کو تسلیم کر لیا اور اس کی برائی کے بارے میں سکوت کیا۔

یہ روایت صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ بات بہر حال مسلم ہے کہ مختار نے امام حسینؑ کے خلاف جنگ کرنے والوں اور ان کے قاتلوں کا اس طرح پیچھا کیا کہ ان میں سے کوئی بچ نہیں سکا، سوائے اس کے جو کوفہ سے بھاگ کر شام جا پہنچا یا ابن زبیر سے جا ملا۔ مختار کے منادی نے کوفہ اور اس کے گرد و نواح میں اعلان کر دیا کہ جو کوئی اپنا دروازہ بند کرے گا اس کو امان مل جائے گی سوائے اس کے جو آل محمدؐ سے جنگ میں شریک رہا تھا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حسینؑ سے لڑنے والوں اور ان کے قاتلوں کو پکڑ کر لائیں۔ جب وہ انہیں لا کر اس کے سامنے کھڑا کرتے تو وہ ان کے ساتھ وہی کچھ کرتا جو انھوں نے حسینؑ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ کیا تھا۔

عمر بن سعد ڈرتے ڈرتے ہر لمحہ اپنی گرفتاری کا انتظار کر رہا تھا۔ چنانچہ مختار نے اس کی طرف ایک آدمی بھیجا جو اس کو قتل کر کے اس کا سر لے آیا۔ مختار نے اس سر پر نظر ڈالی جبکہ اس کا بیٹا حفص دربار میں موجود تھا۔ مختار نے حفص سے دریافت کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟



اس نے کہا: ہاں اور اب ان کے بعد زندگی میں کوئی لطف نہیں رہا۔ مختار نے کہا کہ تم سے یہ کس نے کہا ہے کہ تم اس کے بعد زندہ رہو گے۔ پھر اس کے قتل کا حکم دیدیا اور اس کا سر بھی اس کے باپ کے سر کے برابر رکھوا دیا۔ پھر کہا کہ یہ حسینؑ کے لیے اور یہ علیؑ بن حسینؑ کے لیے لیکن ان میں کوئی برابری نہیں اور پھر رو پڑے۔ مزید کہا کہ بخدا اگر میں حسینؑ کے قصاص میں تین چوتھائی قریش کو بھی قتل کر ڈالوں تو بھی یہ ان کی ایک انگلی کے برابر نہ ہوگا۔ پھر مختار نے ان دونوں کے سر امام علیؑ بن حسینؑ کے پاس بھجوا دیے، بقولے محمد بن حنفیہ کے پاس بھجوائے۔

امام حسینؑ کے قاتلوں اور آپ سے جنگ کرنے والے جن لوگوں کو مختار نے تلاش کروایا، ان میں محمد بن اشعث بھی تھا۔ یہ کوفہ کے باہر ایک بستی میں رہتا تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی تلاش ہو رہی ہے تو وہ اپنے محل سے بھاگ گیا اور کوفہ سے بھاگنے والے دوسرے لوگوں کی مانند مصعب بن زبیر سے جا ملا۔ مختار نے اس کا مکان گروا کر اس کی مٹی اور پتھر سے حجر بن عدی کا مکان بنوا دیا، جس کو عبید اللہ بن زیاد نے شیعوں کے گھروں کے ساتھ گروا دیا تھا۔

مختار، عبید اللہ بن زیاد کے گرفتار ہونے کے لیے گن گن کر دن کاٹ رہا تھا۔ جب اس کو خبر ملی کہ وہ ایک بڑا لشکر بیکر شام سے عراق کی طرف روانہ ہوا ہے اور موصل پہنچ کر اس پر قابض ہو گیا ہے تو اس نے ابراہیم بن اشتر کو کوفہ کے تجربہ کار اور آزمودہ کار شہسواروں پر مشتمل لشکر کے ساتھ ابن زیاد سے جنگ کے لیے روانہ کیا۔ یہ ۲۲ ذی الحجہ ۶۶ھ کا واقعہ ہے۔ دونوں شکروں کا مقابلہ موصل کے قریب خاذر کے مقام پر ہوا۔ ان میں ایسی شدید جنگ ہوئی کہ تاریخ اسلام اس سے زیادہ خونریز جنگ سے واقف نہ ہوگی۔ اس دوران میں عبید اللہ بن زیاد، ابراہیم بن اشتر کے مقابلہ پر آ گیا کیونکہ وہ ان کو پہچانتا نہ تھا۔ چنانچہ ابراہیم نے اس کو قتل کر دیا۔ اس پر تمام شامی سپاہی کھڑے ہوئے اور اپنے ہزاروں مقتولوں کو دریائے خاذر کے کنارے چھوڑ گئے۔ یہ شدید جنگ دس محرم ۶۶ھ کو واقع ہوئی۔ ابراہیم بن اشتر کو خیال ہوا کہ انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ساتھ والوں سے کہا: ان مقتولوں میں اس آدمی کو تلاش کرو جس کو میں نے تلوار ماری تو اس سے مشک کی خوشبو برآمد ہوئی۔ اس کے ہاتھ مشرق کی طرف اور پیر مغرب کی طرف جا پڑے تھے۔ لوگوں نے تلاش کیا تو وہ عبید اللہ بن زیاد



نکلا۔ جس کو ابن اشتر کی ضربت نے دو ٹکڑے کر دیا تھا۔ لوگوں نے اس کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھیج دیا اور اس نے علیؑ بن حسینؑ کے پاس مدینہ بھجوا دیا۔ جب وہ سر آپ کی خدمت میں لیجا گیا تو آپ صبح کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: اے سبحان اللہ! میرے پدر عابد کا سر اقدس اس شخص کے پاس لایا گیا تھا تو یہ بھی صبح کا کھانا کھا رہا تھا۔ یہ طینقات ابن سعد اور استیعاب ابن عبد البر کی روایت ہے۔

رجال کشی میں عمر بن علیؑ بن حسینؑ سے روایت ہے کہ جب مختار نے علیؑ بن حسینؑ کی خدمت میں عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کے سر بھیجے تو آپ نے سجدہ میں گر کر فرمایا: حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے میرے لیے میرے دشمنوں سے خون حسینؑ کا انتقام لے لیا۔ اللہ تعالیٰ مختار کو جزائے خیر دے۔

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: کسی ہاشمی خاتون نے پانچ سال تک سرمہ اور خضاب نہ لگایا تھا جب تک عبید اللہ بن زیاد کا سر مدینہ نہیں آیا۔ فاطمہ بنت امیر المومنین علیؑ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا: جب تک مختار نے عبید اللہ بن زیاد کا سر مدینہ نہیں بھیجا، ہم میں سے کسی عورت نے نہ خضاب کیا نہ آنکھوں میں سرمہ لگایا اور نہ کوئی اور سنگار کیا۔

ابن اثیر نے روایت کی ہے کہ ابن زبیر نے ابن عباس سے کہا: کیا تم کو کذاب (جھوٹے) کے قتل کی خبر نہیں پہنچی۔ انھوں نے پوچھا: وہ کذاب کون ہے۔ انھوں نے کہا: ”ابن ابی عبیدہ!“ انھوں نے کہا: ہاں مجھ کو مختار کے قتل کی خبر پہنچی ہے۔ اس پر وہ بولے: تو گویا تم کو اسے کذاب کہا جانا برا لگا۔ انھوں نے کہا: یہ وہ شخص ہے جس نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا، ہمارے خون کا انتقام لیا اور ہمارے سینوں کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ اس کی جزا یہ نہیں ہے کہ اب اس کو برا کہا جائے اور اس پر ہنسا جائے۔

ائمہ علیہم السلام سے مختار کی راستبازی، مدح اور اس کے لیے رحمت میں کثیر روایات وارد ہوئی ہیں۔ اسی طرح ایسی روایتیں بھی آئی ہیں جو اس کی غلط روی کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور جن میں مؤرخوں اور محققوں نے اس سے ایسے باطل نظریات کو نسبت دی ہے جو اسلام سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔



البتہ ممتاز شیعوں کی ایک جماعت نے جیسے علامہ علیؑ ابن طاووس اور محقق اردبیلی وغیرہ نے اس کو ایسی باتوں سے بری قرار دیا ہے جو اسکی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ جیسا کہ سید عبدالرزاق مکرّم نے اپنی کتاب تنزیہہ المختار میں بیان کیا ہے۔

مختارؑ امویوں اور زبیریوں کے سخت دشمن تھے۔ یہ دونوں عراق پر دباؤ ڈالے ہوئے تھے لیکن مختار نے علویوں کے نام پر اس کو دونوں سے آزاد کرا لیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اہلبیتؑ سے دوستی اور محبت کا اظہار کرتے تھے۔ انھوں نے ان لوگوں میں سے کسی کو بھی قتل کیے بغیر نہیں چھوڑا جنھوں نے کربلا کی جنگ میں شرکت کی تھی۔ جب کہ عبداللہ بن زبیر محض حکومت کی خاطر امویوں کی مخالفت کرتے تھے۔ گویا کہ اموی اور زبیریؑ علویوں اور ہاشمیوں سے عداوت رکھنے میں یکساں تھے لیکن اس کے علاوہ ہر معاملے میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ اموی ایک طویل عرصے تک رسول اکرمؐ کی مخالفت کر چکنے کے بعد اب اپنے منبروں پر سے علیؑ کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ پھر انھوں نے نبی اکرمؐ کی عترت کو قتل بھی کر ڈالا۔ پس اگر مختار نہ ہوتے تو ابن زبیر بھی امویوں ہی کا سا طرز عمل اختیار کرتے۔ جیسے ان دونوں یعنی امویوں اور زبیریوں نے یہ عذر کر کے جمعہ کے خطبوں سے نبی اکرمؐ کا ذکر نکال دیا کہ جب آنحضرتؐ کا ذکر ہوتا ہے تو لوگ فخر اور احساس عظمت سے اپنے سر کو بلند کرنے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان دونوں گروہوں سے کچھ بعید نہیں کہ وہ مختار سے ایسی باتیں منسوب کر دیں اور ان کو گمراہ کرنے والوں میں شامل کریں کیونکہ وہ ان کے مشترک دشمن یعنی علویوں کا ساتھ دیتے تھے۔ جن لوگوں نے تاریخیں لکھی ہیں وہ فرمانرواؤں کی باہمی آویزشوں پر نظر رکھتے ہوئے قلم اٹھاتے تھے نہ کہ حق اور حقیقت کے مطابق حالانکہ ہر اس شخص پر حقیقت از خود واضح ہو جاتی ہے جو ان حالات کا مطالعہ کرے۔ جن کو پرانے مورخوں نے قابل اعتبار سمجھا ہے۔ بہر صورت مختار نے امام حسینؑ اور ان کے ہمراہیوں کے قاتلوں کے بارے میں جو موقف اختیار کیا اس کو نہ تاریخ نظر انداز کر سکتی ہے نہ رسول اکرمؐ اور ان کی اولاد میں ہونے والے ائمہ علیہم السلام ہی بھلا سکتے ہیں۔ انہوں نے اہل بیتؑ کے لیے المیہ کربلا کے رنج و غم کو ایک حد تک کم کر دیا جس پر نبی اکرمؐ نے دسیوں سال پہلے گریہ کیا تھا اور جس کی تلخی ائمہ اہلبیتؑ کے بعد بھی ان کے شیعوں کے دلوں میں تاحیات



قائم رہے گی۔ شہدائے کربلا ظلم و عدوان کے خلاف تحریک برپا کرنے والے ہر شخص کے لیے ایک مثال بنے رہیں گے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان کو اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد کرنے والوں کی جزا دے۔ بیشک وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

امام زین العابدینؑ کے اخلاق و صفات پر نظر | امام زین العابدینؑ نے ہماری

اور بھائیوں کی شہادت کا المیہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس پر رنج کے تلخ گھونٹ آپ نے چکھے، اس کے بعد اگر آپ کسی قسم کے اقتدار کی خواہش کرتے، لوگوں پر بھروسہ کرتے یا کسی شکل میں سیاسی معاملات میں دخل دیتے تو یہ امر اس المیہ سے بھی شدید ہوتا۔ پس آپ امامت کے روحانی فرائض کی جانب متوجہ ہو گئے۔ جیسے عبادت، احکام دین، اخلاق کی اشاعت، فقر اور مساکین سے ملاقات اور اسی قسم کے دوسرے اعمال کہ جن میں آپ سیاست اور سیاست والوں سے کنارہ کش رہ کر مشغول رہے۔ آپ نے فقہ و حدیث کے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس میں اہلبیتؑ کے پیروؤں کی کثیر تعداد شریک رہا کرتی تھی۔ چنانچہ شیخ طوسیؒ نے کتاب رجال میں اور دیگر مؤلفین رجال نے اپنی کتابوں میں ان کی تعداد ایک سو ساٹھ سے اوپر بتائی ہے جو آپ کے چہشمہ علم سے سیراب ہوتے اور آپ سے روایت حدیث کرتے تھے۔ ان میں سعید بن مسیب، ابن جبیر، جبیر بن مطعم، قاسم بن محمد بن ابی بکر، جابر بن عبد اللہ انصاری، یحییٰ بن ام الطویل اور دوسرے ممتاز تابعین شامل تھے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ علی بن حسینؑ صاحب وثوق، با اعتماد، کثیر الروایت، عالی نفس، بلند مرتبہ اور متقی تھے۔

محاضرات راغب اصفہانی اور مناقب ابن جوزی میں ہے کہ ایک موقع پر جب امام علی بن حسینؑ، عمر بن عبدالعزیز کی صحبت سے اٹھ کر گئے تو انھوں نے حاضرین سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ صاحب شرف کون ہے؟ تب ان کے کسی خوشامدی نے کہا: آپ ہیں اے امیر المومنینؑ! اس پر انھوں نے کہا: ہرگز نہیں۔ انسانوں میں سب سے زیادہ صاحب شرف یہ ہیں جو ابھی ابھی میرے پاس سے اٹھ کر گئے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے نفع حاصل کریں، یہ نہیں چاہتے کہ وہ کسی سے کچھ پائیں۔



شیخ صدوق نے کفایت العلل میں سفیان بن عیینہ پر منتہی ہونے والی سند سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے محمد بن شہاب زہری سے پوچھا کہ کیا آپ علی بن حسینؑ سے ملے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! میں ان سے ملا ہوں اور میں آج تک ان سے زیادہ کسی صاحب فضیلت سے نہیں ملا۔ بخدا! میں نے ان کا کوئی دل سے دوست رکھنے والا اور کھلا ہوا دشمن نہیں دیکھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا کہ خواہ وہ ان سے دوستی رکھتا ہو، لیکن ان کے فضل و شرف کی وجہ سے ان سے حسد نہ کرتا ہو اور نہ کوئی ایسا شخص دیکھا کہ خواہ وہ ان سے دشمنی رکھتا ہو لیکن خود اپنے ساتھ ان کے حسن سلوک کی وجہ سے ان کا لحاظ نہ کرتا ہو۔

شیخ مفید، ارشاد میں کہتے ہیں: علماء نے آپ سے مختلف علوم کی حامل روایات اس کثرت سے نقل کی ہیں کہ جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اسکے علاوہ انہوں نے آپ سے فضائل قرآن ادعیہ، نصح اور حلال و حرام کے متعلق بڑے جامع احکام حاصل کیے جو علماء میں مشہور ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں: عبداللہ بن حسن بن امام حسنؑ نے بیان کیا ہے کہ: میری ماں فاطمہ بنت حسینؑ تھیں۔ میں جب کبھی امام علی بن حسینؑ کی صحبت میں بیٹھا، کوئی نہ کوئی بھلائی کی چیز لیکر اٹھا۔ جیسے اللہ کا خوف جو میرے دل میں آپ کا خوف خدا دیکھ کر پیدا ہو جاتا تھا یا وہ یقینی علم جو مجھ کو ان سے حاصل ہوتا تھا۔

اس پر مورخوں کا اتفاق ہے کہ آپ عبادت، تبلیغ، علم اور تدریس میں اس لیے منہمک ہو گئے تھے کہ اس سے آپ کی روح کو غذا اور دل کو تسلی ہم پہنچتی تھی۔ آپ ہر عالم کو ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے خواہ وہ لوگوں کی نظر میں بلند مرتبہ ہو یا بلند مرتبہ نہ ہوتا وقتیکہ لوگ اس کے علم سے فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو لوگوں میں سے گزرتے ہوئے زید بن اسلم کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔ اس پر نافع بن جبیر نے بڑا مانتے ہوئے کہا: اللہ آپ کی مغفرت فرمائے، آپ سردارِ خلق ہیں اور پھر بھی تمام لوگوں نیز اہل علم اور قریش میں سے گزرتے ہوئے اس سیاہ فام غلام کے پاس بیٹھتے ہیں۔ تب امام نے ان سے کہا: علم جہاں کہیں بھی ہوا اسے محسوس کر لیا جاتا ہے، حالانکہ وہ غلاموں میں سے ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں اس سے وہ باتیں سننا چاہتا ہوں جن سے اللہ ہم سب کو فائدہ پہنچائے۔



اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے جو لوگوں تک وہ چیز پہنچائے جو ہم پہنچانا چاہتے ہیں۔ آپ علم و فقہ کی اشاعت میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ لوگوں پر رحم دل، سخی اور مہربان تھے۔ تاریخ نے آپ کے متعلق ایسی ایسی باتیں بیان کی ہیں جو کسی اور کے لیے نہیں کیں۔ چنانچہ کلینی نے کافی میں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے لیے غصے کے اس گھونٹ سے زیادہ پسندیدہ کوئی گھونٹ نہیں ہے جس کو پی کر کسی مرتکب سے بدلہ نہ لوں۔

آپ کے ایک چچا زاد بھائی نے آپ کے پاس آکر تلخ کلامی کی اور بہت کچھ کہا لیکن آپ نے ان سے کوئی کلام نہیں کیا۔ جب وہ چلے گئے تو آپ نے اپنے ہم نشینوں سے فرمایا: تم لوگوں نے سنا یہ کیا کہہ رہے تھے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو، یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنے اس فعل کے بُرے نتائج دیکھ لے۔ پس وہ لوگ آپ کے ساتھ چلے جبکہ آپ فرماتے جاتے تھے: وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں، لوگوں کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیک عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ادھر وہ شخص بھی بدتمیزی کرنے کے لیے نکل آیا۔ اس کو یقین تھا کہ آپ اس سے اس بدکلامی کا بدلہ لیتے آئے ہیں جو اس نے کچھ دیر پہلے کی تھی۔ اس وقت امام علیؑ بن حسینؑ نے اس سے فرمایا: اے بھائی! آپ نے ابھی میرے پاس آکر جو کچھ کہنا چاہا وہ مجھ کو کہہ ڈالا۔ جو کچھ آپ نے کہا اگر میں ویسا ہی ہوں تو پھر میں اللہ سے بخشش کا خواہاں ہوں اور اگر میں ویسا نہیں ہوں تو میں آپ کے لیے اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ اس پر وہ آپ کے سامنے معذرت کرنے لگا اور بولا کہ میں نے جو کچھ کہا آپ ویسے نہیں ہیں بلکہ میں ہی اس کا زیادہ سزاوار ہوں۔

آپ کے حلم، عفو اور درگزر کے بارے میں راویوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک کبوتر آفتابہ لیے آپ کے وضو کے لیے پانی ڈال رہی تھی۔ اچانک وہ آفتابہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آپ کے چہرہ پر لگا اور خون بہنے لگا۔ آپ نے اس کو ڈانٹنے کے لیے اپنا سر اٹھایا تو وہ کہنے لگی: اللہ کا قول ہے: وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ۔ (وہ لوگ بھی ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں) اس پر آپ نے فرمایا: میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ پھر اس نے کہا: وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (اور لوگوں سے درگزر کر دیتے ہیں)۔ آپ نے فرمایا: اللہ تجھے معاف فرمائے۔ اب اس نے کہا: وَاللَّهُ



يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اللہ نیک عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اللہ کی راہ میں آزاد ہے۔

مناقب ابن شہر آشوب اور کشف النعمہ میں ہے کہ ایک رات امامؑ کے یہاں مہمان آئے۔ آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ تنور میں سے بھنا ہوا گوشت جلدی سے نکال لائے۔ خادم گوشت لے کر تیزی سے چلا تو گر پڑا اور جلتا ہوا روغن آپ کے ایک بچے کے سر پر گر پڑا جس سے وہ فوراً مر گیا۔ اس پر وہ خادم خوف زدہ اور پریشان ہو گیا۔ امامؑ نے اس کو ایسی حالت میں دیکھا تو اس سے فرمایا کہ تم نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا ہے۔ جاؤ تم اللہ کی راہ میں آزاد ہو۔

مزید برآں راولوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ کا ایک غلام آپ کے کھیت میں کام کر رہا تھا۔ جہاں اس نے کام کچھ زیادہ ہی خراب کیا۔ تب امامؑ کو اس پر غصہ آیا اور آپ نے اس کو اپنے کورے سے مارا لیکن گھر واپس آ کر جب آپ نے اس غلام کو بلوایا تو وہ ڈرتا ڈرتا آپ کے پاس آیا۔ لیکن دیکھتا کیا ہے کہ آپ برہنہ بدن ہیں اور ایک کورٹا آپ کے سامنے رکھا ہے۔ وہ سمجھا کہ آپ اس کو مزید سزا دینا چاہتے ہیں۔ مگر آپ نے اس سے کہا: میں نے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیا جیسا کسی کے ساتھ نہیں کیا۔ اب یہ کورٹا موجود ہے۔ تم مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔ اس پر وہ کہنے لگا: میرے آقا! بخدا میں سمجھ رہا تھا کہ آپ مجھ کو اور سزا دینے والے ہیں کیونکہ میں واقعی سزا کا مستحق ہوں۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے بدلہ لوں۔ آپ نے فرمایا: دائے ہو تم پر بدلہ لے بھی لو۔ اس نے کہا: اللہ کی پناہ آپ کے لیے تو وجہ بھی ہے اور قدرت بھی، جبکہ میرے لیے کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ جب غلام بالکل نہ مانا تو امامؑ نے غصے سے فرمایا: اچھا اگر تم یہ بات نہیں مانتے ہو تو پھر یہ کھیت میری طرف سے تمہارے لیے عطیہ ہے۔

واقفی کی روایت ہے کہ ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن ولید مخزومی، عبدالملک بن مروان کی طرف سے مدینہ میں گورنر تھا۔ وہ امامؑ کا بہت برا پڑوسی ثابت ہوا اور اس سے آپ کو سخت تکلیف پہنچی۔ جب عبدالملک کی وفات ہو گئی تو ولید بن عبدالملک نے اس گورنر کو معزول کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا تاکہ وہ اس سے اس کے مطالب کا بدلہ لے لیں۔ تب وہ کہنے لگا کہ بخدا مجھ کو علیؑ بن حسینؑ کے سوا کسی سے ڈر نہیں ہے۔ تاہم جب امامؑ اس کی طرف سے گزرے تو اس کو سلام کیا اور اپنے خدمتگاروں سے فرما دیا کہ تم



میں سے کوئی شخص اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہ کرے۔ نیز اس سے کہلوادیا کہ جو مال تم سے طلب کیا جا رہا ہے، اگر تمہارے پاس اس سے کم ہے تو ہم تمہاری یہ کمی پوری کر سکتے ہیں۔ تم بخوشی ہم سے مال اور ہمارے ماننے والوں کی طرف سے اپنے آپ کو مطمئن رکھو۔ اس پر ہشام بن اسماعیل نے آپ سے کہا: بے شک اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کو عطا کرے۔ طبقات ابن سعد میں روایت ہے کہ عبداللہ بن علیؑ بن حسینؑ بیان کرتے ہیں کہ جب ولید بن عبدالملک نے ہشام بن اسماعیل کو معزول کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ لوگ اس سے اپنا اپنا بدلہ لے لیں تو میرے والد بزرگوار علیؑ بن حسینؑ نے ہم سب کو جمع فرمایا اور کہا کہ یہ شخص معزول کر دیا گیا ہے اور ولید نے اس کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ پھر بھی تم میں سے کوئی اس کے ساتھ برا سلوک نہ کرے۔ اس پر میں نے کہا کہ اے بابا! یہ کیوں؟ بخدا اس نے ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ ہم تو اس دن کے انتظار میں تھے۔ تب امامؑ نے فرمایا: اے بیٹے! اس کو اللہ سزا دے گا۔ بخدا حسینؑ کی اولاد میں سے کوئی اس کے ساتھ بُرائی نہ کرے، یہاں تک کہ اس کا کام تمام ہو جائے۔

امام سجادؑ نے اسی پر اکتفا نہیں کی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، آپؑ نے اسے پیغام بھیج کر اتنے مال کی پیشکش فرمائی جو اس کی ضروریات کو پورا کر دے۔ حالانکہ روایات کے مطابق وہ آپ کے ساتھ کیے ہوئے بُرے سلوک کے باعث صرف آپ ہی کی طرف سے خائف تھا۔ اسی طرح اس سے قبل آپؑ نے اہلبیتؑ کے بدترین دشمن اور بدترین مخالف مروان بن حکم کے ساتھ بھی حسن سلوک فرمایا تھا۔ یہ وہی مروان ہے جس نے ولید کو امام حسینؑ کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ پھر جس روز اس کو حسینؑ کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو اس نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ نیز وہ بصرہ اور صفین میں قاسطین و ناکشین کے ساتھ رہا تھا۔ وہ معاویہ کا طرفدار اور اہل بیتؑ کا دشمن رہا۔ وہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتا رہا۔ اس کے باوجود علیؑ بن حسینؑ نے اس کے ساتھ ویسا ہی حسن سلوک کیا جیسا ہشام کے ساتھ کیا۔ بلکہ اس کے ساتھ اتنا ہی اچھا سلوک کیا، جتنا برا سلوک اس نے آپ کے والد بزرگوار، آپ کے تایا اور آپ کے دادا کے ساتھ کیا تھا۔ نیز جب اہل مدینہ نے امویوں کے خلاف اقدام کیا اور ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہ رہی تو اب مروان بن حکم پر بھی حالات تنگ ہو گئے۔ تب وہ مہاجرین اور انصار سے طالبِ رحم ہوا



لیکن سوائے علیؑ بن حسینؑ کے اس کو کوئی ایسا شخص نہ ملا جو مولیوں کے اہل و عیال کو بچائے۔ پس آپؑ نے ان سب کو اپنے خاندان کے ساتھ ملا لیا اور ان کو اسی طرح سے رکھا جیسے آپؑ اپنے گھروالوں کو رکھتے تھے۔

عام لوگوں کے اخلاق اور طبیعت کے لحاظ سے تو یہ ایک حیرت خیز بات ہے لیکن ان ذوات مقدسہ سے ایسے امور کا ظاہر ہونا کوئی حیرت خیز بات نہیں ہے، جن کو اللہ نے چنا ہو اور ان کو عصمت اور بزرگی عطا کی ہو۔ بے شک امام زین العابدینؑ کو اخلاق اور خصوصیات آپؑ کے اجداد یعنی محمد رسول اللہؐ اور علی ولی اللہؑ سے ہی منتقل ہوئے ہیں۔ جیسا کہ رسول اکرمؐ نے شرک اور نفاق کے سردار ابوسفیانؓ پر غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اس کو معاف کر دیا اور اس کے ساتھ حسن سلوک فرمایا اور اسی طرح آپؑ نے اس کی بیوی ہندہ کو بھی معافی دی اور اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا حالانکہ اس نے حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کر کے ان کا جگر نکالا اور وحشیانہ طور پر چبایا تھا اور پھر اس کو مکہ لے گئی تھی تاکہ اسے دیکھ کر خوشی حاصل کرتی ہے۔ اس کے علاوہ آپؑ نے مکہ میں مروان کے باپ حکم پر غلبہ حاصل کیا تو اس کو معاف فرمایا۔ حالانکہ وہ بھی آپؑ کو اذیت پہنچاتا اور ہر قسم کا برا سلوک کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد ظاہراً سلام قبول کر لینے پر بھی آپؑ کا مذاق اڑاتا اور آپؑ پر جھوٹ باندھتا تھا لیکن آنحضرتؐ نے اس پر کوئی سختی نہیں کی۔ بس اس کو اور اس کے بیٹے کو مدینہ سے شہر بدر کر کے طائف روانہ کر دیا تھا۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے مکہ کے تمام مشرکوں، ستم کیشوں اور ہر اس شخص کو جو آپؑ کے ساتھ برائی سے پیش آتا رہا تھا معاف کر دیا اور اپنا مشہور حکم صادر فرمایا کہ: جاؤ تم سب آزاد کر دیے گئے ہو۔

آپؑ کے دادا امیر المومنین علیؑ نے مروان کو اس وقت معاف فرما دیا جب وہ آپؑ کے خلاف بصرہ کی جنگ میں فوج کی قیادت کر رہا تھا۔ آپؑ کو اس پر غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور وہ آپؑ کے ہاتھوں میں قیدی تھا۔ تاہم آپؑ نے اس کو چھوڑ دیا حالانکہ آپؑ سمجھ رہے تھے کہ وہ معاویہ سے جا ملے گا اور آئندہ آپؑ سے پھر جنگ کرے گا۔ بعد میں جب معاویہ کو اقتدار مل گیا اور انھوں نے مروان کو مدینہ کا گورنر بنایا تو وہ امام حسنؑ کو تکلیفیں پہنچاتا اور ان کو غصہ کے گھونٹ پلاتا رہتا تھا، بلکہ کربلا کا عظیم سانحہ بھی اس کی دلی خواہش کے مطابق رونما



ہوا تھا لیکن امیر المومنینؑ کا قول تو یہ تھا کہ جب تم اپنے دشمن پر غالب آ جاؤ تو اس کے ساتھ  
عفو اور درگزر کا برتاؤ کرو تا کہ تم کو دوسری فتح کی عزت حاصل ہو۔ اس لحاظ سے یہ کوئی حیرت  
کی بات نہیں کہ امام زین العابدینؑ ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہے جنہوں  
نے آپ کے ساتھ بُرائی کی تھی۔

راویوں نے جس طرح آپ کے عفو و درگزر کے دسیوں واقعات روایت کیے ہیں اسی  
طرح آپ کی سخاوت اور جود و عطا کے واقعات بھی بیان کیے ہیں۔ چنانچہ جب بھی آپ کو  
کسی ایسے شخص کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ مقروض ہے اور وہ آپ سے اعانت کا طلبگار  
ہے تو آپ اس کا قرض اس کی طرف سے ادا کر دیتے تھے۔ جب کبھی کوئی تنگ دست آدمی آپ  
کے پاس آتا آپ اس کی تنگ دستی دُور فرما دیتے تھے۔ جب کوئی سائل آتا تو آپ اس کو اتنا  
عطا کر دیتے تھے کہ اس کو کسی دوسرے سے مانگنے کی ضرورت باقی نہ رہے۔ ایک روز آپ  
محمد بن اسامہ بن زید کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب آپ نے ان کو نالہ کرتے  
دیکھا تو دریافت فرمایا: تم کس بات پر رورہے ہو؟ انہوں نے کہا: مجھ پر پندرہ ہزار دینار  
کا قرض ہے۔ اس پر امامؑ نے فرمایا: بس وہ کُل کا کُل مجھ پر ہے اور پھر آپ نے اسی وقت  
وہ قرض اس کی طرف سے ادا فرما دیا۔

جب کوئی سائل آپ کے پاس آتا تو آپ فرماتے: خوش آمدید ہے اس شخص کو جو  
روز قیامت کے لیے میرا سامان اٹھا کر لے جاتا ہے۔ نیز آپ جس قدر کھانا کھاتے تھے  
اسی قدر صدقہ بھی کر دیتے تھے۔ احمد بن حنبل اور شیخ صدوق نے امام باقرؑ سے روایت کی  
ہے کہ آپ مدینہ کے ایک سو کنبوں کی کفالت کیا کرتے تھے۔

ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں بیان کرتے ہیں کہ: مدینہ میں ایسے بہت سے کنبے  
تھے جو امام علیؑ بن حسینؑ کے صدقات پر گزر بسر کیا کرتے تھے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ  
ان کی گزر بسر کہاں سے ہو رہی ہے۔ البتہ جب علیؑ بن حسینؑ نے وفات پائی تو ان کا روزیہ  
بند ہو گیا، تب ان کو معلوم ہوا کہ وہ آپ ہی تھے جو ان لوگوں کی کفالت فرمایا کرتے  
تھے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم کو نا معلوم ہا تھا سے ملنا اسی وقت بند ہوا جب علیؑ بن حسینؑ  
اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔



شیخ صدوق، سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ — جب محمد بن شہاب زہری نے دیکھا کہ ایک سردرات میں علی بن حسینؑ اپنی کمر پہ آٹا اٹھائے ہوئے پیدل تشریف لے جا رہے ہیں، تو انھوں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ میرا زادہ سفر کرنے کا ہے۔ اس لیے ضروری سامان محفوظ مقام پر لے جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا: میرا غلام حاضر ہے۔ آپ کی بجائے یہ اس کو اٹھائے گا۔ جب امامؑ نہ مانے تو انھوں نے کہا: اچھا تو پھر مجھے اٹھالینے دیجیے تاکہ میں آپ کو اس کے اٹھانے کی رحمت سے بچا لوں تب آپ نے فرمایا: لیکن میں اپنے آپ کو اس چیز سے محروم نہیں رکھنا چاہتا جو مجھ کو میرے سفر سے نجات دلا دے اور جس کے پاس میں جانا چاہتا ہوں اس تک میری رسائی کو آسان بنا دے۔ میں تم کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم مجھ کو میرے حال پر رہنے دو اور اپنے کام سے جاؤ۔ جب چند روز کے بعد ابن شہاب آپ سے ملے تو انھوں نے کہا: اے فرزند رسولؐ! میں اس سفر کی کوئی علامت نہیں پاتا ہوں جس کا آپ ذکر فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ہاں اے زہری وہ سفر ویسا نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے تھے۔ بلکہ وہ موت کا سفر ہے اور میں اسی کے لیے تیاری کرتا رہتا ہوں۔ موت کے لیے تیاری کا مطلب یہ ہے کہ حرام سے کنارہ کش رہا جائے اور اپنے مال و جان کو بھلائی کے کاموں میں لگایا جائے۔

آپ رات کی تاریکی میں چہرے پر نقاب ڈال کر محتاجوں کے گھروں پر جایا کرتے، جن میں سے بیشتر اپنے دروازوں پر کھڑے آپ کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ جب ان کی نظریں آپ پر پڑتیں تو کہتے تھے: ”وہ بوری والا آگیا“

ابن طاووس نے ’الاقبال‘ میں امام جعفر صادقؑ پر منتهی ہونے والی سند سے بیان کیا ہے کہ امام علی بن حسینؑ ماہ رمضان میں اپنے کسی غلام یا کینز کو اس کی غلطی پر ہرگز سزا نہیں دیتے تھے، بلکہ آپ ان کی خطاؤں کو لکھتے جاتے تھے۔ جب ماہ رمضان کی آخری شب آتی تو آپ ان سب کو بلا کر اپنے پاس بٹھالیتے اور ان کی خطاؤں کا پرچہ ان کے سامنے رکھ دیتے تاکہ وہ بھی اپنی خطاؤں سے واقف ہو جائیں۔ پھر آپ ان سے فرماتے تھے اب تم سب یہ کہو کہ: اے علی بن حسینؑ! جس طرح آپ نے ہمارے افعال کو لکھ لیا ہے، اسی طرح آپ کے رب نے بھی آپ کے اعمال کو لکھ رکھا ہے۔ اس کے پاس وہ کتاب ہے



جو آپ کے بارے میں صحیح صحیح اطلاع دے گی اور اس میں ہر چھوٹے بڑے فعل کا ذکر موجود ہے۔ اس میں آپ وہ سب کچھ پائیں گے جو آپ نے کیا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا کیا دھرا آپ کے پاس لکھا ہے۔ پس آپ ہم سے درگزر کیجیے اور معاف فرماد دیجیے۔ اللہ آپ سے درگزر کرے گا اور آپ کو معاف فرمادے گا۔ اس وقت آپ ان سب کے درمیان کھڑے ہو کر رونے لگتے اور یہ کہتے جاتے کہ: ”بارِ الہا! تو نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو معاف کر دیں جنہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ پس ہم نے تیرے حکم کے مطابق انکو معاف کر دیا ہے۔ اب تو بھی ہم کو معاف کر دے کیونکہ تو ہم سے اور اپنے دوسرے بندوں سے بڑھ کر اس کا اختیار رکھتا ہے۔“

پھر آپ ان سب سے مخاطب ہو کر فرماتے: ”میں نے تم سب کو معاف کر دیا لیکن جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے، بتاؤ کیا تم نے مجھے اس سے معاف کر دیا؟ ہاں! اب تم سب چلے جاؤ کہ میں نے تم کو معاف کر دیا ہے تاکہ اللہ مجھ کو معاف کر دے اور مجھ کو نارِ جہنم سے آزاد کر دے۔“ جب عید کا روز آتا تو آپ ان سب کو اتنے عطیات دیتے کہ وہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں صاحبِ حیثیت ہو جاتے۔

آپ فرمایا کرتے: ماہِ رمضان کی ہر رات میں اللہ ستر ہزار نفوس کو آتشِ جہنم سے نجات دیتا ہے اور جب اس ماہِ مبارک کی آخری رات آتی ہے تو مزید اتنے ہی نفوس کو آزاد کرتا ہے جتنے پورے ماہ میں ہو چکے تھے۔ میں اس کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میں اس دنیا میں اپنے مملوکہ آدمیوں کو آزاد کر دیا کروں تاکہ اللہ مجھ کو آتشِ جہنم سے آزاد فرمادے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب آپ نماز کے لیے وضو فرمانے لگتے تو آپ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا۔ لوگ آپ سے کہتے کہ وضو کے وقت آپ کو یہ کیا ہونے لگتا ہے تو آپ فرماتے کہ تم جانتے ہو کہ میں کس کے سامنے جانے لگا ہوں؟ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ کا نپینے لگتے۔ آپ سے کہا جاتا: اے فرزندِ رسول! یہ آپ کی کیا حالت ہے تو آپ فرماتے: کیا تم نہیں جانتے ہو کہ اب میں کس سے ہمکلام ہونے والا ہوں۔ ایک بار آپ کے گھر میں آگ لگ گئی جبکہ آپ نماز کے سجدے میں تھے۔ لوگوں نے چلانا شروع کیا: ”آگ! آگ!“ اے فرزندِ رسول! ”لیکن آپ نے نہ سجدہ کو توڑا نہ سراٹھایا، یہاں تک کہ آگ بجھ گئی۔“



آپ سے کہا گیا کہ آپ کو کس چیز نے اس پر متوجہ نہ ہونے دیا؟ آپ نے فرمایا اس سے بڑی آگ نے۔

اسی قسم کی بہت سی روایات ہیں جو آپ کی نیکی، پسندیدہ عادات، کشادہ دلی اور عبادت و سخاوت میں وارد ہوئی ہیں۔ یہ تمام روایات جو موافق و مخالف سبھی مورخوں اور محدثوں میں مشہور ہیں، خاص طور پر اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ آپ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ خدا ترس اور سب سے زیادہ سخی تھے۔

اس تواضع اور انکسار کے باوجود آپ بڑے بارعب اور صاحب عظمت تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ عبدالملک بن مروان سے ملاقات کے لیے گئے، حالانکہ وہ آپ سے دشمنی رکھتا تھا لیکن جب اس نے آپ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو آپ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس نے آپ کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور آپ کی بڑی قدر و منزلت کی۔ بعد میں لوگوں نے اس کے بارے میں اس سے پوچھا تو کہنے لگا: جب میں نے ان کو دیکھا تو مجھ پر ان کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ اسی طرح جب آپ مسلم بن عقیقہ سے مدینے میں ملے تو اس کا بیان ہے کہ ”میرے دل پر ان کا خوف چھا گیا تھا۔“

طبقات الشافعیہ میں سبکی سے روایت ہے کہ ایک سال ہشام بن عبدالملک حج کو آیا، خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس نے حجر اسود کو بوسہ دینا چاہا لیکن لوگوں کی کثرت کے باعث وہاں تک نہ پہنچ سکا۔ تب اس کے درباریوں نے حرم کے قریب اس کے لیے ایک کرسی لا کر رکھ دی اور وہ اس پر بیٹھ کر حجر اسود کے قریب ہجوم کے کم ہونے کا انتظار کرنے لگا، جبکہ اہل شام اس کے چاروں طرف کھڑے تھے، لیکن عین اسی وقت جبکہ وہ لوگوں کی بھیڑ کو دیکھ رہا تھا، امام زین العابدینؑ تشریف لے آئے۔ راوی کے بیان کے مطابق آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوش شکل اور خوش رنگ تھے۔ آپ نے خانہ کعبہ کا طواف فرمایا اور آپ حجر اسود پر پہنچے تو لوگ آپ کے جلال اور عظمت کے سامنے بھڑکنے لگے اور آپ کی خاطر اس کے پاس سے ہٹ گئے۔ تب آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور لوگ آپ کو اس طرح دیکھتے رہے گویا ان کے سروں پر پندے بیٹھے ہوں۔ جب آپ وہاں سے چلے گئے تو لوگ پھر سے طواف کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ہشام بن عبدالملک اور وہ اہل شام جو اس کے ساتھ تھے،



یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ جبکہ ہشام کا خون حسد اور جبن کی وجہ سے کھولتا رہا۔ شام کے وہ ممتاز افراد جو اس کے ساتھ تھے، وہ پہچان نہ سکے کہ وہ کون شخص تھا کہ جس کے وقار کو دیکھ کر سب لوگ حجر اسود کے پاس سے ہٹ گئے۔ حالانکہ خلیفہ اور اس کے سپاہی اس کوشش میں لگے رہے کہ کسی طرح حجر اسود تک رسائی ہو جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ ان میں سے کسی نے ہشام بن عبد الملک سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا کہ جس کے آتے ہی لوگ خود ہی پیچھے ہٹ گئے تھے تو اس ڈر سے کہ کہیں یہ لوگ ان کی جانب راغب نہ ہو جائیں، اس نے جواب میں کہہ دیا کہ بھئی میں تو اس کو نہیں جانتا۔ اتفاقاً اس وقت وہاں فرزدق شاعر بھی موجود تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس شخص کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس پر ایک شامی نے پوچھا: اے ابو فراس! یہ کون ہیں؟ تب فرزدق بولے کہ یہ علی بن حسین بن علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں جو فاطمہ بنت رسولؐ کے فرزند ہیں۔ پھر انھوں نے ان لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر جو وہاں جمع تھے، یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیے:

یہ وہ ہیں جن کے قدم مبارک کو بطحاء، خانہ کعبہ اور ان کے اطراف کی  
زمین کے ذرات بھی پہچانتے ہیں۔

یہ فرزند ہیں اس کے جو اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر ہے۔ یہ پرہیزگار  
ہیں، پاکیزہ ہیں، معصوم ہیں اور صاحب علم ہیں۔

خانہ کعبہ کا رکن حطیم، ان کی سقیلی کو اس قدر پہچانتا ہے کہ جب یہ اس کی  
طرف بوسہ دینے کے لیے بڑھتے ہیں تو وہ خود آپ کو چھولیتا ہے۔

قریش ان کو دیکھتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں کہ ان پر فضیلتوں کا خاتمہ ہے۔  
اگر تم نہیں جانتے تو سن لو۔ یہ فاطمہؑ بنت محمدؐ کے فرزند ہیں۔ ان ہی کے  
جد بزرگوار پر انبیاءؑ کا سلسلہ ختم ہوا ہے۔

ان کے بارے میں تمہارا جان کر انجان بننا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا  
کیونکہ انھیں تو سارا عرب اور عجم جانتا پہچانتا ہے۔

وہ خود حیاء کے باعث آنکھیں نیچی رکھتے ہیں لیکن لوگ ان کے رعب  
کے باعث ان کے آگے اپنی آنکھیں نیچی کیے رہتے ہیں۔ ان کی ہیبت ایسی



ہے کہ ان سے صرف اسی وقت بات کی جاسکتی ہے جب وہ مسکرا رہے ہوں۔  
وہ فضائل کی اس بلندی سے منسوب کیے جاتے ہیں جس کے حاصل کرنے سے  
لوگوں کے ہاتھ اور پیر قاصر ہیں۔

ان کے جد بزرگوار وہ ہیں جن کے آگے تمام انبیاءؑ کے فضائل سرنگوں  
ہیں اور ان کی امت وہ ہے جس کے آگے ساری امتیں سرنگوں ہیں۔  
ان کی پیشانی مبارک سے نور ہدایت اس طرح نمودار ہوتا رہتا ہے جیسے  
آفتاب نکل کر تاریکی کو زائل کر دیتا ہے۔

اللہ نے ان کو ہمیشہ سے شرف و فضیلت سے سرفراز کیا ہے۔ گویا اللہ نے  
یہ ان کے لیے لوح محفوظ پر قلم قدرت سے لکھ دیا تھا۔  
ان کے دونوں ہاتھ برستے بادلوں کی مانند ہر ایک کے لیے فیض رساں ہیں۔  
لوگ ان سے برابر مدد حاصل کرتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی وہ کبھی خالی ہاتھ  
نہیں ہوتے۔

فرزدق امام چہارم کے فضائل اسی طرح بیان کرتے رہے تا آخر قصیدہ کہ جو طبقات شافعیہ  
میں ابن جوزی اور سبکی کی روایت کے مطابق تقریباً تیس اشعار پر مشتمل ہے۔

ابو فراس فرزدق کے اشعار کی تعداد میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ بیشتر مورخین اور  
محدثین نے ہشام بن عبد الملک کے سامنے اس کے اظہار حق کا یہ واقعہ بیان کیا ہے جس  
کے ذریعے انھوں نے ان ظالم فرمانرواؤں کے اقتدار کو نیچا دکھایا ہے۔ جن کی عزت کا  
دار و مدار ملک اور لشکر پر تھا لیکن اس موقع پر جبکہ عوام ہشام کے حجر اسود کو بوسہ دینے  
میں حائل ہو رہے تھے۔ اس کی حکومت اور لشکر کچھ بھی کام نہ آیا۔ البتہ جب امام زین العابدینؑ  
حجر اسود کی طرف بڑھے جو اللہ کی طرف سے عزت پائے ہوئے ہیں تو وہاں ہجوم کرنے والے  
خود ہی چھٹ گئے اور خانہ کعبہ کے اس رکن کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا  
تھا کہ گویا زمین ان سب کو اپنی گہرائیوں کی طرف کھینچے ہوئے ٹھیکر گئی ہے۔ یہاں تک کہ  
امامؑ نے اپنی تمنا پوری کر لی اور آپ اس مقام سے واپس چلے گئے۔ تب وہ لوگ بھی پہلے  
کی طرح ایک دوسرے کے آگے بڑھنے لگے اور پھر سے رستے میں حائل ہو گئے۔ ادھر تو یہ ہوا اور



ادھر اہل شام اس حیرت خیز منظر کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ کوئی ان کو اس جوان شخص کے نام و نشان سے آگاہ کرے، جس کا رعب لوگوں پر طاری تھا اور وہ اس کی تعظیم کر رہے تھے۔ حالانکہ ان کے خلیفہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میں اس شخص سے واقف نہیں ہوں۔ اصل میں وہ چاہتا تھا کہ اہل شام ان کو پہچان ہی نہ سکیں کیونکہ اس نے اور اس کے اموی اسلاف نے اہل شام کو یہ بتا رکھا تھا کہ ہم ہی وہ آل رسولؐ ہیں کہ جن کی محبت کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ مگر اس کو یہ خیال تک بھی نہ تھا کہ اس موقع پر ابو فراس اس کے منہ پر ایسے زناٹے دار قفس لگائے گا جو اس نے یہ کہہ کر لگائے کہ: امام علی بن حسینؑ کے بارے میں تمہارا یہ جان کر انجان بن جانا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ جس ہستی کو جاننے سے تم انکار کر رہے ہو اسے تو سارا عرب اور عجم جانتا پہچانتا ہے۔

”یہ علیؑ بن حسینؑ ہیں، ان کے باپ رسول خداؐ ہیں۔ جن کے نور سے

تمام قومیں ہدایت پاتی ہیں۔ اگر تم ان کو نہیں پہچانتے ہو تو سن لو، یہ

فاطمہؑ کے فرزند ہیں۔ انہی کے جد بزرگوارؐ پر انبیاءؑ کا سلسلہ ختم ہوا ہے“

راویوں کا کہنا ہے کہ ہشام بن عبد الملک، فرزدق پر بہت برہم ہوا اور ان کو مکہ اور مدینہ کے درمیان عسفان کے مقام پر قید کیے جانے کا حکم دے دیا اور ان پر سختی کرنے کی تاکید کر دی۔

راوی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ امام علیؑ بن حسینؑ نے فرزدق کو ایک ہزار دینار بھیجے لیکن انہوں نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا، وہ خدا و رسولؐ کی خاطر کہا تھا۔ میں کسی سے اللہ کی اطاعت کی قیمت لینے والا نہیں ہوں۔ مگر امامؑ نے اس کو یہ کہلا بھیجا کہ ہم اہلبیتؑ ہیں۔ ہم جو کچھ ایک مرتبہ دیدیتے ہیں پھر اس کو واپس نہیں لیا کرتے۔ چنانچہ فرزدق نے وہ رقم قبول کر لی۔

فرزدق، ہشام کی قید میں بہت زمانہ تک پڑے رہے اور آخر میں انھوں نے اس کی ہجو میں یہ اشعار کہے:

”وہ مجھے مدینہ اور اس شہر کے درمیان قید میں رکھے ہوئے ہے جس

کی طرف لوگوں کے دل لگے رہتے ہیں۔



اس کا سروہ ہے جو سردار کا سر نہیں ہے اور اس کی آنکھ بھینگی ہے جس کا عیب نمایاں ہے۔“

راوی کہتے ہیں کہ اپنی اس ہجو کا علم ہونے پر ہشام نے ان کے قید خانہ سے آزاد کیے جانے کا حکم دیدیا۔ اللہؑ فرزدق پر رحم کرے اور ان کو جزائے کثیر عطا کرے کیونکہ ہشام بن عبد الملک کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرنے سے وہ اللہ کی راہ میں افضل المجاہدین شمار ہو گئے جیسا کہ رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

”اللہ کی راہ میں افضل المجاہدین تو حمزہ بن عبد المطلب ہیں۔ پھر ہر وہ شخص جو کسی ظالم حکمران کے رویہ و کلمہ حق ادا کرے۔“

بعض راوی بیان کرتے ہیں کہ جب عبد الملک بن مروان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہؐ کی تلوار امام علیؑ بن حسینؑ کے پاس ہے تو اس نے آپ سے کہلوا یا کہ وہ مجھ کو دیدیں اور اس کے لیے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے رسول اللہؐ کی تلوار دینے سے انکار فرما دیا۔ تب عبد الملک نے آپ کو خط لکھا اور یہ دھمکی دی کہ بیت المال سے آپ کا روزینہ بند کر دیا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اپنے ایک آدمی کو حجاز بھیجا کہ وہ امامؑ کو گرفتار کر کے شام لے آئے۔ بہر حال امامؑ نے اس خط کے جواب میں لکھا: بعدہ یہ کہ اللہ نے صاحبان تقویٰ کے لیے ایسی راہ سے کشادگی دیتے کا وعدہ کیا ہے جو شاید ان پر گراں ہو اور ایسی سمت سے رزق پہنچانے کی ضمانت دی ہے کہ جو ان کے تصور میں بھی نہ ہو۔ چنانچہ اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ۔ بے شک اللہ کسی مغرور خیانت والے کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ حج - آیت ۳۸) اب تو خود دیکھ لے کہ ہم دونوں میں سے ایسا کون ہے!

وہ روایت جو یہ بیان کرتی ہے کہ خلیفہ نے اپنے آدمی کو بھیجا، تاکہ وہ امامؑ کو گرفتار کر لائے۔ اس کو ابن جوزی نے ”تذکرہ“ میں ابن حمدون سے روایت کیا ہے اور ابن حمدون نے اسے اپنی کتاب ”تذکرہ“ میں زہری سے لیا ہے۔

اس روایت میں کہا گیا ہے کہ عبد الملک نے امام علیؑ بن حسینؑ کو مدینہ سے بیڑیاں پہنا کر نکالا اور آپ پر محافظ معین کر دیے۔ زہری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اجازت طلب



کی کہ میں آپ سے الوداعی ملاقات کر لوں۔ انھوں نے اجازت دیدی تو میں ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کے پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ میں نے رو کر کہا کہ کاش آپ کی جگہ میں ہوتا اور آپ عافیت میں ہوتے۔ اس پر آپ نے فرمایا: اے زہری! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ جو میرے جسم اور میری گردن میں پڑا ہے میرے لیے باعث تکلیف ہے۔ ہاں سن رکھو کہ اگر میں چاہوں تو ایسا ہرگز نہ ہو، لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس سے مجھ کو عذاب الہی کی یاد آتی رہتی ہے۔ محمد بن شہاب زہری مزید کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ پیرکڑیوں اور بیڑیوں سے نکال لیے۔ چارہی دن گزرے تھے کہ آپ پر معین محافظ آپ کے پیچھے مدینہ آئے، لیکن آپ ان کو نہ ملے۔ میں نے ان میں سے ایک سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ ہم کو وہ تو نہیں ملے۔ البتہ لوہے کی وہ چیزیں مل گئیں جو ان کے ہاتھوں اور پیروں میں ڈالی گئی تھیں۔

زہری نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کے بعد میں عبد الملک بن مروان کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے آپ کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے آپ کا حال بیان کر دیا۔ تب وہ کہنے لگا کہ جس روز آپ محافظوں کو نہیں ملے، آپ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: میرے اور تمہارے درمیان کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا: آپ میرے پاس قیام فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: یہ مجھ کو پسند نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ چلے گئے۔ بخدا ان کی اس باطنی قوت کی وجہ سے میرے دل پر خوف طاری ہو گیا ہے۔

بعض راویوں نے آپ کے بارے میں اس کے علاوہ اور بھی کرامات بیان کی ہیں جو تنقید اور تجزیہ کے تحت صحیح ثابت نہیں ہوتیں۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ بعض کرامات جو آپ سے اور کچھ دوسرے حضرات سے منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ ان داستان گویوں کی گھڑی ہوئی ہیں، جو انھوں نے عام لوگوں کے عقائد کو متاثر کرنے کے لیے مشہور کر دی تھیں اور تاریخ ایسی شہادتوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کے باوجود بھی میرا اعتقاد یہ ہے کہ اگر وہ حضرات اللہ تعالیٰ سے اپنی خواہش کے مطابق کسی چیز کا سوال کرتے تو وہ ضرور عطا کر دیتا لیکن وہ شہداء اور تکالیف پر برابر صبر کرتے رہتے تھے کیونکہ وہ اس ثواب پر نظر رکھتے تھے جو اللہ نے صابروں اور اس کی رضا پر راضی رہنے والوں کے لیے



مقرر کر رکھا ہے۔ جیسا کہ ان کی وہ با شرف اور بے عیب تاریخ ثابت کرتی ہے جو نیکی حسن عمل اور اللہ کی راہ میں قربانیوں سے بھرپور ہے۔

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ امام علیؑ بن حسینؑ نے بیان فرمایا کہ ایک روز میں بیمار پڑا تھا۔ میرے والد بزرگوار نے مجھ سے کہا: بیٹا! کیا تم کو کوئی خواہش ہے؟ میں نے کہا: میری خواہش ہے کہ میں ایسا ہو جاؤں کہ اس کے علاوہ کچھ طلب نہ کروں جو اللہ نے میرے لیے مہیا کر دیا ہے۔ اس پر میرے والد بزرگوار نے فرمایا: بیٹا تم نے تو ٹھیک ابراہیم خلیل اللہؑ کی طرح بات کی ہے کہ جب ان سے جبریلؑ نے کہا: کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں اللہ سے از خود کوئی سوال کرنا نہیں چاہتا۔ وہ میرے لیے کافی ہے اور بہترین محافظ ہے۔

آپ اپنے شیعوں اور دوستداروں سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ آپ کے متعلق حدیثیں بیان کرنے میں مبالغہ نہ کریں اور آپ کی تعظیم کرنے میں بھی اعتدال سے کام لیں۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ امام زین العابدینؑ فرمایا کرتے تھے کہ: اے لوگو! ہم سے اسلام کی خاطر محبت کرو۔ بخدا ہم سے تمہاری محبت کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ ہمارے لیے باعث ننگ ہے اور اس نے ہم کو لوگوں کی عداوت کا نشانہ بنا دیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ اپنے شیعوں سے فرماتے تھے کہ ہمارا ذکر اللہ کی کتاب میں ہے، ہمارا نسب تعلق رسول اللہؐ سے ہے اور ہماری ولادت پاکیزہ ہے۔ گویا آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ لوگ ہماری اتنی ہی صفات پر اکتفا کیا کریں اور لوگوں سے ایسی باتیں بیان نہ کیا کریں جن کو عام اذہان برداشت نہ کر سکیں۔

مناقب ابن شہر آشوب میں آیا ہے کہ آپ سے کہا گیا: اے فرزند رسول! کیا بات ہے کہ جب آپ سفر کرتے ہیں تو اپنے ساتھیوں سے اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ امر نا پسند ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کی بدولت میرے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا میں دوسروں کے ساتھ نہ کر سکوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ سفر پر گیا جو مجھ کو پہچانتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے رسول اللہؐ کی وجہ سے میرے ساتھ ایسا سلوک



کیا جس کا میں مستحق نہیں تھا۔ پس میں اپنے معاملہ کو چھپائے رکھنا پسند کرنے لگا۔

صحیفہ سجاد یہ | امام علیؑ بن حسینؑ کو وہ زمانہ ملا جب لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے تھے اور ان پر ان کے فرمانرواؤں کا طرزِ زندگی چھایا ہوا تھا۔

چنانچہ وہ رسالت کے مفہوم اور اسلام کے اخلاق و آداب سے دور ہو گئے تھے۔ ادھر آپ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ منبروں پر جا کر یا لوگوں کے گروہوں میں کھڑے ہو کر ان کو اسلام کے اخلاق، آداب اور احکام کی تعلیم دیں تاکہ آپ ان کے حالات درست کر سکیں اور ان کو ان جفاکشی افراد سے نجات دلائیں جو اسلام کو اپنے سرکشی پر مبنی طرزِ عمل سے مسخ کر رہے تھے کیونکہ وہ کسی بات کے جائز اور ناجائز ہونے سے اپنی بے پروائی اور دین کی اہانت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ پس آپ نے اسلام کے پیغام کو نشر کرنا شروع کر دیا اور لوگوں کو دین حق، کتاب خدا، اسلامی اخلاق اور رسول اکرمؐ کی سنت اور سیرت کی طرف متوجہ کرانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی آپ حکامِ وقت کو حق کو شہی، قیامِ عدل اور ناداروں اور ستم رسیدہ لوگوں سے انصاف کا برتاؤ کرنے کی طرف رغبت دلاتے تھے۔ آپ ان کو یہ بھی بتاتے تھے کہ حکام میں کیا صفات ہونی چاہئیں۔ نیز آپ ان کو یاد دلاتے تھے کہ ان کے وہ کیا فرائض ہیں کہ جن کو ادا کرنے سے امن بحال رہے، عدل قائم رہے اور مملکت کی سرحدیں محفوظ رہیں۔ آپ ان کو یہ بھی بتلاتے تھے کہ ان فرائض کو ادا کرنے کی صورت میں ان کے رعیت پر کیا حقوق ہیں۔ آپ مسلسل ایسی ہی تعلیمات ان تک پہنچاتے تھے کہ جن سے رعیت پر ریاست کے حقوق کے ساتھ ساتھ ہر انسان کے لیے باعزت زندگی کے حق کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔

امام علیؑ بن حسینؑ کی شدید خواہش تھی کہ طبقاتی اختلافات کے باوجود آپ لوگوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں جو ان پر اللہ کے لیے اور انسانوں کے لیے عائد ہوتی ہیں لیکن آپ نے یہ کام عام واعظوں، ناصحوں اور مقررین کی طرح انجام نہیں دیا۔ بلکہ آپ نے اپنی ساٹھ دعاؤں کے ذریعے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے، اس سے عرض حال کرنے، اس سے رحمت طلب کرنے اور اس کی بزرگی کا ذکر کرنے کا طریقہ استعمال فرمایا جو اب صحیفہ سجاد یہ نامی ایک کتاب میں جمع کی جا چکی ہیں۔ یہ دعائیں امام محمد باقرؑ اور آپ کے ایک دوسرے فرزند زید بن علیؑ نیز آپ کے بعد کے ائمہ طاہرینؑ کے معتبر اصحاب نے آپ سے روایت کی ہیں اور



آپ کے بعد آپ کے شیعوں نے ان کو مدوّن کیا ہے۔

یہ کتاب نیک عمل شیعوں میں بڑی محترم اور مقدّس مانی جاتی ہے۔ یہ لوگ اس میں شامل دعاؤں کو رات دن اور صبح و شام طلب حاجات کے لیے پابندی سے پڑھتے رہتے ہیں۔ اس کی شب ہائے ماہ رمضان کی بعض دعاؤں میں آیا ہے کہ: بارِ الہا! تیرا گناہ کرنے سے میرا مطلب تیری مخالفت کرنا نہیں تھا۔ جب میں نے تیری نافرمانی کی تو میں تیری نافرمانی کا قصد نہیں رکھتا تھا نہ میں تجھ سے شکایت کر رہا تھا اور نہ تیری سزا کو حقیر سمجھ رہا تھا۔ نہ تیرے عذاب پر اعتراض کر رہا تھا۔ البتہ میرے نفس نے مجھ کو دھوکا دیا اور اس پر تیری ستر پوشی نے میری اعانت کی۔ اب مجھ کو تیرے عذاب سے کون بچائے گا اور اگر تو مجھ سے اپنی رسی کو قطع کرے گا تو پھر میں کس رسی کو پکڑوں گا۔ جب کل (قیامت) کا دن ہوگا اور گناہوں کے ہلکے وزن والوں سے کہا جائے گا کہ گزر جاؤ اور گناہوں کے بھاری وزن والوں سے کہا جائیگا کہ تم یہیں گر پڑو۔ تو کیا میں ان چھوٹے گناہگاروں کے ساتھ گزر سکوں گا یا بڑے گناہگاروں کے ساتھ (عذاب میں) پڑا رہوں گا۔

اسی دعا میں آپ کہتے ہیں: اے اللہ! میرے اوپر رحم کر۔ میری حجت قطع ہو گئی ہے۔ میری زبان تیرے سامنے جواب دینے سے قاصر ہے اور میری عقل تیرے سوال پر بے ہو گئی ہے۔ اے اللہ اگر تو معاف کرتا ہے تو معاف کرنے کے لیے تجھ سے زیادہ سزاوار کون ہے؟ اور اگر تو عذاب کرتا ہے تو فیصلہ کرنے میں تجھ سے زیادہ عادل کون ہے۔ (اے اللہ) مجھ پر رحم کر، اس دنیا میں میری حالت مسافت پر، موت کے وقت میری بے چینی پر، قبر میں میرے اکیلے پن پر اور لحد میں میری تنہائی پر۔

(اے اللہ) میرے اوپر رحم کر، جب میرے احباب بستر پر مجھ کو کروٹیں بدلواتے ہوں، اس وقت جب میں تختہ غسل پر لٹا دیا جاؤں اور میرا نیک پڑوسی مجھ کو غسل دے۔ جب میں (دفن کے لیے) لے جایا جاؤں اور میرے رشتے دار میرے جنازے کے چاروں طرف موجود ہوں، اس نئے گھر میں میری تنہائی اور اس لحد میں مجھ پر رحم فرما!

اس کے بعد اپنی اس دعا میں، امامؑ اپنے لیے، اپنے اہل و عیال کے لیے، اپنے بھائیوں کے لیے، اپنے پڑوسیوں کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا فرماتے ہیں اور پھر کہتے ہیں:



میرے اللہ! میرے آقا! تیری عزت و جلال کی قسم کہ اگر تو میرے گناہوں کے متعلق مجھ سے سوال کرے گا تو میں تجھ سے تیرے عفو کا طلبگار ہوں گا۔ اگر تو میری خطاؤں کی پشیمانی کرے گا تو میں تجھ سے تیری بخشش کا طالب ہوں گا۔ اگر تو مجھ کو آتش جہنم میں ڈالے گا تو میں اہل جہنم کے سامنے تجھ سے اپنی محبت کا ذکر کروں گا۔ اے اللہ! اگر تو صرف اپنے دوستوں اور اطاعت کرنے والوں کو بخشے گا تو گنہگار کس کی پناہ تلاش کریں۔ اگر تو صرف اپنے وفا کرنے والوں ہی کی بخشش کرے گا تو خطاکار کس سے فریاد کریں۔ اے خدا! اگر تو مجھ کو جہنم میں ڈال دے گا تو اس میں تیرے دشمنوں کو خوشی ہوگی لیکن اگر تو مجھ کو جنت میں داخل کرے گا تو اس سے تیرے نبیؐ کو خوشی ہوگی۔ بخدا میں خوب جانتا ہوں کہ تیرے لیے تیرے نبیؐ کی خوشی اپنے دشمن کی خوشی سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اے اللہ! مجھے اپنے دین کے لیے خوفِ جہنم، اپنے احکام کے لیے سمجھ اور اپنے علم کے لیے ادراک عطا کر دے۔ مجھ کو وہ پرہیزگاری دے جو مجھے تیری نافرمانی سے بچالے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کاہلی سے، بزدلی سے، کنجوسی سے، بے پروائی سے، سنگدلی سے، ذلت سے، مسکینی سے، ناداری سے اور فاقہ کشی سے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، ایسے نفس سے جس میں قناعت نہ ہو، ایسے شکم سے جو سیر نہ ہوتا ہو، ایسے قلب سے جو خوف نہ کرے، ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے اور ایسے عمل سے جو نفع نہ بخشے۔ اے اللہ! تو نے اپنی کتاب میں عفو نازل کیا ہے اور ہم کو حکم دیا ہے کہ جو کوئی ہم پر ظلم کرے ہم اس کو معاف کر دیا کریں۔ ہم نے ضرور اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ پس تو ہم کو معاف کر دے، کیونکہ تو معاف کر دینے کا ہم سے زیادہ سزاوار ہے۔

اے اللہ! میرے لیے اپنے رزق میں وسعت کر دے،  
دُعائے مکارمِ الاخلاق | لیکن افراط سے میری آزمائش نہ کر۔ مجھ کو عزت عطا کر، لیکن مجھ کو غرور میں مبتلا نہ کر۔ مجھے اپنا عبادت گزار بنالے لیکن میری عبادت کو گھمنڈ سے خراب نہ ہونے دے۔ میرے ذریعے سے لوگوں میں بھلائی پھیلا دے لیکن اس کو احسان جتانے سے برباد نہ ہونے دے۔ اے اللہ! لوگوں کے درمیان میرے مرتبہ میں کوئی درجہ بلند نہ کر جب تک میں اپنے نفس کو اتنا ہی کچل نہ ڈالوں۔ مجھ کو اس وقت تک ظاہری عزت عطا نہ کر



جب تک میں اسی حد تک اپنے نفس کو باطن میں ذلیل نہ کر لوں۔ اے اللہ مجھ میں کوئی عیب دار خصلت ایسی نہ رہنے دے کہ جس کی میں اصلاح نہ کر لوں۔ نہ ایسی خرابی رہنے دے جو واغدار بناتی ہو اور جس کو میں درست نہ کر لوں۔ نہ کسی اچھے عمل میں ایسی کمی رہنے دے جس کو میں پورا نہ کر دوں۔

اے اللہ مجھے اس شخص کی فرمانبرداری کی توفیق دے جو میری اصلاح کرے اور اس کی اطاعت کرنے کی جو مجھے راہ دکھا دے۔ مجھے ایسا راست رو بنادے کہ جو شخص مجھ کو ورغلائے میں اس کو نصیحت کروں، جو مجھ سے کنارہ کشی کرے میں اس کے ساتھ نیکی سے پیش آؤں۔ جو مجھ کو کسی شے سے محروم کرے میں اس کے ساتھ سخاوت کا برتاؤ کروں۔ جو میری قرابت کا خیال نہ کرے میں اس کی مدد کروں اور جو میری غیبت کرے میں اس کا مقابلہ اس کے اچھے ذکر سے کروں۔

اے اللہ! مجھے ایسا بنادے کہ میں اچھے سلوک پر شکریہ ادا کروں اور برائی سے چشم پوشی کروں۔

اسی مناجات میں آپ فرماتے ہیں:

اے اللہ مجھ کو ایسا کر دے کہ میں ضرورت کے وقت تیری طرف رجوع کروں۔ حاجت کے لیے تجھ ہی سے سوال کروں۔ تنگدستی کی حالت میں تیرے ہی سامنے اپنی حالت بیان کروں۔ اے اللہ میری اس طرح آزمائش نہ کر کہ جب میں پریشان ہوں تو تیرے علاوہ کسی اور سے مدد طلب کروں۔ جب میں نادار ہو جاؤں تو تیرے علاوہ کسی اور کے سامنے سوال کرنے کے لیے جھکوں کیونکہ میں ایسا جب ہی کروں گا جب تو مجھ کو چھوڑ دے گا، مجھ کو محروم رکھے گا اور مجھ سے روکش ہو جائے گا اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

اس کے لیے امامؑ کی دعا جس نے آپ پر ظلم کیا | جو کوئی آپ سے برا سلوک کرتا آپ اس کے ساتھ

اچھا سلوک کرنے ہی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ سے عفو اور بخشش کی دعا کرتے اور فرماتے: اے اللہ اگر کسی شخص نے مجھ کو تکلیف دی ہے اور جو رنج مجھ کو اس



سے پہنچا ہے اس پر اس کو معاف کر دے اور ایسے لوگوں کو میری طرف سے معاف کر دینے اور ان کے ساتھ میرے سلوک کو صدقہ دینے والوں میں بہترین صدقہ اور مقرب بندوں کی بہترین عطا قرار دے اور میرے ان کو معاف کر دینے کے عوض تو مجھ کو معاف کر دے تاکہ ہم میں سے ہر ایک تیرے فضل کی بدولت سعادت حاصل کرے اور تیرے احسان کے سائے میں عذاب سے نجات حاصل کر لے۔

اس کے ساتھ ساتھ آپ حقوق عباد کے ادا کرنے میں اپنے آپ کو بری الذمہ خیال نہ کرتے تھے اور اللہ کے حضور میں اس کے لیے معذرت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دعائیں آپ فرماتے ہیں:

اے اللہ میں تیرے حضور میں معذرت کرتا ہوں، اس شخص کے بارے میں جس پر میرے سامنے ظلم کیا گیا اور میں نے اس کی مدد نہیں کی۔ ایسی نیکی کے بارے میں جو کسی نے میرے ساتھ کی ہو اور میں نے اس کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ ایسی بُرائی کے لیے جس کی معذرت کسی نے مجھ سے کی اور میں نے عذر قبول نہیں کیا، ایسے صاحب احتیاج کے بارے میں جس نے مجھ سے سوال کیا اور میں نے اس کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دی۔ کسی مسلمان کے ایسے گناہ کے بارے میں جو میرے اوپر ظاہر ہو گیا اور میں نے اس کو چھپایا نہیں اور ہر ایسے گناہ کے بارے میں جس کا موقع مجھ کو ملا اور میں اس سے کنارہ کش نہیں رہا۔ میں جن خطاؤں میں جا پڑا ان پر میری ندامت کو اور میرے اس عزم کو کہ جو بُرائیاں میرے سامنے آئیں گی میں ان سے باز رہوں گا، میری توبہ قرار دے کہ جو مجھ کو تیری محبت کا حقدار بنا دے۔ اے توبہ کرنیوالوں سے محبت کرنیوالے۔

آپ تنہائی کے لمحات میں اللہ تعالیٰ سے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں میں لڑنے والوں اور حفاظتی فرائض انجام دینے والوں کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور اللہ سے ان کے لیے صبر اور دشمنان اسلام کے خلاف تائید اور نصرت طلب فرمایا کرتے تھے۔

سرحدی علاقوں کی سپاہ اور کفار سے جنگ کرنیوالوں کیلئے اپنی دعا | اے اللہ!



محمدؐ و آل محمدؐ پر صلوات بھیج اور اپنی قدرت سے مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت فرما۔  
 اپنی قوت سے ان کی حفاظت کرنے والوں کی مدد فرما۔ اپنی عظمت سے ان کے روزینہ  
 میں وسعت بخش دے۔ ان کی تعداد میں زیادتی عطا کر، ان کے ہتھیاروں کو تیز کر دے۔  
 ان کی اقامت گاہوں کی حفاظت فرما۔ ان کی پناہ گاہوں سے خطروں کو دور رکھ۔ ان  
 کی جمعیت کو یکجا رکھ۔ ان کے معاملات کا انتظام فرما۔ ان کو صبر کے ذریعہ قوت عطا  
 فرما۔ اپنی نصرت سے ان کی اعانت کر۔ دشمن سے مقابلہ کے وقت فریب کا روپا کی یاد  
 ان کے ذہنوں سے مٹا دے۔ ان کے دلوں سے فتنہ خیز مال کا خیال دور کر دے۔ جنت  
 کو ان کی آنکھوں میں بسا دے تاکہ ان میں سے کوئی پیٹھ پھیرنے اور دشمن کے مقابلہ سے  
 فرار کا خیال نہ کرے۔ اے اللہ! اگر تیرے ماننے والوں میں سے کوئی شخص ان کفار سے  
 جنگ کرے یا تیرے دین کی پیروی کرنے والوں میں سے کوئی مجاہدان سے جہاد کرے  
 تاکہ تیرا دین بلند تر ہو جائے۔ تیری جماعت قومی تر ہو جائے اور تیرا مقصد زیادہ قابل حصول  
 ہو جائے، تو اس کے لیے آسانی پیدا کر دے، اس کے لیے ساز و سامان مہیا کر دے۔ اس کو  
 کامیابی سے ہمکنار کر دے۔ اس کو صبر کی قوت عطا کر۔ اس کے لیے نصرت کو آسان کر دے۔  
 اس کے لیے اچھے ساتھی مہیا کر۔ اس کے سامان خورد و نوش میں وسعت عطا کر۔ اس کو قلبی  
 مسرت عطا کر اور سلامتی میں رکھ۔ اس کو بزدلی سے دور رکھ۔ اس کو جرأت عطا کر۔ سخت کشتی  
 کی قوت دے۔ اس کو نصرت سے سرفراز کر اور اس کے فکر اور ذکر کو، اس کی حالت سفر اور  
 اس کے حضر کو اپنے لیے قرار دے لے۔ اے سب رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ  
 رحیم!

آپ محافظین و مجاہدین کے لیے اس دعا کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:  
 اے اللہ! مشرکوں کو مشرکوں سے مصروف پیکار کر کے ان کو مسلمانوں کی سرحدوں سے  
 دور رکھ۔ ان کی تعداد میں کمی کر دے تاکہ رفتہ رفتہ نابود ہو جائیں۔ ان کو پراگندہ  
 کر دے تاکہ وہ مسلمانوں پر چڑھائی نہ کر سکیں۔ اے اللہ ان کے دلوں کو اطمینان سے  
 اور جسموں کو قوت سے محروم کر دے۔ ان کے دلوں سے مکر و فریب کو بھلا دے۔ ان  
 کے طاقتور لشکریوں کو غازیان اسلام کے مقابلہ میں کمزور کر دے۔ ان کو بہادریوں سے



مقابلہ میں بزدل بنا دے۔ ان سے کافروں کی مدد کو دُور رکھ۔ ان کے ذہنوں پر رعب طاری کر دے اور ان کے ہاتھوں کی قوت سلب کر لے۔

اے اللہ! جو مسلمان کسی غازی یا سرحد کے محافظ کے گھر کا نگہبان ہو یا محاذ پر جانینوالے کسی مجاہد کی غیر موجودگی میں اس کے خیال کی دیکھ بھال کرے یا اپنے مال سے اس کی اعانت کرے یا اس کے لیے ہتھیار مہیا کرے یا اس کو جہاد کے لیے ترغیب دلائے یا اس کے سامنے خود بھی اس کے بعد جانے کی آمادگی ظاہر کرے یا اس کے پیچھے اس کی حرمت کا خیال رکھے تو اس کو بھی اس کے برابر اور اسی نوعیت کی جزا دے اور اس کے اس فعل کے بدلہ میں فوری نفع اور مسرت عطا کر یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جس کے لیے تو نے اپنے فضل و کرم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اے اللہ! جو مسلمان اسلام کے لیے فکر مند ہو کر اور اہل شرک کی مسلمانوں کے خلاف گروہ بندی سے متاثر ہو کر لڑنے کا ارادہ کرے، لیکن کمزوری کی وجہ سے بیٹھا رہ جائے یا ناداری کی وجہ سے رک جائے یا کوئی حادثہ اس کو بھیرا دے یا کوئی رکاوٹ اس کے ارادہ میں حائل ہو جائے تو اس کا نام عبادت گزاروں میں درج فرما لے اور اس کو مجاہدوں کا سا ثواب عطا کر اور اس کو شہداء و صالحین کے زمرے میں شمار فرما!

آپ اپنے والدین کے لیے یہ دعا فرماتے تھے:

اے اللہ! مجھ کو ایسا بنا دے کہ میں اپنے والدین سے اس طرح ڈروں جیسے کسی جابر فرما تر و اسے ڈرا جاتا ہے۔ میں ان کے ساتھ ایسی نرمی سے پیش آؤں جیسے مہربان ماں اور لاپرواہ شفیقت کرتی ہے۔ میرے والدین کے لیے میری اطاعت اور نیک سلوک کو میری آنکھوں کے لیے نیند سے زیادہ شیریں بنا دے۔ میرے دل کے لیے اس کو پیاسے کے لیے شربت سے زیادہ ٹھنڈا بنا دے تاکہ میں اپنی خواہش پر ان کی خواہش کو ترجیح دوں اور اپنی مرضی پر ان کی مرضی کو مقدم قرار دوں۔ ان کی تھوڑی نیکی کو بھی اپنے اوپر زیادہ سمجھوں اور ان کے ساتھ اپنے نیک سلوک کو کم خیال کروں خواہ وہ زیادہ ہی ہو۔

اے اللہ! میری تربیت کرنے کے عوض میرے والدین کو جزائے خیر دے۔ میرے اوپر مہربانی کرنے کے بدلہ میں ان کو ثواب عطا کر۔ ان کو میرے بچپن میں میری حفاظت کرنے کا



صلہ دے۔ اے اللہ! میری طرف سے ان کو جو تکلیف پہنچی ہو یا کوئی رنج و امنگی ہو ہو یا ان کا کوئی حق ضائع ہوا ہو تو اس کو ان کے گناہوں کے لیے ذریعہ بخشش، ان کے مراتب میں بلندی کا وسیلہ اور ان کی نیکیوں میں اضافے کا موجب قرار دے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم۔

دعاؤں کے ان منتخب ٹکڑوں کے علاوہ صحیفہ سجادیہ میں طلب رزق، ادائے قرض، طلب حاجات، عفو و مغفرت، دشمنوں کی چالوں سے حفاظت کے لیے دسیوں دعائیں شامل ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ ان کے ذریعہ سے اپنے والدین، اپنی اولاد اور اپنے پڑوسیوں کے لیے دعا کرتا رہے۔ علاوہ ازیں صبح و شام، ایام ہفتہ، موت کی یاد اور ماہ رمضان کے لیے دعائیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس صحیفہ میں احکام، آداب اور اخلاق پر مشتمل بڑا قیمتی مواد ہے۔ جس کو پڑھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے انسان روحانی ترقی کرتے ہوئے اللہ کا تقرب حاصل کر سکتا ہے۔

**رسالہ حقوق** | اکثر محدثین نے اپنی کتب حدیث میں یہ روایات بیان کی ہیں کہ امام زین العابدینؑ نے وہ سب حادثات دیکھے جو آپ کے آباء کرامؑ کو پیش آتے رہے۔ چنانچہ جب آپ نے دیکھا کہ اموی عہد حکومت میں امت ظلم و ستم کا شکار ہے اور یہ فرمانروا پیغام الہی کے مفہوم کو بدل ڈالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں تو آپ نے اپنے اصحاب اور اپنے آباء کرامؑ کے ماننے والوں کے لیے ایک رسالہ رقم فرمایا۔ یہ رسالہ پچاس مباحث پر مشتمل ہے۔ اس میں لوگوں کے حقوق اور ان کے فرائض درج کیے گئے تھے۔

یہ رسالہ محدثین کے درمیان ”رسالہ حقوق“ کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ صدوق نے اس کو اپنی کتاب الخصال میں امامؑ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام زین العابدینؑ کے حالات کے ضمن میں بیشتر مصنفین نے اس رسالے کا ذکر کیا ہے مثلاً علی بن شعبہ نے اس کو اپنی کتاب ”تحف العقول“ میں ابی حمزہ ثمالی پر منتہی ہونے والی سند سے روایت کیا ہے۔ امامؑ نے اس کی ابتداء اپنے اس قول سے فرمائی ہے:

اللہ تم پر رحم فرمائے، تم کو جاننا چاہیے کہ تم پر اللہ کے کچھ حقوق ہیں جو ہر اس



حرکت پر جو تم کرو، تمہارے ہر سکون پر جب تم پر سکون رہو، تمہارے ہر مقام پر جہاں تم جاؤ، ہر عضو بدن پر جس سے تم کام لو اور ہر اس چیز پر وہ حقوق حاوی ہیں جو تم استعمال کرو۔

پس تم پر اللہ کے سب سے اہم حقوق وہ ہیں جو تمہارے سر سے پیر تک مختلف اعضاء کے بارے میں تم پر واجب ہیں۔ چنانچہ تمہاری آنکھ کے لیے تم پر حق ہے، کان کے لیے تم پر حق ہے، تمہاری زبان کے لیے تم پر حق ہے، تمہارے ہاتھ کے لیے تم پر حق ہے اور تمہاری شرمگاہ کے لیے تم پر حق ہے۔ پھر امامؑ اعضاء کے حقوق سے افعال کے متعلق حقوق کی طرف جاتے ہیں اور وہاں سے ان حقوق کی طرف جاتے ہیں جو انسان پر اپنے معاشرہ کے لیے، اپنے بھائیوں کے لیے، اپنے پڑوسیوں کے لیے، اپنے حاکم کے لیے، اپنے خاص دوستوں کے لیے، اپنے ہم نشینوں کے لیے، اپنے ساتھیوں کے لیے، اپنے شرکاء کے لیے، اپنے خدمت گاروں کے لیے اور اپنی بیویوں کے لیے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے حقوق بھی ہیں۔

حاکم کے حقوق کے بارے میں اس میں ہے کہ: اس کو راضی رکھنے کے لیے سرکاری واجبات اس قدر خوشدلی سے ادا کرو کہ تم اس کی گرفت سے دور رہ سکو اور وہ تمہارے دین کے لیے ضرر رساں نہ ہو۔ پھر اس معاملہ میں اللہ سے مدد بھی طلب کرتے رہو۔ مزید یہ کہ تم اس سے دشمنی نہ رکھو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اس کے ساتھ بھی اور خود اپنے ساتھ بھی زیادتی کرو گے کیونکہ اس طرح تم اپنے آپ کو اس کے بُرے سلوک کا نشانہ بنا لو گے اور اس کو اس بات پر آمادہ کر لو گے کہ وہ تم کو تباہ و برباد کر ڈالے۔ تمہارے لیے یہ زیادہ مناسب ہے کہ تم اپنی خاطر اس کے مددگار رہو اور جو کچھ وہ تمہارے لیے کرتا ہے اس میں شریک رہو اور طاقت صرف اللہ ہی کی ہے۔

معلم کے حقوق بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: تم پر اس کا حق ہے کہ تم اس کی تعظیم کرو۔ اس کی مجلس کا وقار قائم رکھو، اس کی بات کان لگا کر سنو، خود اس کی طرف بڑھو اور اس کے ساتھ اس طرح رہو کہ تم اس کے علم سے بے نیاز نہیں ہو۔ گویا کہ تمہاری عقل اس کے سامنے بیدار ہے، تمہاری سمجھ اس کے سامنے حاضر ہے، تمہارا



دل اس کے لیے صاف رہے، تمہاری نظر اس کے لیے روشن رہے اور تم لذتوں اور خواہشوں کو ترک کیے رہو۔ اس کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کرو۔ وہاں تم کسی کے سوال کا جواب نہ دو۔ بلکہ وہی معلم جواب دے۔ اس کی صحبت میں تم کسی اور سے بات مت کرو۔ اگر تمہارے سامنے اس کی برائی کی جائے تو تم اس کی طرف سے صفائی پیش کرو۔ اس کے عیوب کو چھپاؤ، اس کی خوبیوں کو نمایاں کرو، اس کے دشمن کی صحبت اختیار نہ کرو اور اس کے دوست سے دشمنی نہ کرو۔

اولاد پر ماں کے حقوق کے متعلق آپؐ نے فرمایا: تمہاری ماں کا حق یہ ہے کہ تم اس بات کو مد نظر رکھو کہ اس نے تم کو اس طرح اٹھائے رکھا کہ جس طرح کوئی کسی کو نہیں اٹھاتا۔ اس نے تم کو اپنے دل کے جوہر سے غذا پہنچائی ہے جو کوئی اور کسی کو نہیں پہنچاتا۔ اس نے خوشی خوشی اپنے کان، اپنی آنکھ، اپنے ہاتھ، اپنے پیر، اپنے بالوں، اپنے چہرہ اور اپنے تمام اعضاء کے ذریعے سے تمہاری پرورش کی اور اس کے لیے اپنے اوپر ناگواری، رنج، ملال اور غم برداشت کیا ہے۔ یہاں تک کہ قدرت نے تم کو اس میں سے نکالا اور تم کو زمین پر لا رکھا۔ اب وہ اس پر خوش رہی کہ تم کو سیر کرے اور خود بھوکے رہ جائے، تم کو پہنائے اور خود محروم رہ جائے، تم کو سیراب کرے اور خود پیاسی رہ جائے، تم کو سایہ بہم پہنچائے اور خود دھوپ میں جھلسا کرے، تم کو آسائش میں رکھے اور خود دکھ اٹھایا کرے اور تم کو آرام کی نیند سلائے اور خود بے چینی میں جاگا کرے۔ پس تم اپنی ماں کے ان احسانات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے اور نہ اللہ کی مدد اور توفیق کے بغیر تم اس پر قدرت رکھتے ہو۔

ایک بھائی پر اپنے بھائی کے حقوق کے متعلق آپؐ نے فرمایا: وہ تمہارا ہاتھ ہے جس کو تم پھیلاتے ہو، وہ تمہاری کمر ہے جس پر تم سہارا لیتے ہو، وہ تمہاری عزت ہے جس پر تم بھروسہ کرتے ہو اور وہ تمہاری قوت ہے جس کے ذریعے تم دشمن پر قابو حاصل کرتے ہو۔ پس تم اپنے اس بازو کو اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بناؤ نہ بندگان خدا پر ظلم کرنے کا سامان قرار دو۔ خود اس بھائی کے نفس کے خلاف اس کی نصرت کرنے، دشمن کے خلاف اس کی مدد کرنے، اس کے اور اس کے شیطانوں کے درمیان حائل ہونے،



اس کو نصیحت کرنے اور اللہ کے معاملہ میں اس کی مخالفت کرنے سے کبھی دریغ نہ کرو۔ پس اگر وہ اللہ کی جانب مائل ہو جائے اور اس کے احکام ماننا ہے تو خیر ورنہ اللہ اس سے زیادہ تم سے مواخذہ کرے گا۔

پڑوسیوں کے حقوق کے متعلق آپؐ نے فرمایا: پڑوسی کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اس کی غیر موجودگی میں اس کے ناموس کی حفاظت کرو، اس کی موجودگی میں اس کی عزت کرو اور ان دونوں حالتوں میں اس کی نصرت اور مدد کرتے رہو۔ اس کی کسی باعث شرم بات کا پیچھا نہ کرو، نہ اس کے کسی عیب کو کرید کر معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تم کو ایسی بات بلا ارادہ معلوم بھی ہو جائے تو جو کچھ تم کو معلوم ہو گیا ہے اس کے لیے تم محفوظ قلعہ اور رازداری کا ایسا مقام بن جاؤ کہ اگر اسکو نیزے سے بھی کریدیں تو وہ اس کے رازوں تک رسائی نہ پاسکیں۔ اس کی باتوں کو ایسی حالت میں سننے کی کوشش نہ کرو کہ اس کو تمہاری موجودگی کا علم نہ ہو۔ اس کی تنگی میں اس کا ساتھ نہ چھوڑو اور فراخی کی حالت میں اس سے حسد نہ کرو۔ اس کی خطاؤں کو معاف کرو اور غلطیوں سے درگزر کرو۔ اگر وہ تم سے جہالت کا برتاؤ کرے پھر بھی تم اس سے علم سے پیش آؤ۔

ایک ہم نشین کے حقوق کے متعلق آپؐ نے فرمایا: تم پر فرض ہے کہ جس قدر تمہاری رسائی ہے اس سے بھی بڑھ کر اپنے اس ہم نشین کے ساتھ سلوک کرو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر تمہارا یہ سلوک انصاف سے ہٹ کر نہ ہو۔ تم اس کی ویسی ہی عزت کرو جیسی وہ تمہاری کرتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس عزت کرنے کے عمل میں وہ تم پر سبقت لے جائے۔ اگر وہ سبقت لے جائے تو تم اپنی طرف سے اس کمی کو پورا کر دو۔ اپنے اوپر لازم سمجھتے ہوئے اس کو نصیحت کرتے رہو۔ اس کی آبرو کی حفاظت کرتے رہو۔ اللہ کی اطاعت میں اس کی دستگیری کرتے رہو۔ جن معاملات میں اس کو اللہ کی نافرمانی کا خوف دامنگیر ہو، ان میں اس کے نفس کی مدد کرو۔

ایک انسان کے اپنا مال صرف کرنے کی حدود کے متعلق فرمایا: تم پر فرض ہے کہ دولت صرف حلال طریقہ سے حاصل کرو اور صرف حلال ہی طریقہ پر صرف کرو۔ اس کو اس کے خرچ کے لیے مقررہ مقامات سے نہ ہٹاؤ، کیونکہ وہ اللہ سے ملی ہے، اس لیے



اس کو اسی کی خاطر اور اسی تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ۔ وہ کسی ایسے کو مت دو کہ جو کہ نہ تو تمہارا شکریہ ادا کرے گا اور نہ اس سے اللہ کی فرمانبرداری کے کام کرے گا، بلکہ اس کو غنیمت کے طور پر لے کر اس سے گناہ، اندوہ، ندامت اور دوسرے بُرے نتائج حاصل کرے گا۔

انسان پر کسی نصیحت کرنے والے کے حقوق کے متعلق فرمایا: تم پر فرض ہے کہ ایسے شخص کے سامنے اپنے بازوؤں کو انکساری کے طور پر جھکا دو۔ اس کے لیے اپنا قلب کشادہ کر دو۔ اس کے سامنے اپنے کان کھلے رکھو۔ تاکہ تم اس کی نصیحت کو سمجھ سکو اور اس پر غور کرو۔ اگر نصیحت کرتے ہیں وہ شخص اللہ کی طرف توفیق پائے ہوئے ہے تو خوب ورنہ تم نے اس کے ساتھ نیک سلوک کیا اور اس کو قابل الزام نہیں ٹھیرایا۔ نیز تم کو معلوم ہو گیا کہ وہ تم کو نصیحت کرنے سے دریغ نہیں کرتا ہے۔ اگر وہ تمہارے نزدیک قابل الزام ہے تو کسی حال میں بھی اس کے معاملہ میں دخل نہ دو۔ اللہ کے علاوہ کوئی صاحب قوت نہیں ہے۔

جو شخص دوسروں کو مسرت بہم پہنچائے، اس کے حقوق کے متعلق فرمایا: اگر اس نے خاص ارادے سے تم کو مسرت بہم پہنچائی ہے تو پہلے اللہ کی حمد بجالاؤ۔ پھر اس شخص کا شکریہ ادا کرو اور نیکی میں پہل کرنے پر اس کو اچھا بدلہ دینے کا موقع دیکھتے رہو۔ اگر یہ مسرت بہم پہنچانے میں اس کا ارادہ شامل نہ تھا تو پہلے اللہ کی حمد بجالاؤ، پھر اس کا شکریہ ادا کرو۔ کیونکہ وہ تم کو اس نعمت الہی کے حاصل ہونے کا سبب بنا۔ تم اس کے لیے جزائے خیر کی دعا کرو۔ اس لیے کہ نعمت کے حاصل ہونے کے اسباب بہر حال باعث برکت ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کہیں سے بھی وجود میں آئیں اور کسی کے خاص ارادہ کا نتیجہ نہ بھی ہوں۔

اہل ذمہ کے حقوق کے متعلق آپؑ نے فرمایا: ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ تم ان سے وہ قبول کرو جو اللہ نے قبول کیا ہے۔ ان کے لیے وہ پیمان اور عہد کافی ہے جو اللہ نے ان سے کیا ہے۔ جب تمہارے اور ان کے مابین کوئی معاملہ پیدا ہو جائے تو ان کے بارے میں ویسا ہی فیصلہ کرو جیسا تم اپنے آپ کے لیے کرتے۔ تمہارے ان پر ظلم کرنے کی راہ میں یہ امر حائل رہنا چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے پیمان کی رعایت اور عہد کی وفا ضروری ہے کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے اپنے فریق معاہدہ پر ظلم کیا میں اس کا مد مقابل ہو جاؤں گا۔ پس تم کو ان کے معاملہ میں ڈرتے رہنا چاہیے اور اللہ کے



علاوہ کوئی صاحب طاقت و قوت نہیں ہے۔

امام زین العابدینؑ کے اقوال | روایت ہے کہ اپنے اپنے ایک بیٹے سے فرمایا:

اللہ تیرے لیے مجھ سے راضی ہے اور میرے لیے تجھ سے راضی نہیں ہے۔ ہاں تو اس نے تجھ کو میرے حق میں وصیت کی لیکن تیرے حق میں مجھ کو وصیت نہیں کی۔ پس تجھ پر میرے ساتھ نیکی کرنا لازم ہے کیونکہ یہ ایک بڑا قیمتی تحفہ ہے۔ آپ نے فرمایا لوگوں سے حاجت طلب کرنا زندگی کے لیے باعثِ ذلت ہے۔ یہ رویہ حیاء کو زائل کرتا ہے، وقار کو کم کرتا ہے اور یہ ناداری کی دلیل ہے۔ اس طرح حاجتوں کے طلب کرنے میں کمی کرنا سیرِ چشمی کی علامت ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تم میں اللہ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو سب سے زیادہ نیک عمل کرتا ہے۔ تم میں اللہ کے نزدیک عمل میں سب سے عظیم وہ ہے جو اللہ کی طرف زیادہ رغبت رکھتا ہے۔ تم میں عذابِ خدا سے نجات پانے کا زیادہ حقدار وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرتا ہے۔ تم میں سب سے بڑھ کر اللہ سے قریب وہ ہے جس کے اخلاق میں سب سے زیادہ وسعت ہے۔ تم میں اللہ کی رضا کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو اپنے عیال کو سب سے بڑھ کر آسائش پہنچاتا ہے۔ تم میں سب سے بڑھ کر باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے دور رہتا ہے۔

آپؑ نے اپنے کسی بیٹے سے فرمایا: بیٹے! خیال رکھنا کہ پانچ شخصوں سے نہ صحبت رکھنا نہ ہمکلام ہونا اور نہ ان کا ہمسفر ہونا۔ بیٹے نے پوچھا: بابا جان! وہ کون ہیں؟ اس پر آپؑ نے فرمایا: (۱) جھوٹے کی صحبت سے بچے رہنا کیونکہ اس کی مثال سراب کی سی ہے کہ وہ تم کو دور کی چیز قریب اور قریب کی چیز دور کر کے دکھاتا ہے۔ (۲) بدکار کی صحبت سے بچے رہنا کیونکہ وہ تم کو ایک وقت کے کھانے یا اس سے بھی کم میں بیچ ڈالے گا۔ اس پر آپؑ کے بیٹے نے کہا: کھانے سے کم کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: جس چیز کی خواہش ہو اور وہ حاصل نہ ہو سکے۔ (۳) کنجوس کی صحبت سے بچے رہنا کیونکہ وہ تم کو اس وقت چھوڑ دے گا جب تم کو اس کی مدد کی زیادہ ضرورت ہوگی۔ (۴) بیوقوف کی صحبت سے بچے رہنا کیونکہ وہ چاہے گا کہ تم کو فائدہ پہنچائے لیکن



الٹا نقصان پہنچا دے گا۔ (۵) رشتہ داروں سے بے رخی کرنے والے سے بچے رہنا کیونکہ میں نے اس کو کتاب خدا میں ملعون پایا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تین خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ کسی مومن میں ہوں تو وہ اللہ کی پناہ میں رہے گا۔ قیامت کے روز اللہ اس کو عرش کے سایہ میں جگہ دے گا اور اس عظیم دن کی پریشانی سے امن عطا کرے گا۔ پہلا وہ جو دوسروں سے ویسا ہی سلوک کرے جیسا وہ ان سے اپنے لیے چاہتا ہے۔ دوسرا وہ جو نہ ہاتھ ہلاتا ہے نہ پیر جب تک یہ معلوم نہ کر لے کہ اس کا اقدام اللہ کی اطاعت میں ہے یا اس کی نافرمانی میں۔ تیسرا وہ جو اپنے بھائی پر کوئی عیب نہیں لگاتا و فتیکہ اس کو اپنے آپ سے دُور نہ کرے۔ پس آدمی کے لیے بہتر کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کے عیبوں کے بجائے اپنے عیب دیکھتا رہے۔

آپؑ نے اپنے فرزند امام باقرؑ سے فرمایا: ہر اس شخص کے ساتھ بھلائی کرو جو تم سے اس کا خواہشمند ہو کیونکہ اگر وہ اس کا حقدار ہے تو تم نے اس عمل کو صحیح مقام پر انجام دیا ہے۔ اگر وہ اس کا حقدار نہیں ہے تو پھر تم تو ضرور بھلائی کرنے کے اہل تھے۔ نیز یہ کہ اگر کوئی شخص تم کو داہنی طرف آکر برا کہے اور بائیں طرف جا کر معذرت کرے تو تم اس کے عذر کو قبول کر لو۔

طاؤس یمانی بیان کرتے ہیں: میں نے ایک شخص کو خانہ کعبہ میں میزاب (پرنالہ) کے نیچے نماز ادا کرتے اور رو کر دعائیں مانگتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہوا تو میں نے جا کر دیکھا کہ وہ امام زین العابدینؑ علی بن حسینؑ ہیں۔ میں نے آپؑ سے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں نے آپؑ کو اس حالت میں دیکھا ہے حالانکہ آپؑ میں تین ایسی خصوصیات ہیں کہ میں امید کرتا ہوں کہ وہ آپؑ کو ہر خوف سے امن دیتی ہیں۔ پہلی یہ کہ آپؑ رسول اللہؐ کے فرزند ہیں، دوسری آپؑ کے نانا کی شفاعت اور تیسری اللہ کی رحمت!

اس پر آپؑ نے فرمایا: اے طاؤس! یہ تعلق کہ میں رسول اللہؐ کا فرزند ہوں، مجھ کو عذاب آخرت سے نہیں بچاتا کیونکہ میں نے اللہ کا یہ کلام سنا ہے: فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ۔ یعنی اس روز لوگوں کے مابین رشتے نہ رہیں گے۔ (سورہ مومنون۔ آیت ۱۰۱)



اسی طرح میرے نانا کی شفاعت بھی مجھ کو امن نہ دے سکے گی کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ: وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ. یعنی وہ صرف اس کی شفاعت کریں گے جس سے اللہ راضی ہو۔ (سورۃ انبیاء- آیت ۲۸)۔ رہی اللہ کی رحمت تو اللہ فرماتا ہے، إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ. یعنی اللہ کی رحمت اچھا عمل کرنے والوں کے قریب ہے۔ (سورۃ اعراف- آیت ۵۶)۔ جبکہ میں یہ نہیں سمجھتا کہ میں نیک عمل کرنے والوں میں ہوں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق، طاؤس یمانی نے بیان کیا ہے کہ میں نے امام علیؑ بن حسینؑ کو اپنی دعائیں یہ کہتے سنا کہ: اے خدائے پاک! تیری نافرمانی یوں کی جاتی ہے جیسے کہ اس کو تو دیکھتا ہی نہیں اور پھر تو اس کو اس طرح گوارا کرتا رہتا ہے گویا تیری نافرمانی ہوتی ہی نہیں۔ تو اپنے بندوں سے اس طرح حسن سلوک اور محبت ظاہر کرتا رہتا ہے گویا ان سے تیری کوئی حاجت وابستہ ہے۔ حالانکہ اے میرے مالک! تو ان سب باتوں سے بے نیاز ہے۔ اس کے بعد آپ سجدہ میں چلے گئے۔

طاؤس کہتے ہیں کہ تب میں نے امامؑ کے قریب جا کر ان کو گلے لگا لیا اور رونے لگا۔ یہاں تک کہ میرے آنسو ان کے رخساروں پر رواں ہو گئے۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھے اور بولے: کس نے مجھ کو اپنے پروردگار کے ذکر سے ہٹا دیا۔ میں نے کہا کہ میں طاؤس یمانی ہوں اور عرض کی کہ اے فرزند رسولؐ! یہ کیسا رونا اور کیسی پریشانی ہے؟ حالانکہ ایسا ہم کو کرنا چاہیے، جو گناہگار اور تہی و امن ہیں۔ اے میرے آقا! آپ کے والد بزرگوار حسینؑ بن علیؑ، آپ کی ماں فاطمہ زہراؑ اور آپ کے نانا رسول اللہؐ ہیں۔ طاؤس کا بیان ہے کہ اس پر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے:

ہائے افسوس اے طاؤس! میرے باپ، ماں اور نانا کی بات نہ کرو کیونکہ اللہ نے جنت اس کے لیے بنائی ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اور نیک اعمال بجالائے گا خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اس نے دوزخ اس کیلئے بنائی ہے جو اس کی نافرمانی کرے اور برے اعمال کا مرتکب ہو خواہ وہ قریشی سردار ہی کیوں نہ ہو۔ کیا تم نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا ہے کہ: فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ. پھر اس دن جو ہنی صور پھونکا جائیگا، لوگوں کے مابین رشتے نہ رہیں گے (سورۃ مومنون- آیت ۱۰۱)۔



بجدا قیامت کے روز نیک عمل کے سوا تم کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی۔

اصول کافی میں ابو حمزہ ثمالی کی سند سے روایت ہے کہ علی بن حسینؑ اپنی مناجات میں رور و کر فرمایا کرتے تھے: میرے آقا! کیا تو مجھ پر عذاب کرے گا، حالانکہ میرے دل میں تیری محبت جاگزیں ہے۔ تیری عزت کی قسم! اگر تو نے ایسا کیا تو گویا مجھ کو اور ان لوگوں کو یکجا کر دے گا جن سے میں مسلسل تیری خاطر دشمنی کرتا آیا ہوں۔

امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو اداۓ امانت کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اگر میرے والد بزرگوار امام حسینؑ کا قاتل میرے پاس وہ تلوار امانت کے طور پر رکھتا کہ جس سے اس نے انھیں قتل کیا تھا، تو بھی میں اس کو واپس دیدیتا۔

آپ نے احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا: قیامت کے روز اللہ اپنے بندے سے پوچھے گا، کیا تو نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا کہ جس نے تیرے ساتھ حسن سلوک کیا تھا۔ وہ جواب دے گا: اے اللہ! میں نے تیرا شکر ادا کیا تھا۔ اس پر اللہ کہے گا کہ اگر تو نے اس شخص کا شکریہ ادا نہیں کیا تو پھر میرا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

روایت ہے کہ آپ نے اپنا وقت وفات قریب آنے پر اپنے فرزند امام ابو جعفر محمد الباقرؑ سے فرمایا: اے میرے بیٹے! ایسے شخص پر سختی نہ کرنا جس کا تمہارے مقابلہ کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ ہو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی نے اپنے ایک بھائی کو اجرت پر رکھا اور پھر اس کی اجرت ادا نہ کی تو اس سے اللہ کی دوستی قطع ہو گئی۔ آپ فرماتے تھے: اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ وہ لوگ قیامت کے روز امن میں ہوں گے۔ جو کوئی کسی مومن کو خوشی مہیا کر دے، اللہ قیامت کے روز اس کے دل کو خوش رکھے گا۔

نیز آپ فرماتے تھے: آدمی کی زبان ہر روز صبح کو دوسرے اعضاء کے پاس ہر کہتی ہے کہ کیسا حال ہے تم سب کا۔ وہ سب کہتے ہیں اگر تم ہم کو چھوڑے رکھو تو بخیر ہی ہیں کیونکہ انسان کو ثواب اور عذاب اس کی زبان ہی کی بدولت ملتا ہے۔



راویوں کا بیان ہے کہ اہل عراق کے ایک گروہ نے امام علی بن حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کا ذکر بُرائی سے کیا اور ان کو ناسزا کہا۔ اس پر امامؑ نے ان سے فرمایا: ذرا مجھ کو بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو۔ کیا تم ان سب سے پہلے کے مہاجرین میں سے ہو جو اپنے گھروں سے نکالے اور مال و متاع سے الگ کیے گئے۔ وہ خدا کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایماندار ہیں۔ وہ یوں کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں۔

تب آپؑ نے فرمایا: پھر کیا تم لوگ ان میں سے ہو جو ان سے بھی پہلے ہجرت کے گھر (مدینہ) میں آباد تھے اور اپنے ایمان پر قائم رہے۔ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے تھے جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے تھے۔ وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی طمع نہیں رکھتے تھے جو ان کو دی گئی تھی۔ وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے حالانکہ خود ان کو تنگدستی لاحق تھی۔ اس پر ان لوگوں نے کہا: ! نہیں ہم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہیں۔

تب امامؑ نے فرمایا: اب تم نے مان لیا کہ تم ان دونوں فریقوں (مہاجر و انصار) میں سے نہیں ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان دونوں میں سے نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ: ”جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہیں دشمنی نہ آنے دے۔“

تم لوگ اب یہاں سے نکل جاؤ۔ اللہ تم کو کوئی برکت نہ دے۔

امام زین العابدینؑ کی اولاد | شیخ مفید نے ارشاد میں اور ابن صباغ نے فصول المہمہ میں بیان کیا ہے کہ آپ کے پندرہ بچے تھے۔ ان میں گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔ ان میں سن اور منزلت کے لحاظ

۱۔ سورہ حشر۔ آیت ۸ ۲۔ سورہ حشر۔ آیت ۱۰ ۳۔ سورہ حشر۔ آیت ۹

۴۔ اس روایت کی ضروری جرح و تعدیل کے بغیر اس کے نفس مضمون کو یقینی طور پر رد کیا قبول نہیں کیا جاسکتا۔ (ناشر)



سے سب سے بڑے امام محمدؑ بن علیؑ تھے کہ جن کا لقب باقر تھا۔ ان کی والدہ گرامی فاطمہ بنت حسنؑ (نواسہ رسولؐ) تھیں۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ فاطمہ بنت حسنؑ سے آپ کے چار بچے ہوئے حسن، حسین اکبر، محمد الباقر اور عبداللہ۔ ظاہراً آپ کی اولاد میں امام محمد باقرؑ سب سے بڑے تھے کیونکہ وہ سلسلہ بھرمی میں پیدا ہوئے اور آپ کی کنیت 'ابو محمد' انہی کے نام پر تھی۔ وہ کربلا میں بھی موجود تھے اور ان کی عمر اس وقت تین سال تھی۔ آپ کے بیٹوں میں زید بن علی و علی بن علیؑ بھی تھے جن کی ماں ایک کینز تھیں۔ جیسا کہ تذکرۃ الخواص میں بتایا گیا ہے۔

ابن خشاب نے اپنی کتاب "موالید اہل بیت" میں کہا ہے کہ: امام زین العابدینؑ کے آٹھ بیٹے تھے لیکن کوئی بیٹی نہ تھی۔ تاہم اس کے علاوہ کچھ اور اقوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے مشہور اور بلند مرتبہ امام محمد باقرؑ تھے۔ ان کے متعلق ہم اس کتاب کے ایک علیحدہ باب میں لکھیں گے۔ زید بن علیؑ شہید جو باب مدینۃ العلم امام علیؑ بن ابی طالب کے پڑپوتے تھے، ان کی نشوونما امام زین العابدینؑ کے گھر میں ہوئی۔ یہ وہ گھر تھا جس کو علم و حکمت کا گوارہ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ زید اسی گھر میں پلے بڑھے۔ یہیں ان کے افکار اور میلانات کی تشکیل ہوتی رہی۔ پس اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ابتدائی دور ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور پھر علم حدیث کی طرف توجہ کر لی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے حدیث میں مہارت حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصے میں وسیع علم رکھنے والے فقیہ کے طور پر ابھرے۔ آپ قرآن اور سنت رسولؐ سے احکام اخذ کرتے اور دوسرے لوگوں کے لیے احادیث بیان کرتے تھے۔

جب آپ کے والد بزرگوار کا وصال ہوا، اس وقت آپ چودہ سال کے تھے۔ اب آپ کی غور و پرداخت اور کفالت آپ کے بھائی امام محمد باقرؑ نے اپنے ذمے لے لی جو اپنے والد بزرگوار کے بعد ان کے جانشین اور امت کے امام تھے۔ چنانچہ زید بن علیؑ نے آپ سے فقہ، حدیث اور تفسیر کے علوم پوری توجہ سے حاصل کیے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے زمانہ کے مشہور علماء میں شمار ہونے لگے اور مدینہ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی انکو حدیث



اور دوسرے علوم میں مرجع مانا جاتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک وقت میں آپ بصرہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے بہت سے علماء سے ملاقات کی اور واصل بن عطاء الغزال سے مناظرہ بھی کیا جو اس وقت معتزلہ کے پیشوا تھے۔ چنانچہ آپ نے ان سے اصول عقائد پر مناظرہ کیا۔ بصرہ اس وقت اسلام کے مختلف عقائد رکھنے والے متعدد فرقوں کا وطن تھا۔ ابو حنیفہ بھی اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں وہاں جایا کرتے تھے، جبکہ وہ علم کلام کی طرف متوجہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعدہ آپ وہاں کم و بیش بائیس مرتبہ گئے تاکہ معتزلہ، فوزیہ، جہمیہ جیسے فرقوں اور خدا کی صفات پر بحث کرنے والے متکلمین کے ساتھ مناظرہ کریں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بصرہ میں واصل بن عطاء کی شاگردی کے لیے نہیں گئے تھے، جس کا شہرستانی نے مل و نخل میں دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح وہ کسی اور سے حصول علم کے لیے نہیں گئے تھے۔ اگرچہ اس وقت وہ اسی سن کے تھے جو حصول علم کے لیے مناسب ہوتا ہے لیکن برعکس اس کے وہ محض اس لیے بصرہ گئے کہ وہاں بعض علماء کے درمیان اسلام اور اس کے عقائد کے متعلق عجیب و غریب بحثیں شروع ہو گئی تھیں۔

زید بن علیؑ کے حالات زندگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ملکی سیاست اور اقتدار حاصل کرنے کی طرف از خود توجہ نہیں کی، بلکہ اس وقت کے حکمرانوں نے ان کو اس کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ اس لیے آپ ان سے ٹکریلتے رہے۔ یہاں تک کہ پھر ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہ رہی کہ وہ چھوٹی سی جماعت کی معیت میں ظالم حکمرانوں کے خلاف جنگ کریں، کیونکہ اہل عراق نے ان کے ساتھ غداری کی تھی، جس طرح ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ کر چکے تھے۔

ان حکمرانوں نے زید بن علیؑ سے خود ہی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی کیونکہ وہ اکثر کوفہ آتے جاتے رہتے تھے، جہاں شیعیاں اہلبیتؑ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ تاہم خالد قسری جو عراق کا گورنر تھا وہ ان ظالم حکمرانوں کے برعکس زید بن علیؑ سے تعصب نہ رکھتا تھا بلکہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا اور ان سے اچھی طرح ملتا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں کوفہ کے شیعوں کے لیے زید بن علیؑ اور دوسرے علویوں سے ملنا جلنا آسان تھا۔ مگر خالد قسری کی یہ پالیسی یوسف بن عمرو ثقفی کو پسند نہ آئی کیونکہ اس سے



اموی حکومت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ پس اس نے ہشام بن عبد الملک کو لکھ بھجوا کہ بنی ہاشم برسوں سے بھوکوں مر رہے تھے اور ان میں سے کسی کو اپنے اہل و عیال کی روزی مہیا کرنے کی طاقت بھی نہ تھی لیکن جب خالد قسری نے عراق کی گورنری سنبھالی تو اس نے ان کو اس قدر دولت دے دی کہ جس سے ان میں خاصی قوت پیدا ہو گئی۔ یہاں تک کہ اب یہ لوگ خلافت حاصل کرنے کے متمنی ہیں۔

خالد قسری کا شیعوں کے ساتھ یہ حسن سلوک اس کا باعث بنا کہ ہشام بن عبد الملک نے اس کو معزول کر کے یوسف بن عمرو ثقفی کو عراق کا گورنر بنا دیا۔ اس نے شیعوں پر سختیاں کرنے میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ پھر زید کے خلاف اپنی کوششوں کے سلسلہ میں اس نے ہشام کو لکھا کہ خالد قسری نے چھ لاکھ درہم زید بن علیؑ کے پاس امانت رکھے تھے لیکن زید ان کا انکار کرتے ہیں۔ اس پر ہشام نے زید بن علیؑ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ تب زید مدینہ سے شام گئے اور انھوں نے ہشام کو بتایا کہ ان کو اس امانت کا کوئی علم نہیں ہے جس کا یوسف بن عمرو ثقفی ادعا کرتا ہے۔ ہشام بن عبد الملک نے ان سے کہا کہ وہ خود یوسف بن عمرو ثقفی کے پاس جا کر اس سے آمنے سامنے بات کریں لیکن زید نے ایسا کرنے سے بہ شدت انکار کر دیا کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ ان ساری کوششوں کا مقصد یہ ہے کہ یوسف بن عمرو ثقفی ان پر قابو پاتے ہی ان کے بارے میں امویین کی دلی خواہش کو پورا کر دے۔ چنانچہ انہوں نے ہشام کو قسم دلائی کہ وہ ان کو یوسف بن عمرو کے پاس نہ بھیجے لیکن ہشام ان کے عراق بھیجے جانے پر برابر اصرار کرتا رہا۔

جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ کوشش ناکام ہو رہی ہے تو اس نے ایک ایسے وقت میں جبکہ اس کا دربار شام کے امراء اور ممتاز افراد سے بھرا ہوا تھا — زید کو رسوا کر کے ان پر دباؤ ڈالنا چاہا۔ چنانچہ اس نے ان سے کہا: مجھ کو معلوم ہے کہ تم اپنے آپ کو خلافت کا اہل سمجھتے ہو، جبکہ تم ایک کینز کے بیٹے ہو۔ اس پر زید بن علیؑ نے ہشام سے کہا: اے ہشام! تجھ پر وائے ہو۔ کیا میری ماں کی حیثیت مجھ کو کم مرتبہ کر سکتی ہے؟ بخدا اسحاقؑ آزاد خاتون سے پیدا ہوئے تھے اور اسماعیلؑ ایک کینز کے بیٹے تھے۔ تاہم یہ امر اس فیصلے میں حارج نہیں ہوا اور اللہ نے ان کو اپنا نبی قرار دیا۔ پھر انہی کی نسل میں عرب و عجم



کے سردار محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پیدا کیا۔ پس مائیں کسی طرح بھی لوگوں کے مقاصد میں حائل نہیں ہوتیں۔ اے امیر المؤمنین! اپنے نبیؐ کی ذریت کے بارے میں اللہ کا خوف کرو۔ ہشام کو غصہ آگیا اور وہ بولا: اے زید! تم ایسا (محکوم) شخص مجھ ایسے (حاکم) کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہے! زید نے جواب دیا کہ: نہ کوئی اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اسے اللہ سے ڈرنے کی ہدایت نہ کی جائے اور نہ کوئی اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرنے کی ہدایت نہ کرے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب زید نے ہشام بن عبد الملک کو لا جواب کر دیا تو اس نے ان سے کہا: تمہارے بھائی بقرہ کیا کرتے ہیں؟ اور اس سے اس کی مراد امام محمد باقرؑ تھے۔ اس پر زید نے اس سے کہا: رسول اللہؐ نے ان کا نام باقر العلم رکھا ہے اور تم بوجہ مخالفت ان کو بقرہ کہہ رہے ہو۔ پس عنقریب تم جہنم میں ڈالے جاؤ گے اور وہ جنت میں بھیجے جائیں گے۔ تب ہشام نے ان سے کہا: اے زانیہ کے بیٹے! نکل جاؤ یہاں سے۔ چنانچہ زید بن علیؑ وہاں سے نکل آئے، جبکہ وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

خوف نے اس کو ہراساں اور ذلیل کر دیا ہے۔ جو کوئی جنگ سے کراہت کرتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔

اس کے دونوں ہاتھ زخمی ہیں اور وہ تکلیف میں چلا رہا ہے۔ اس کو تیز ہتھیار کاٹے ڈال رہے ہیں۔

ایسے شخص کے لیے مرجانا ہی بہتر ہے۔ ویسے بھی موت ہر شخص کی گردن پر سوار ہے۔

اگر اللہ اس شخص کو ملک دیدے تو یہ علاقوں کو راکھ کے ڈھیر بن کے رکھ دے۔

پھر وہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے اور کہہ رہے تھے کہ: جو کوئی زندگی سے محبت کرتا ہے اس کو اکثر ذلیل ہونا پڑتا ہے۔ جب زید کوفہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے نیکی کی ہدایت کرنے، بدی سے باز رکھنے، کمزوروں کی حفاظت کرنے اور مظلوموں کے ساتھ انصاف کرنے پر ان کی بیعت کر لی۔ البتہ کچھ علویوں اور ہاشمیوں نے ان کو یہ مشورہ بھی



دیا کہ وہ اہل عراق پر بھروسہ نہ کریں۔ انھوں نے ان کو یاد دلایا کہ اس سے پہلے یہ لوگ آپ کے جدا مجد امیر المومنین علیؑ، چچا حسنؑ اور دادا حسینؑ کے ساتھ کیا سلوک کر چکے ہیں۔ لیکن وہ اپنے اس لائحہ عمل کو مکمل کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ چنانچہ ان کو بہت سے پاکباز فقیہوں اور نیک نہاد مسلمانوں کی وسیع تائید حاصل ہو گئی۔

جیسا کہ ابو حنیفہ نے کہا: زید بن علیؑ کی یہ جنگی مہم، بدر کے روز رسول اللہؐ کی جنگ پیش قدمی کے مانند ہے۔ انہوں نے ان کو کچھ رقم بھجوا دی تاکہ ظالموں کے خلاف جنگ میں کام آئے۔ بعض مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد زید بصرہ گئے اور وہاں کے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ بنی امیہ کے خلاف ان کی نصرت کریں۔ اس کے ساتھ ہی مدائن، موصل اور دیگر مقامات پر اپنے نمائندے بھیجے۔ اس طرح یہ اعلان عراق کے اندر اور تمام نواحی علاقوں میں بھی پھیل گیا۔ جب ان کی اس تحریک کی خبر ہشام بن عبد الملک کو پہنچی تو اس نے عراق میں اپنے گورنر یوسف بن عمرو ثقفی کو حکم بھیجا کہ وہ ان کے خلاف سخت اقدام کر کے ان کو وہاں سے نکال دے۔ چنانچہ یوسف بن عمرو نے وہ تمام امکانی تدابیر اختیار کیں کہ جن کے نتیجے میں لوگ زید کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اس پر ان کو بھی آنے والے خطرے کا احساس ہو گیا اور انہوں نے پیش قدمی میں جلدی کی۔ یوسف بن عمرو نے ان کے پاس ایک ہاسوس بھیجا جس نے ان سے ابو بکر و عمر کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے۔ میں نے اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کو ان سے برائت اختیار کیے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس پر ان کے بہت سے ساتھیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان کے اسی فعل کی بنا پر ان کا نام رافضی پڑ گیا، کیونکہ انھوں نے زید بن علیؑ کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے سے رفض کیا یعنی علیحدگی اختیار کی تھی۔

جس وقت ان کے اور یوسف بن عمرو کے درمیان جنگ میں شدت پیدا ہوئی تو ان کے دوسواٹھارہ آدمیوں کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہ رہا۔ پھر خود ان کو ایک



تیرا لگا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ ان کے ساتھیوں نے ان کو ایک ندی کے بیچ میں دفن کر دیا تاکہ بعد میں ان کی لاش کی بے حرمتی نہ کی جائے لیکن جب دشمنوں کو اس بات کا پتا چلا تو انھوں نے ان کی لاش وہاں سے نکال کر ان کے اعضاء قطع کیے اور ان کا سر کاٹ کر شام اور پھر وہاں سے مدینہ بھیج دیا۔ ان کا جسم پچاس ماہ تک سولی پر لٹکا رہا۔ جیسا کہ مروج الذہب وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے، بعدہ ولید بن یزید کا عہد حکومت آیا تو اس نے کوفہ کے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ زید کی لاش اسی سولی کی لکڑیوں سے جلادے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

زید کے قتل سے بیشتر اسلامی علاقوں میں عام بددلی پھیل گئی اور اہلبیتؑ میں پھر سے غم کی لہر دوڑ گئی۔ حتیٰ کہ ان پر امام جعفر صادقؑ بھی روئے۔ آپ نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور ان کا سوگ منایا۔ فضیل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ زید بن علیؑ کے قتل ہونے کے بعد جب میں امام جعفر صادقؑ سے ملنے گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: اے فضیل! میرے چچا زید بن علیؑ مارے گئے۔ میں نے عرض کیا: ہاں اے فرزند رسول! آپ نے فرمایا: اللہ ان پر رحم فرمائے۔ وہ یقیناً مومن عارف، عالم اور قابل اعتماد تھے۔ اگر وہ ملک حاصل کر لیتے تو ان کو معلوم تھا کہ یہ کس کا حق ہے۔

امام رضاؑ فرماتے ہیں: زید بن علیؑ نے حق کے لیے جنگ کی تھی اور لوگوں سے کہا کہ میں تم کو رضاؑ آل محمدؑ کی طرف بلا رہا ہوں، لیکن وہ تقویٰ اور خوفِ خدا میں اس سے بھی بلند تھے۔

ایک تیسری روایت میں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اللہ زید بن علیؑ پر رحم فرمائے کہ انھوں نے رضاؑ آل محمدؑ کی طرف دعوت دی۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو ضرور اس عہد کو پورا کرتے جس کی طرف انھوں نے دعوت دی تھی۔ انھوں نے مجھ سے اپنی جنگی پیش قدمی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس پر میں نے ان سے کہا تھا کہ چچا جان! اگر آپ خود کو کنا سہ پر پھانسی چڑھائے جانے کو پسند کرتے ہیں تو آپ کی مرضی۔ پھر جب دشمن ان پر مسلط ہو گئے تو امامؑ نے فرمایا: وائے ہو اس پر جس نے ان کی پکار کو سنا اور پھر ان کا ساتھ نہیں دیا۔



ابو حمزہ ثمالی سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا: میں اپنے آقا و مولا علیؑ بن حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو بیٹھا ہوا پایا۔ جبکہ ان کے زانو پر ایک بچہ تھا اور آپ اس سے اظہار محبت فرما رہے تھے۔ یعنی کبھی تو اس کو بوسہ دیتے اور کبھی سینے سے لگاتے تھے۔ پھر جب وہ بچہ اٹھ کر چلنے لگا تو دروازے کے قبضہ سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا۔ امامؑ نے جھٹ سے بڑھ کر اس کو سنبھال لیا اور ایک کپڑے سے اس کا خون صاف کرنے لگے اور اس کے ساتھ ہی یہ کہہ رہے تھے: اے بیٹے میں تم کو کتنا سہ میں پھانسی پر لٹکائے جانے سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا: حضور! یہ کتنا سہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کوفہ کا ایک علاقہ ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: اس خدا کی قسم کہ جس نے محمدؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اگر تم میرے بعد زندہ رہے تو دیکھ لینا کہ میرا یہ بیٹا کوفہ کے نواح میں تیرے مارا جائے گا اور اس کو دفن کر دیا جائے گا لیکن پھر اس کو قبر سے نکال کر کتنا سہ میں پھانسی پر لٹکایا جائے گا اور اس کے بعد اس کو جلا کر ہوا میں اڑا دیا جائے گا۔ میں نے کہا: میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ اس بچہ کا نام کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: یہ میرا فرزند زید ہے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ باتیں بتاتے ہوئے آپ روتے جاتے تھے۔ ابو حمزہ ثمالی مزید بیان کرتے ہیں کہ امامؑ نے مجھ سے کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم سے اپنے اس بیٹے کا قصہ بیان کر دوں؟ میں نے کہا: ضرور! آپ نے فرمایا: ایک رات میں اپنی محراب عبادت میں حالت سجدہ میں تھا کہ مجھ کو نیند آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ گویا میں جنت میں ہوں اور رسول اللہؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ سب جمع ہیں۔ پھر ان لوگوں نے وہاں میری ترویج کر دی۔ تب میں نے ہم بستی کی اور سدرۃ المنتہیٰ کے قریب غسل کیا۔ اب میں نے ہاتھ غیبی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں تم کو ایک لڑکے کی بشارت دوں جس کا نام زید ہوگا۔ اس وقت میں نیند سے جاگ گیا اور پھر میں نے صبح کی نماز ادا کی۔ اتنے میں ایک آنے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے دروازے پر جا کر دیکھا تو وہاں ایک شخص کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ایک کتیز تھی جو چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ میں نے اس شخص سے کہا: تم کو کیا



چاہیے؟ اس نے کہا: میں آپ کے پاس مختار کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ انھوں نے آپ کو سلام کے بعد کہا ہے کہ یہ کینز ہمارے پاس لائی گئی تھی۔ ہم نے اس کو چھ سو دینار میں خرید لیا اور اب اس کو آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ چھ سو دینار بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ آپ ان کو اپنے طور پر خرچ کر سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے وہ رقم میرے حوالے کر دی اور وہ خط بھی جو مختار کے پاس سے لایا تھا۔ پھر اس کینز کو بھی میرے سپرد کر دیا۔ میں نے اس کینز سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: ”توریہ“ تب میں نے کہا کہ یہ میرے پہلے سے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر ہے کہ جس کو اللہ نے سیج کر دکھایا۔ چنانچہ وہی کینز میرے اس بیٹے کی ماں بنی۔ جب یہ پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام زید رکھ دیا۔ اب آنے والے زمانے میں تم وہ بھی دیکھ لو گے جو میں نے تم سے بیان کیا ہے۔ ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ: قسم بخدا! میں نے زید کو مقتول دیکھا۔ وہ دفن کیے گئے پھر قبر سے نکالے گئے اور پھانسی چڑھائے گئے۔ وہ کئی برس پھانسی پر لٹکے رہے۔ یہاں تک کہ ایک فاتحہ نے ان کے شکم مبارک میں اپنا گھونسہ بنا لیا تھا۔ بعد میں ان کو آگ میں ڈالا گیا اور ان کے بدن کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔

بہر حال زید بن علیؑ، امام محمد باقرؑ کے علاوہ اپنے تمام بھائیوں میں سب سے نمایاں، معزز اور اصول اسلام اور فقہ اہل بیتؑ کے زبردست عالم تھے۔ جن پر ان کے آباء کرامؑ عمل پیرا رہے تھے۔ انہی موضوعات پر انہوں نے معتزلہ اور قدریہ وغیرہ سے مناظرے کیے جو اسلام کے صحیح راستے سے منحرف ہو رہے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے ارباب حکومت کے خلاف کبھی جنگ نہ کرتے، مگر ان حکام نے ان کو جلا وطن کر کے اس کے لیے مجبور کر دیا، اس وجہ سے ان پر جنگ کرنا فرض ہو گیا تھا۔ وہ لوگوں کو رضاء اہلبیتؑ کی طرف بلاتے تھے۔ اگر وہ ظفر مند ہو جاتے تو وہ اپنے اس وعدے کو پورا کر دیتے، جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے بیان کیا ہے۔

تاہم زید بن علیؑ نے کبھی امامت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ان کی زندگی میں کسی اور نے ان کی طرف سے کوئی ایسا اعلان کیا۔ ان کی امامت کی بات ان کی شہادت کے بعد اس وقت ابھری جب عباسی خلفاء یہ کوشش کر رہے تھے کہ ائمہ کے بارے



میں شیعوں کے عقیدے میں اختلاف ہو جاتے۔ چنانچہ زید بن علیؑ کو انہوں نے ائمہ اہلبیتؑ کا مد مقابل اور مخالف ظاہر کیا۔ پھر بڑھتے بڑھتے ایک مستقل مذہب بن گیا جس کی قوت اور بقاء کا دار و مدار اہلبیتؑ میں سے کسی ایک بلند مرتبہ فرد سے نسبت رکھنے پر تھا۔ یہ مذہب اپنے بیشتر اصول، نظریات اور احکام میں فقہ امامیہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ جیسا کہ فرقہ زیدیہ کی فقہ سے ظاہر ہے جو بنیادی طور پر زید بن علیؑ کے ان نظریات اور ان فقہی احکام کے مجموعہ پر مبنی ہیں جو ان کے شاگردوں نے ان سے روایت کیے ہیں اور ابو خالد عمرو بن خالد واسطی نے ان کو زید بن علیؑ سے منسوب کر دیا ہے۔

خدا زید بن علیؑ پر اپنی رحمت نازل فرمائے کہ جو اپنے آباء کرامؑ کی الہی تعلیمات پر قائم رہے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی طرح جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور ہمیشہ زندہ رہنے والوں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔

## عبداللہؑ، عمر اور حسینؑ فرزند ان امام زین العابدینؑ

کتب انساب  
میں امام علیؑ

بن حسینؑ کی اولاد میں جن افراد کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں عبداللہ بن علیؑ بھی ہیں کہ جن کا لقب 'بابر' تھا اور وہ ایک فاضل اور فقیہ تھے۔ انھوں نے رسول اللہؐ کی بہت سی حدیثیں اپنے آباء کرام کے واسطے سے روایت کی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ جب امام ابو جعفر محمد باقرؑ سے پوچھا گیا کہ آپ کے بھائیوں میں کون سب سے افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ عبداللہ میرے وہ بازو ہیں کہ جن سے میں کام کرتا ہوں۔ عمر میری وہ آنکھیں ہیں کہ جن سے میں دیکھتا ہوں۔ زید میری وہ زبان ہے کہ جس سے میں بولتا ہوں۔ حسین وہ بر دبار ہیں کہ جو روئے زمین پر انکساری سے چلتے ہیں۔ جب کبھی جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں "تم کو سلام" ہے۔

جیسا کہ الارشاد، شیخ مفید وغیرہ میں آیا ہے کہ عبداللہ بن علیؑ بن حسینؑ رسول اللہؐ اور امیر المومنین علیؑ کے اوقاف پر نگراں تھے۔

عمر بن علیؑ بن حسینؑ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ فاضل، متقی اور سخی تھے۔ یہ اپنے بھائی عبداللہ کے بعد رسول اللہؐ اور امیر المومنین علیؑ کے اوقاف کے نگراں بنے تھے۔



جو کوئی ان باغوں کے پھلوں کو خریدتا تھا وہ اس سے یہ شرط طے کر لیتے تھے کہ وہ خریدار بیرونی دیوار میں ایک دریا کھول دے گا تاکہ ادھر سے گزرنے والے لوگ وہاں سے کچھ پھل لے کر کھا لیا کریں اور یہ کہ وہ ایسا کرنے سے کسی کو منع نہ کرے گا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ انھوں نے کہا: ہماری محبت میں افراط کرنے والا ویسا ہی ہے جیسے ہماری دشمنی میں افراط کرنے والا۔ تم لوگ ہم کو اسی مقام پر رکھو جہاں اللہ نے ہم کو رکھا ہے۔ ہمارے بارے میں وہ بات مت کہو جو ہم میں نہیں ہے۔ اگر اللہ ہم پر عذاب کرے گا تو ہمارے گناہوں کے باعث اور اگر ہم پر رحم کریگا تو وہ اس کے رحم اور فضل کا نتیجہ ہوگا۔

حسین بن علیؑ بن حسینؑ کے بارے میں شیخ مفید نے ارشاد میں بیان کیا ہے کہ وہ فاضل اور متقی تھے۔ انھوں نے اپنے والد بزرگوار علیؑ بن حسینؑ اور اپنی بھوپھی فاطمہ بنت حسینؑ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ امام حسینؑ مدینہ سے کربلا روانگی کے وقت اپنی وصیت انہی فاطمہ کو دے کر آئے تھے۔ نیز انھوں نے اپنے بھائی امام ابو جعفر محمد باقرؑ سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں۔ چنانچہ 'رجال' شیخ طوسی میں ان کو امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا گیا ہے۔

امام علیؑ بن حسینؑ کا وصال محرم ۹۵ھ میں ہوا۔ بیشتر راویوں اور محدثین کا کہنا ہے کہ آپ کو ولید بن عبد الملک بن مروان کے حکم سے زہر دیا گیا تھا۔ محمد بن شہاب زہری سے روایت ہے کہ ولید بن عبد الملک نے ایک روز مجھ سے کہا: جب تک علیؑ بن حسینؑ دار دنیا میں موجود ہیں، میرے لیے کوئی راحت نہیں ہے۔

اپنی وفات سے قبل امام علیؑ بن حسینؑ نے اپنی تمام اولاد کو جمع کیا اور ان کو اللہ کی بندگی اور ان کے بھائی امام محمد باقرؑ کی اطاعت کرنے کی وصیت فرمائی۔ نیز اپنے ممتاز شیعوں کو بھی اپنے بعد ان کی امامت سے مطلع کر دیا۔

آپ کے عہد میں انسانیت جن مصائب سے دوچار تھی۔ آپ اسے ان میں سے نکالنے کے لیے سخت اور طویل جہاد کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ زندگی بھر لوگوں کے سامنے المیہ کربلا کا ذکر کرتے رہے اور اس پر روتے رہے تاکہ یہ المیہ



ہمیشہ ہمیشہ لوگوں کو ظلم کے خلاف اٹھنے اور اللہ کی راہ میں قربانی دینے پر آمادہ کرتا رہے۔ آپ رات دن عبادت میں منہمک رہتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا نام سجاد اور لقب زین العابدینؑ ہو گیا۔ آپ کا نسب بیک وقت نبی اکرمؐ سے اور فارس کے بادشاہ کسریٰ سے ملتا تھا، اس لیے آپ کو ابن خیرتین (دو بہترین افراد کا فرزند) کہا جاتا تھا۔

---



# امام محمد باقرؑ

امام محمد بن علیؑ کو جن کا لقب باقر ہے یکم رجب ۵۵ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ایک اور قول کے مطابق اسی سال یکم صفر کو پیدا ہوئے۔ آپ کا وصال بروز پنجشنبہ ۱۱۳ھ اور دوسری روایت کے مطابق اسی سال کے ماہ ربیع الاول میں ستاون سال کی عمر میں ہوا۔ ان میں سے تقریباً چار سال آپ اپنے دادا حسینؑ کے ساتھ رہے۔ ان کے بعد پچیس سال تک اپنے والد بزرگوار سید سجادؑ کے سایہ میں بسر کیے۔ اپنے والد ماجد کے بعد آپ اٹھارہ یا بقولے انیس سال زندہ رہے اور یہی آپ کی مدت امامت ہے۔ آپ کی وفات ہشام بن عبدالملک کی بادشاہت کے آخری سالوں میں اور بقولے ابراہیم بن ولید بن یزید بن عبدالملک کے ابتدائی دور میں ہوئی۔ آپ کے بچپن میں جبکہ آپ ابھی طفولیت کی منزل میں تھے، اہلبیتؑ پر کر بلا کا عظیم سانحہ گزرا جس میں آپ کے جد ماجد امام حسینؑ، ان کے بھائی اور اصحاب قتل ہو گئے۔ تب آپ نے بھی سب بچوں اور عورتوں کے ساتھ اس المیہ کی تلخیاں چکھیں اور تکلیفیں اٹھائیں۔

اس کے بعد آپ ان تمام شدائد اور مصائب میں شریک رہے جو آپ کے والد بزرگوار اور آپ کے گھرانے پر ان ظالم حکمرانوں کی طرف سے پے پے ڈالے گئے جو پست خواہشات میں غرق تھے اور مذہب و اخلاق کے ان تمام اصولوں کی خلاف ورزی























































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































































صورتوں میں تعدیوں، سختیوں اور ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہو اور پھر وہ دشمنوں کے مقابلے پر اسی طرح ڈٹے رہنے میں کامیاب بھی رہی ہو، جیسے شیعیت کامیاب رہی ہے بلکہ وہ حکومت کے تابڑ توڑ حملوں اور دوسرے گونا گوں حادثات سے بچتی ہوئی اس وسیع دنیا کے کونے کونے میں پھیلتی ہی چلی گئی۔ حالانکہ اس کے مخالف اپنے شروفساد کی پوری طاقت سے اس کو برباد کرنے اور مٹانے کے درپے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی کم سے کم خواہش یہ ہوتی تھی کہ وہ اس مورچے پر اپنے پورے وسائل کے ساتھ ائمہ اطہارؑ کا مقابلہ کرتے رہیں۔ یہ تحریک دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ائمہ اطہارؑ کی تعلیمات، توجہ اور کوششوں کی بدولت برابر پھیلتی رہی، حالانکہ وقت کی حکومتیں اور ان کے عمال ہر مرحلے میں اس پر سختیاں کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بیان کر آئے ہیں۔

چنانچہ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے دور امامت میں ایران، عراق، یمن، حجاز اور مصر کے شہروں، نیز عباسیوں کے دارالحکومت سامرا سمیت لاکھوں کی تعداد میں شیعہ آباد تھے اور تمام دینی مسئلوں اور دنیاوی مشکلوں میں امام علی نقیؑ کے بعد ان کے مرجع امام ابو محمد حسن عسکریؑ تھے جن کو خمس کی رقمیں ان کے وکیلوں کے ذریعہ سے آتی تھیں جو تمام علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

شیخ طوسی کی کتاب الغیبت میں آیا ہے کہ امام ابو محمد حسن عسکریؑ کے ایک وکیل عثمان بن سعید عمریؑ جو سمان کہلاتے تھے۔ کیونکہ وہ آپ کے معاملات کو پوشیدہ رکھنے کی غرض سے سمن (روغنیات) کی تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ جب شیعوں کو امام ابو محمدؑ کی خدمت میں وہ مال خمس بھیجنا ہوتا جو ان پر واجب ہوتا تھا تو وہ لوگ اس کو ان کے سپرد کر دیتے تھے۔ پھر وہ اہل حکومت اور ان کے افسروں کے خوف سے اس مال کو روغن والے برتنوں میں رکھ کر امام ابو محمدؑ تک پہنچا دیتے تھے۔

کتاب الغیبت ہی میں حسین بن احمد خصیبی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: مجھ سے محمد بن اسماعیل حسنی اور علی بن عبد اللہ حسنی نے کہا کہ ہم دونوں سامرا میں امام ابو محمد حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کی خدمت میں ان کے شیعوں اور دوستداروں میں سے کچھ افراد موجود تھے۔ اس وقت آپ کے خادم بدر نے آکر کہا:



اے آقا! دروازے پر کچھ افراد آئے ہیں کہ جن کے جسم اور لباس گرد سے آٹے ہوئے ہیں۔  
 امامؑ نے فرمایا: وہ ہمارے شیعہ ہیں۔ جاؤ اور عثمان بن سعید عمری کو ہمارے پاس لے آؤ۔  
 ان دونوں راویوں کا بیان ہے کہ اسی وقت عثمان اندر آئے اور امام نے ان سے فرمایا:  
 اے عثمان! تم اللہ کے مال پر با اعتبار امین ہو، تم جاؤ اور وہ یمنی افراد جو مال لے کر آئے  
 ہیں ان سے لے لو۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر ہم سب نے مل کر عرض کیا: اے آقا!  
 بخدا کہ عثمان آپ کے بہترین شیعوں میں سے ہیں۔ یہ آپ کی نظر میں بلند مرتبہ ہونے کے  
 علاوہ علم میں بھی اونچا مقام رکھتے ہیں اور اللہ کے مال پر آپ کی طرف سے آپ کے معتمد وکیل  
 ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: ہاں گواہ رہنا کہ یہ عثمان بن سعید میرے وکیل ہیں اور ان کے  
 بیٹے محمد میرے فرزند اور تمہارے امام محمد مہدیؑ کے وکیل ہیں۔

کشف الغمہ میں آیا ہے کہ امام ابو محمدؑ کے زمانہ میں ایک علوی روزی کی تلاش میں سامرا  
 سے جبل کی طرف روانہ ہوا، راستے میں حلوان کے مقام پر اس کی ملاقات ایک اور شخص سے  
 ہوئی تو اس نے علوی سے پوچھا: تم کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے کہا: سامرا سے۔ وہ بولا: کیا  
 تم فلاں محلہ کے فلاں مقام سے واقف ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: کیا تم کو  
 امام حسن بن علیؑ کے متعلق کچھ معلوم ہے؟ اس علوی نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: تم جبل  
 کیوں جا رہے ہو؟ اس نے کہا: روزی کی تلاش میں۔ تب اس نے کہا: تم مجھ سے پچاس  
 دینار لے لو اور میرے ساتھ سامرا چلو اور وہاں امام حسن بن علیؑ سے ملاقات کرو۔ چنانچہ  
 اس نے وہ پچاس دینار اس کو دیدیے اور وہ اس کے ساتھ واپس ہو لیا۔ سامرا آکر ان دونوں  
 نے امام ابو محمدؑ سے حاضری کی اجازت چاہی تو آپ نے ان کو اجازت دیدی۔ اس وقت  
 آپ اپنے مکان کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ جب آپ کی نظر اس جبلی شخص پر پڑی تو فرمایا:  
 تم فلاں بن فلاں ہو اور تمہارے باپ نے تم کو جو وصیت کی تھی تم اس کو پورا کرنے کے لیے  
 چار ہزار دینار لیکر آئے ہو۔ اس نے کہا: ہاں۔ تب اس نے وہ رقم آپ کو دیدی۔ اس کے  
 بعد آپ نے علوی کی طرف دیکھا اور فرمایا: تم تلاش معاش میں جبل جا رہے تھے۔ راستے میں  
 اس شخص نے تم کو پچاس دینار دیے ہیں اور تم اس کے ساتھ واپس آگے ہو۔ اب ہم  
 تم کو پچاس دینار اور دیدیتے ہیں۔



کشف الغمہ ہی میں ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ لوگ ایک سو ساٹھ تھیلیوں میں سونا اور چاندی لیکر آئے۔ ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ایک بڑی رقم لیے ہوئے جرجان سے حاضر ہوئے۔ نیز محمد بن ابراہیم بن مہزیار بھی بہت سا مال لے کر آئے جو ان کے باپ کے پاس امامؑ کے لیے آیا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وہ اپنے بیٹے محمد کو دیا، جس کو لیکر اب وہ آپ کی خدمت میں آئے تھے۔ پس جیسا کہ رجال کشی میں لکھا ہے جب یہ سب لوگ بغداد پہنچے تو عثمان بن سعید عمری بھی آگئے جو امام ابو محمد حسن عسکریؑ کے معتمد ترین اصحاب میں سے تھے۔ چنانچہ ان سب لوگوں نے اپنا اپنا مال انہی عمری کے حوالے کر دیا۔

اسی طرح ایک اور شخص آپ کی خدمت میں اٹھارہ قیراط سونا لیکر آیا، جیسا کہ شیعہ احادیث اور رجال کی کتاب میں بتلاتی ہیں کہ امامؑ کے پاس مختلف علاقوں سے کثیر مال آتا تھا، حالانکہ اہل حکومت اور ان کے کارندوں کے خوف سے امام ابو محمد عسکریؑ کی حیات طیبہ کا یہ پہلو مکمل طور پر پوشیدہ رکھا جاتا تھا کیونکہ وہ لوگ آپ کے تمام معاملات کی نگرانی کرتے تھے، تاکہ شیعہ نظریات ملک کے تمام گوشوں میں اس حد تک نہ پھیلنے پائیں کہ پھر حکومت ان کا مقابلہ ہی نہ کر سکے۔

اس زمانہ میں جبکہ اہل حکومت نے ائمہ کرامؑ کے سامرا میں جبری قیام کو لازمی قرار دیدیا تھا، شیعہ علماء اور عوام اپنی فقہ کے معاملے میں ان کتابوں اور روایتوں پر انحصار کرتے تھے جو ان کے پہلے محدثین نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے مدرسہ سے حاصل کیں اور وہ ان کو امام موسیٰ کاظمؑ اور آپ کے فرزند امام علی رضاؑ کے واسطے سے ملی تھیں۔

علاوہ ازیں کوفہ، بغداد اور حجاز میں درس و تدریس اور بحث و تمحیص کے حلقے قائم تھے۔ نیز تاریخ کے اس دور میں تعلیم و تعلم کے معاملہ میں ایران کے شہر قم کو خاص شہرت حاصل تھی۔ حسن بن علی و شمار کہ جو امام علی رضاؑ کے ہم عصر تھے، انہوں نے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں سے ان نو سو بزرگوں سے ملاقات کی تھی جو اس وقت تک زندہ تھے اور مسجد کوفہ میں امام جعفر صادقؑ کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ اسی طرح محمد بن عمیر کے پاس امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں کی لکھی ہوئی سو کتابیں موجود



تھیں اور پھر محمد بن مسعود عباشی کہ جو امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے ہم عصر تھے انہوں نے اپنے باپ سے پائی ہوئی ساری دولت اہل بیتؑ کی احادیث نشر کرنے میں خرچ کر ڈالی۔ ان کا مکان گویا ایک مسجد کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ وسیوں کتابیں تھیں کہ جن میں نسخ، مقابل، قاری اور معلق آیتوں کے بارے میں بحث کی گئی تھی۔ چنانچہ جب کبھی ائمہ کرامؑ کے اصحاب کا ان تک پہنچنا ممکن نہ ہوتا تو وہ یہ کتابیں استفادہ کے لیے ان کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکریؑ سے فرقہ فطیہ، واقفہ اور ائمہؑ سے منحرف ہو جانے والے دوسرے افراد کی کتابوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جو کچھ ان لوگوں نے روایت کیا ہو اس کو قبول کر لو لیکن جو کچھ وہ اپنی رائے سے کہیں اس کو ترک کر دو۔

امام حسن عسکریؑ کے زمانہ میں شہر قم میں سیکڑوں راوی اور عالم جمع ہو گئے تھے، تاکہ احادیث کی تحقیق کریں اور خطابیوں، غالیوں اور ان افراد کی گھڑی ہوئی روایتوں کو الگ کر دیں جو ائمہ کرامؑ سے منحرف ہو گئے تھے اور ان پر جھوٹ باندھا کرتے تھے چنانچہ ان لوگوں کو احکام کے معاملہ میں اگر کوئی مشکل پیش آتی اور ائمہ کرام کے پیشرو اصحاب کی روایتوں اور کتابوں میں اس کا حل موجود نہ ہوتا تو یہ لوگ امام حسن عسکریؑ سے ملاقات کرنے کی بجائے آپ کو عریضہ لکھ بھیجتے اور آپ اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر ان لوگوں کو اس مسئلہ کا حل بتا دیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اصول کافی کی مندرجہ ذیل روایات دیکھی جاسکتی ہیں۔

محمد بن یحییٰ کی پہلی روایت: محمد بن حسن نے امام ابو محمد حسن عسکریؑ کو لکھا: کیا ایک شخص پر میت کا قرض ثابت کرنے کے لیے اس کے وصی کے ساتھ ایک عادل کی گواہی کافی ہوگی؟ آپ نے جواباً تحریر فرمایا: اگر ایک عادل گواہی دیتا ہے تو بھی مدعی کو اپنے دعوے پر قسم کھانا ہوگی۔ لے

لے غالباً یہاں قسم بیان میں مضبوطی پیدا کرنے کے لیے ہوگی، ممکن ہے کہ اس عبارت کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہو اور آپ کا جواب یہ رہا ہو کہ اگر اس کے ساتھ عادل گواہ شہادت نہ دے تو مدعی کو قسم کھانا ہوگی اور فیصلہ ایک گواہ یا مدعی کی قسم پر ہوگا۔



راوی مزید کہتا ہے کہ پھر آپ کو لکھا گیا کہ: کیا وصی کے لیے جائز ہے کہ وہ میت کے بالغ یا نابالغ وارث کا گواہ بنے کہ میت پر یا کسی اور پر اس کا فلاں حق واجب ہے جبکہ وہ نابالغ کی طرف سے قابض بھی ہو البتہ بالغ کی طرف سے قابض نہ ہو۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا: ہاں! وصی کو چاہیے کہ حق کو نہ چھپائے اور اس کے لیے گواہی دے۔ راوی یہ بھی کہتا ہے کہ خط کے ذریعے آپ سے پوچھا گیا کہ کیا میت کے خلاف ایک عادل گواہ کے ساتھ وصی کی شہادت قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں! جبکہ قسم بھی کھانی جائے۔

محمد بن یحییٰ کی دوسری روایت: محمد بن حسن نے امام ابو محمد حسن عسکریؑ کو ایک شخص کے بارے میں لکھا، جس نے اپنی زرعی زمین کسی اور کے ہاتھ بیچ ڈالی جس میں کئی قطعات تھے، وہ ان کی حدیں نہیں جانتا تھا اور اس وقت اس کو کسی نے بتایا بھی نہیں تھا بلکہ کہہ دیا کہ جب تمہارے پاس حدود کا تعین کرانے آئیں تو تم گواہی دے دینا۔ کیا اس کے لیے یہ گواہی دینا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے تحریر فرمایا: ہاں! اس کے لیے گواہی دینا جائز ہے۔ واللہ۔

محمد بن یحییٰ کی تیسری روایت: ایک شخص جو کئی قطعے زمین کا مالک تھا، اس نے امام حسن عسکریؑ کو لکھا کہ کسی کام سے اس کو مکہ جانا پڑ گیا۔ جس گاؤں میں اس کی زمین تھی وہ وہاں سے کئی منزلوں کے فاصلہ پر تھا اور اس کو اپنی زمین کی حدود بھی معلوم نہ تھیں۔ البتہ پورے گاؤں کا حدود اربعہ اس کو معلوم تھا۔ چنانچہ اس نے حاضرین سے کہا: اے لوگو! تم گواہ رہنا کہ میں نے فلاں شخص کے ہاتھ وہ پورا گاؤں بیچ دیا ہے جس کی شمال، جنوب، مشرق اور مغرب میں یہ یہ حدیں ہیں اور یہ بھی کہا کہ اس گاؤں میں اسکے صرف چند قطعے زمین کے ہیں۔ کیا خریدنے والے کے لیے یہ معاملہ صحیح ہے۔ پھر یہ کہ اس گاؤں کی زمین کا کچھ ہی حصہ اس کا ہے، تو کیا وہ پورے گاؤں کو اس کے ہاتھ بیچ سکتا ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا: جو چیز کسی شخص کی ملکیت میں نہیں ہے اس کے لیے اس کا بیعنا جائز نہیں ہے اور کسی سے صرف اتنا ہی خریدا جاسکتا ہے کہ جس کا وہ مالک ہو۔ راوی مزید کہتا ہے کہ آپ کو بار دیگر لکھا گیا: جس گواہ نے پورے گاؤں کے سودے میں گواہی دی تھی، کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ گاؤں کے عادل اشخاص سے زمین کے



ان قطعوں کی حدود معلوم کر کے گواہی دیدے؟ آپ نے تحریر فرمایا: ہاں! جانی پہچانی چسپنہ کی گواہی دی جاسکتی ہے۔ لے

محمد بن یحییٰ کی چوتھی روایت: ایک شخص نے امام حسن عسکریؑ کو لکھا: ایک آدمی نے یوں کہا کہ میں تصدیق کرتا ہوں کہ فلاں گاؤں میں میرا جو مکان ہے، وہ اپنی پوری حدود کیساتھ اور اس میں موجود سامان سمیت اب فلاں بن فلاں کا ہے۔ پس گھر کے اندر کا تمام سامان خواہ وہ کچھ بھی ہو، کیا خریدار کے لیے اس کا لے لینا جائز ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جو کچھ بھی خرید و فروخت میں شامل ہے وہ سب اس کے لیے جائز ہوگا۔ انشا اللہ۔

محمد بن یحییٰ کی پانچویں روایت: سہل بن زیاد نے کہا کہ میں نے امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں لکھا: ایک شخص کے دو بیٹوں میں سے ایک مر گیا اور اس کی اولاد میں بیٹے بیٹیاں موجود ہیں۔ چنانچہ ان کے دادا نے وصیت کی ہے کہ ان کے باپ کا حصہ انکو دیدیا جائے۔ آیا اس مال میں سے بیٹوں اور بیٹیوں کو برابر حصہ ملے گا یا بیٹیوں کو بیٹی سے دگنا ملے گا؟ آپ نے تحریر فرمایا: دادا کی اس وصیت پر اللہ کے حکم کے مطابق ہی عمل کیا جائے گا۔ راوی مزید لکھتا ہے کہ آپ کی خدمت میں لکھا گیا: ایک شخص جس کی اولاد میں بیٹے بیٹیاں موجود ہیں، اس نے اپنی وصیت میں کہا ہے کہ اس کی زرعی زمین اس کی اولاد کے لیے ہے لیکن اس نے یہ واضح نہیں کیا کہ اس میں ان کے حصے مساوی ہیں یا اللہ کے حکم کے مطابق ہوں گے۔ آپ نے تحریر فرمایا: ان کے باپ نے اپنی وصیت میں جو صراحت کی ہے اس پر عمل کیا جائے۔ اگر اس نے صراحت نہ کی ہو تو پھر کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف رجوع کیا جائے۔

محمد بن حسن نے امام حسن عسکریؑ کو لکھا: ایک شخص جو مر گیا، اس نے دو آدمیوں

لے غالباً پوچھنے والا امامؑ سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ جب بیچنے والے کا حق اتنے ہی پر ہے جو اس کی ملکیت تھا اور ہم نے فرض کیا ہے کہ اس نے پورا گاؤں بیچ دیا تھا تو کیا اب یہ معلوم ہونے پر کہ بیچنے والا گاؤں کے کتنے حصے کا مالک تھا، گواہ کے لیے یہ جائز ہوگا کہ وہ اس حصہ کی گواہی دے جس کی قیمت کا حق اس مالک کو حاصل ہے اور معاملے کی اس حیثیت سے یہ سوال قابل پذیرائی ہے۔



کے حق میں وصیت کی تھی۔ کیا یہ جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک میت کا آدھا آدھا ترکہ لے لے؟ آپ نے فرمایا: ان کے لیے میت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ ان کو وہی کرنا چاہیے کہ جو اس نے کہا ہے۔

اسی طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو ایک محقق کو فقہ کے مختلف ابواب میں ملیں گی جو سب خطوں کی صورت میں ہیں اور اگر سب نہیں تو ان میں سے زیادہ تر محمد بن حسن ہی کے واسطے سے وارد ہوئی ہیں۔

**احمد بن محمد بن عیسیٰ اشعری** | احمد بن محمد بن عیسیٰ اور ان کے ساتھی راوی اور روایت کی شرطوں میں بڑی سختی برتتے

تھے۔ غالباً تم کے ان علماء کی خواہش یہ تھی کہ ائمہ کرامؑ کو ان باتوں سے بری الزمہ رکھیں جو غالی اور منحرف افراد ان سے منسوب کر دیتے تھے۔ اسی طرح وہ یہ بھی چاہتے کہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب کی کتب حدیث میں خطابیہ اور بنزلیہ فرقوں کے لوگوں کی طرف سے جھوٹی حدیثیں داخل کرنے کے عمل کو روکیں جو شیعیت کا نقاب اوڑھے ہوئے تھے۔

انہی وجوہ کی بنا پر وہ مجبور تھے کہ راویوں اور روایتوں کے معاملہ میں انتہائی درجہ کی احتیاط کو کام میں لائیں۔ چنانچہ اس موضوع کے مسلسل مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن محمد بن عیسیٰ اور ان کے عظیم رفقاء کی ان کاوشوں کو اس زمانہ سے آج تک علم رجال پر قلم اٹھانے والوں کے لیے اولین سرچشمہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ نیز علمائے رجال میں سے کوئی بھی ایسے معینہ راستے سے ہٹ کر نہیں چلا ہے۔ چنانچہ ان کی تالیفات کو دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ ان کے بعد کسی نے بھی راویوں کے حالات کی ایسی جانچ پڑتال نہیں کی کہ جس سے ان کے بارے میں اطمینان حاصل ہو جائے۔

**محمد بن حسن صفار** | کتب رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن حسن صفار قم کے ممتاز علماء اور محدثین میں سے بلند مرتبہ اور قابل اعتماد مانے جاتے

تھے۔ ان کی اکثر و بیشتر روایات قابل قبول ہوتیں اور ان میں بہت ہی کم ناقابل قبول ہوتیں۔ راویوں کا بیان ہے کہ انہوں نے امام عسکریؑ کی طرف سے بہت سے مسائل کے جواب روایت کئے ہیں۔



## سہل بن زیاد

سہل بن زیاد ابو سعید الادومی بھی امام حسن عسکریؑ سے خط و کتابت کے ذریعہ سوال کر کے ان کے جواب حاصل کیا کرتے تھے جن میں سے کچھ ہم نے بیان کیے ہیں۔ تاہم کتب رجال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطلوبہ معیار پر پورے نہیں اترتے تھے۔ کیونکہ ان پر غلو کا الزام تھا اور احمد بن محمد بن عیسیٰ اشعری نے ان سے روایت لینے کی ممانعت کی۔ اور ان کو قم سے نکال دیا۔ علم حدیث کے مرکز قم سے نکالے جانے کے بعد وہ دے میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ لوگوں کے ان سے دل برداشتہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احمد بن محمد بن عیسیٰ اور ان کے ساتھی راوی اور روایت کی شرطوں میں بڑی سختی برتتے تھے اور غلو کے حامل ایک فقرہ یا ذرا سے شبہ پر بھی بعض راویوں پر غلو کا اتہام عائد کر دیتے تھے۔

احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اوروں کے علاوہ احمد بن خالد برقی کو بھی قم سے نکال دیا تھا جن کے بارے میں علمائے رجال کی رائے یہ ہے کہ وہ مرضیین میں سے تھے۔ البتہ بعد میں ان کو واپس بلا کر ان سے عذر خواہی کر لی تھی۔ نیز جب احمد بن خالد برقی کی وفات ہوئی تو وہ ان کے جنازے میں بھی شریک ہوئے جبکہ ان کے چہرے پر غم کا اثر نمایاں تھا۔

## حسین بن سعید اہوازی

امام حسن عسکریؑ کے ہم عصر شیعہ محدثوں اور فقیہوں میں حسین بن سعید اہوازی بھی تھے۔ ان کے اور ان کے بھائی حسن بن سعید کے بارے میں ابن ندیم نے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں اپنے زمانہ میں علم فقہ میں سب سے زیادہ وسیع النظر تھے۔ حسین بن سعید نے ائمہ کرام کی حدیثیں مختلف عنوانات کے تحت مرتب کی ہیں۔ وہ تالیفات جو ان سے منسوب ہیں ان میں ان کے بھائی حسن بن سعید بھی ان کے ساتھ شریک رہے ہیں۔

## حسن بن خالد برقی

بعض روایات کے مطابق حسن بن خالد برقی اس تفسیر کے مؤلف ہیں جس کو انہوں نے امام حسن عسکریؑ سے اخذ کیا تھا۔ جو تفسیر عسکریؑ کے نام سے مشہور ہے۔ البتہ بعض لوگ اس تفسیر کے امامؑ کی طرف سے تعلیم کیے جانے کا انکار کرتے ہیں اور غالباً ان کا کہنا درست ہے جیسا کہ اس تفسیر کے مطالعہ سے ہر شخص کو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔



احمد بن اسحاق بن عبد اللہ | علمائے رجال کے بیان کے مطابق احمد بن اسحاق بن عبد اللہ بن سعد اشعری امام حسن عسکریؑ کے بلند مرتبہ

اصحاب میں سے تھے۔ وہ اہل قم کے سردار اور امامؑ کے ہاں ان کے نمائندہ تھے۔ نیز اتقان المقال میں آیا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے صاحب الامر کو دیکھا تھا۔ ان کے بارے میں اور بھی بہت سی روایات ہیں کہ ان سب کا بیان کرنا ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔

امامؑ کے جوابات اور مختصر کلمات | خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔

اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ انکی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ (سورہ بقرہ - آیت ۷)

اس آیت کی تفسیر میں امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ: اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں کو ایسے زنگ سے رنگ دیا ہے کہ جس کو دیکھ کر ملائکہ میں سے ہر ایک ان کو پہچان لیتا تھا۔ نیز اس نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے کیونکہ انہوں نے اس بات کو دیکھنے سے کنارہ کشی کی جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور جس کی ان سے توقع کی گئی تھی، انہوں نے اس کو پورا نہیں کیا، جس امر پر ایمان لانا ان کے لیے ضروری تھا، وہ اس سے لاعلم رہے۔ اس طرح وہ اس شخص کی مانند ہو گئے کہ جس کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوں اور وہ اپنے سامنے کی چیز کو بھی نہیں دیکھتا۔ پس اللہ کی ذات اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ فعل عبث کرے یا فساد کرے یا اپنے بندوں سے اپنے قہر کے ذریعہ وہ بات منوائے، جس سے اس نے ان کو منع کیا ہو۔ وہ ان کو کوئی حکم زبردستی سے نہیں دیتا اور جس چیز سے ان کو روکا ہو اس پر ان کو اپنی قدرت سے نہیں چلانا۔ اسی لیے کتا ہے کہ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ یعنی ان کیلئے وہی عذاب ہے جو آخرت میں کافروں کے لیے ہے۔

(سورہ بقرہ - آیت ۲۲)

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا۔  
جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا۔



اس آیت کی تفسیر میں آپؐ نے فرمایا: اللہ نے زمین کو تمہاری طبیعتوں کے مطابق اور تمہارے جسموں کے لیے موزوں بنایا ہے۔ نہ اس کو زیادہ گرم بنایا ہے کہ تم کو جلا ڈالے اور نہ زیادہ ٹھنڈا بنایا ہے کہ تم کو جما کر رکھ دے۔ نہ اس کی خوشبو میں اس قدر تیز ہیں کہ تمہارے سروں میں درد پیدا کر دیں اور نہ بو میں اتنی تیز ہیں کہ تم کو ہلاک کر دیں۔ نہ وہ پانی کی مانند نرم ہے کہ تم کو ڈبو دے اور نہ اتنی سخت ہے کہ نہ تم کھیتی کر سکو اور نہ مکان بنا سکو۔ بلکہ اس نے اس میں ایسی سختی رکھی ہے جس سے تم فائدہ حاصل کر سکو اور اس کے اوپر اپنے جسموں اور عمارتوں کو قائم رکھ سکو۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اس میں ایسی نرمی بھی رکھی ہے کہ تم اپنی کھیتی اور دوسرے فائدوں کے لیے اس کو استعمال میں لا سکو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس کو تمہارے لیے فرش بنایا، آسمان کو تمہارے لیے مکان یعنی چھت کے طور پر رکھا کہ جو ہر طرح سے محفوظ ہے اور اس میں سورج، چاند اور ستارے تمہارے فائدے کے لیے گردش کر رہے ہیں۔ وہ آسمان کی طرف سے بارش نازل کرتا ہے۔ اس کو بلندی سے اس لیے نازل کرتا ہے کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں، نیچی پہاڑیوں، ٹیلوں اور میدانوں میں پہنچ سکے۔ اس نے تمہاری زمین، درختوں اور پھلوں کے فائدے کے لیے اس بارش کو بھوار، بوندا باندی، ہلکی اور موسلا دھار جھڑیوں میں تقسیم کیا ہے اور اس قسم کی بارشوں سے تمہاری غذا کے لیے تمام پھل اگائے ہیں۔ پس تم کو چاہیے کہ کسی کو اس کا شریک نہ قرار دو اور اس کی شبیہیں بنا کر ان کی پرستش نہ کیا کرو۔ کیونکہ ان بڑی بڑی نعمتوں پر ان کا کوئی اختیار نہیں جو اللہ نے تم کو دی ہیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمْكَانًا . (سورۃ بقرہ - آیت ۷۸)  
اور ان میں ایسے امی ہیں کہ جو کتاب خدا کو صرف اپنی خواہش کے مطابق جانتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں آپؐ سے روایت ہے کہ: اَلْأُمِّيُّونَ میں ماں کی طرف سے نسبت دی ہے۔ گویا وہ ایسے ہی ہیں جیسے ماں کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی نہ پڑھتے ہیں، نہ لکھتے ہیں، نہ اس کتاب کو جانتے ہیں جو آسمان سے آئی اور نہ اس کتاب کو جو ان کے علمائے خود بنائی ہے۔ وہ ان دونوں کے درمیان اس وقت تک فرق نہیں کر سکتے جب تک ان کو



پڑھ کر سنایا اور بتایا نہ جائے کہ یہ اللہ کی کتاب اور اس کا کلام ہے لیکن وہ پھر بھی شک ہی میں رہتے ہیں مگر ان کے علماء محمد رسول اللہؐ کی نبوت کو — جھٹلانے کے لیے ان کو جو کچھ سناتے ہیں وہ اس کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کی پیروی سے ان کو منع کیا گیا ہے۔ پس وائے ہو ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ یہ لوگ یہودیوں میں سے تھے۔ وہ کچھ خیالی صفات لکھ کر کہہ دیتے تھے کہ یہ محمدؐ کی صفات ہیں۔ حالانکہ وہ آنحضرتؐ کی صفات کے خلاف تھیں۔ پھر وہ اپنے کمزور افراد سے کہتے تھے کہ یہ اس نبی کی صفات ہیں جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ وہ لمبے قد بڑے جسم اور سرخ بالوں والے ہوں گے۔ ہاں دیکھ لو کہ محمدؐ اس سے مختلف ہیں اور وہ آخری نبی آج سے پانچ سو سال بعد آئے گا۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ کمزور افراد اسلام نہ لائیں تاکہ وہ ان پر اپنی سرداری قائم رکھے رہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وائے ہو ان لوگوں پر جو کتاب خدا میں اپنی طرف سے لکھ دیتے ہیں اور وائے ہو ان پر جو ایسا کام کرتے ہیں۔

راوی کہتا ہے کہ اس پر ایک شخص نے کہا: اگر یہ لوگ قوم یہود سے تھے کہ جو کتاب کو صرف اتنا ہی سمجھتے تھے جتنا وہ اپنے علماء سے سنتے تھے اور ان کے پاس اس کا کوئی اور ذریعہ بھی نہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے علماء کی بات ماننے پر بُرا کیوں کہا؟ جبکہ یہودی عوام بھی ہمارے ہی عوام کی طرح رہے ہوں گے کہ جو اپنے علماء کے کہنے پر چلتے ہیں۔ تب امامؑ نے فرمایا: ہمارے عوام اور علماء اور یہودی عوام اور علماء میں ایک لحاظ سے تفاوت اور ایک لحاظ سے یکسانیت ہے۔ یکسانیت اس لحاظ سے ہے کہ اللہ نے ہمارے عوام کو بھی اپنے علماء کی تقلید کرنے پر بُرا کہا جس طرح یہودی عوام کو بُرا کہا ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہودی عوام جانتے تھے کہ ان کے علماء جھوٹے ہیں رشوت لیتے ہیں حرام کھاتے ہیں اور سفارش یا تہدید کے زیر اثر شرعی احکام کو بدلتے رہتے ہیں۔ نیز وہ ان کے اس شدید تعصب سے بھی واقف تھے کہ جس سے وہ دین میں تفرقہ پیدا کرتے رہتے تھے اور ایسی ہی اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو وہ ان کے متعلق جانتے تھے۔ پس ان کو اس لیے برا کہا گیا کہ انہوں نے جانتے بوجھتے ہوئے ایسے بُرے لوگوں کی تقلید کی۔



جبکہ یہ طرز عمل ان کے لیے مناسب نہیں تھا کہ جو کچھ ان کو ایک جھوٹا عالم بتائے وہ اس کو مان لیں اور اس کی تصدیق کریں، بلکہ ان کے لیے محمد رسول اللہؐ کے معاملہ پر خود غور کرنا اور اپنی عقل سے کام لینا لازم تھا کیونکہ آنحضرتؐ کا پیغام واضح اور آپ کے دلائل روشن اور ظاہر تھے۔ اسی طرح جب ہمارے عوام کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے فقہار بد اعمالیوں اور جنبہ داریوں میں پڑ گئے ہیں اور وہ دنیا کے چند ٹکڑوں پر ریجھے جا رہے ہیں تو ہمارے عوام میں جو لوگ بھی اس طرح کے فقہار کی تقلید کریں گے ان کی مثال انہی یہودیوں کی سی ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بدکار فقہار کی تقلید کرنے پر برا کہا ہے۔ البتہ ایسے فقیہ جو اپنے نفس کو گناہوں سے بچانے والے، اپنے دین کی حفاظت کرنے والے، اپنی خواہشات کی مخالفت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے والے ہوں تو عوام کو ان کی تقلید کرنا چاہیے۔ تاہم سب شیعہ فقہار ایسے نہیں ہیں بلکہ ان میں سے چند ایک ہی اس معیار پر پورے اترتے ہیں۔ پس جو کوئی بدکار فقہار کی طرح برائیوں اور بد اعمالیوں میں پڑ جائے اس سے ہمارے متعلق کوئی چیز بلکہ ہماری کرامت بھی سنو تو قبول نہ کرو کیونکہ جو کچھ ہم اہلبیتؑ سے اخذ کیا جاتا ہے پھر اس میں بہت کچھ آمیزش ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ جب ایسے بدکار لوگ ہم سے کچھ حاصل کرتے ہیں تو وہ اپنی جہالت اور معرفت کی کمی کی وجہ سے اس میں تبدیلیاں کر کے اس کو نامناسب جگہ پر رکھ دیتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو جان بوجھ کر ہم پر جھوٹ باندھتے ہیں تاکہ اس طرح مال دنیا حاصل کریں لیکن وہ جھوٹ الٹا ان کو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو ہم سے دشمنی رکھنے والے ہیں لیکن وہ ہم کو برا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے، البتہ وہ ہمارے کچھ علوم حاصل کر لیتے ہیں اور پھر ہمارے شیعوں میں جا کر ہمارے اس علم میں جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں کہ جس سے ہم بالکل بری الزمہ ہوتے ہیں۔ تاہم وہ ان کو ہمارے شیعوں میں سے سمجھتے ہوئے ان سے وہ باتیں صحیح جان کر لیتے ہیں۔ اس طرح وہ لوگ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ ہمارے عام شیعوں کے لیے اس سے زیادہ نقصان رساں ہیں جتنا کہ حسینؑ بن علیؑ اور ان کے اصحاب کے لیے یزید کا لشکر تھا۔



آپ نے مزید فرمایا: رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ ہماری امت میں سے برے علماء ہم کو لوگوں سے دُور کرتے ہیں اور ہماری طرف آنے والے راستوں پر لوٹ مار کرتے ہیں۔ وہ ہمارے مخالفوں کے نام ہم جیسے رکھتے ہیں اور ہمارے مقابل آنے والوں کو ہمارے انقباب دیدیتے ہیں۔ پھر وہ لوگ بظاہر تو ان پر رحمت بھیجتے ہیں مگر اصل میں وہ لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں۔ وہ ہم سے بیزار می ظاہر کرتے ہیں۔ جبکہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزتیں گھیرے ہوئے ہیں اور ہم پر خدا اور اس کے مقرب ملائکہ کی جو صلوات جاری رہتی ہے اس کے ہوتے ہوئے ہم ان کی صلوات کی ضرورت نہیں رکھتے۔

راوی کا خیال ہے کہ امام حسن عسکریؑ نے یہ بھی فرمایا کہ امیر المومنین امام علی بن ابی طالبؑ سے پوچھا گیا کہ ائمہ ہدیٰؑ جو اندھیرے کے چراغ ہیں، ان کے بعد خلق خدا میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: علماء کہ جب وہ نیک عمل کرتے ہوں۔ پھر پوچھا گیا: ابلیس، فرعون، نمرود اور ان لوگوں کے بعد بدترین خلائق کون ہے؟ جو آپ کے سے نام اور لقب رکھتے ہیں لیکن عوام الناس کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ علماء کہ جو فساد پھیلاتے ہوں یعنی وہ باطل کی پشت پناہی کرتے اور حق کو چھپاتے ہیں۔ وہ یہی ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا: خدا ان پر لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کر نیوالے بھی لعنت کرتے ہیں۔

یوسف بن محمد بن زیاد اور علی بن محمد بن سیار بیان کرتے ہیں کہ ہم دونوں نے امام حسن عسکریؑ سے کہا: ہمارے کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہاروت و ماروت فرشتے ہیں۔ جب انسانوں میں گناہوں کی کثرت ہو گئی تو ملائکہ نے ان کو منتخب کیا اور خدا نے ان کو ایک تنصیرے فرشتہ کے ساتھ دنیا میں بھیجا۔ یہاں وہ زہرہ کے جمال پر مفتون ہو گئے اور پھر شراب پی، اس سے زنا کیا اور ایک شخص کو ناحق قتل بھی کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو چاہ بابل میں عذاب دے رہا ہے۔ جادو گروہاں جا کر ان سے سحر سیکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ خدا نے اس عورت کو مسخ کر دیا اور وہ ستارہ زہرہ کی شکل میں آسمان پر موجود ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! ملائکہ تو اللہ کے خاص لطف کے سہارے کفر اور دوسری برائیوں سے بالکل بری ہیں۔ جیسا کہ خدا نے ان کے بارے میں فرمایا:



لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ .

(سورۃ تحریم - آیت ۶)

اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے  
اس نے یہ بھی فرمایا ہے :

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ  
عَنْ عِبَادَتِهِ .

(سورۃ انبیاء - آیت ۱۹)

جو فرشتے آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اسی کے بندے ہیں۔ ان میں جو اس کی سرکاری ہیں وہ اس کی عبادت میں شینچی نہیں کرتے۔  
ملائکہ ہی کے بارے میں فرمایا :

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِ  
يَعْمَلُونَ .

(سورۃ انبیاء - آیت ۲۶-۲۷)

بلکہ وہ خدا کے معزز بندے ہیں۔ جو بات میں اس پر پہل نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر ہی عمل کرتے ہیں۔

آپ نے مزید فرمایا : اللہ تعالیٰ فرشتوں کو زمین پر اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ یہاں آکر امام اور حاکم بن جائیں، بلکہ ان کو خدا کے نبیوں کے پاس اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ ان کو اپنے رب کے پیغامات پہنچایا کریں۔ تب سائل نے کہا : اس کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا : نہیں ! وہ ایک جن تھا کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں سنا کہ :  
وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ .

(سورۃ کہف - آیت ۵۰)

جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جنوں میں سے تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امام حسن عسکریؑ نے فرمایا : جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں کے حقوق کو سب سے زیادہ پہچانتا ہو اور ان کے ادا کرنے میں سب سے زیادہ



کوشاں ہو، خدا کے نزدیک وہ سب سے بلند مرتبہ پر ہوتا ہے اور جو شخص اس دنیا میں اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے انکساری کرتا ہے وہ خدا کے ہاں صدیقین اور امام علی بن ابی طالب کے سچے پیروکاروں میں سے ہوگا۔ جو شخص محفل میں معمولی جگہ پر بیٹھنے سے مطمئن ہو تو جب تک وہ وہاں سے اٹھ نہ جائے، خدا اور اس کے فرشتے اس کو برابر آفرین کہتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: انسانوں میں شرک کا موجود ہونا رات میں ایک سیاہ جگہ پر چوٹی کے چلنے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ نیکوکاروں کی نیکوکاروں سے محبت ان کے لیے باعثِ ثواب ہے۔ بدکاروں کی نیکوکاروں سے محبت نیکوکاروں کے لیے باعثِ فضیلت ہے۔ بدکاروں کا نیکوکاروں سے دشمنی رکھنا بدکاروں کے لیے باعثِ ذلت ہے۔

اپنے پاس سے گزرتے ہوئے شخص پر سلام کرنا اور محفل میں معمولی جگہ بیٹھنا انکساری اور کسی بات پر خوش ہونے بغیر ہنسنا جہالت ہے۔

آپ نے شیعوں کے ایک گروہ سے فرمایا: میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اپنے دین میں خدا کے خوف کو مد نظر رکھو، گفتار میں سچائی اختیار کرو، نماز میں سجدوں کو طول دیا کرو اور ہمسائے کا خیال رکھا کرو۔ یہی وہ احکام ہیں جو رسول اللہؐ نے کرائے: اپنے قرابتداروں سے نیک سلوک کیا کرو۔ اپنے لوگوں کے جنازوں میں شرکت کیا کرو۔ تم میں جو بیمار ہوں ان کی عیادت کیا کرو اور لوگوں کے حقوق ادا کرتے رہا کرو۔ اگر تم میں کوئی ایسا ہوگا جو اپنے دین میں خدا کا خوف رکھے، اپنی گفتار میں سچا رہے، لوگوں کی امانتیں ادا کرتا رہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور جب کہا جائے کہ یہ میرا شیعہ ہے تو اس سے مجھ کو خوشی ہوگی۔ اللہ سے ڈرو اور اس طرح ہمارے لیے باعثِ زینت بنو کہ باعثِ رسوائی بنو۔ ساری محبت ہماری طرف مرکوز کرو اور ہم کو ہر برائی سے دور سمجھو۔ کیونکہ ہمارے بارے میں جو بھی خوبی بیان کی جائے ہم اس کے سزاوار ہیں اور ہمارے متعلق جو برائی بیان کی جائے ہم اس سے پاک ہیں۔ ہمارے حق کا ذکر قرآن میں ہے۔ ہماری قرابت رسول اللہؐ سے ہے۔ ہماری پیدائش پاک ہے اور ہمارے علاوہ جو بھی یہ دعوے کرے وہ جھوٹا ہے۔

آپ نے ان لوگوں سے مزید فرمایا: صرف روزہ اور نماز کی کثرت ہی کا نام عبادت



ہیں بلکہ اللہ کے معاملہ میں غور کرتے رہنا بھی عبادت ہے۔ بہت برا ہے وہ شخص کہ جس کے دو چہرے اور دو زبانیں ہوں۔ یعنی اپنے بھائی کے سامنے اس سے خوش ہوتا ہو اور پیٹھ پیچھے اس کو کھا جانے کو تیار ہو۔ اگر اس کے بھائی کے پاس مال آئے تو اس سے حسد کرتا ہو اور اگر وہ کسی مشکل میں پڑ جائے تو اس کو چھوڑ کر چل دے۔ غصہ تمام برائیوں کی کنجی ہے اور انسانوں میں سب سے کم راحت پانے والا وہ ہے جو کینہ پرور ہو۔ لوگوں میں سب سے بڑا زائد وہ ہے جو حرام سے دُور رہتا ہو۔ جو نیکی بوتا ہے وہ نیک نامی حاصل کرتا ہے اور جو برائی بوتا ہے وہ رسوائی پاتا ہے۔ احمق کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور دانشمند کا منہ اس کے دل میں ہوتا ہے۔

آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: رزق مل جانے کی ضمانت کے باعث تم کو محنت سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ جو طہارت کے معاملہ میں حد سے آگے بڑھتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو اس کا خیال ہی نہیں کرتا۔ حق سے روگردانی کرنے والا باعزت بھی ہو تو وہ رسوا ہو جائے گا اور حق کو اختیار کرنے والا اگر ذلیل بھی ہو تو وہ معزز ہو جائے گا۔ دو خصلتوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں یعنی اللہ پر ایمان رکھنا اور مسلمان بھائیوں کو فائدہ پہنچانا۔ بچپن میں اپنے باپ پر بیٹے کی جرأت بڑے سن میں سرکشی تک پہنچ جاتی ہے۔ ایک رنجیدہ شخص کے سامنے اظہارِ مسرت اچھا فعل نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو پوشیدہ طور پر نصیحت کرتا ہے وہ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو اس کو علانیہ نصیحت کرتا ہے وہ اس کو گویا رسوا کرتا ہے۔ مومن کے لیے کوئی ایسی خواہش کرنا بہت برا فعل ہے جو اس کو ذلیل کر دے۔ نعمت کو صرف وہی پہچانتا ہے جو اس کا شکر ادا کرے اور اس کا شکرو ہی ادا کرتا ہے جو اس کو پہچانتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے مانگنے سے پرہیز کرو کیونکہ ہر روز کے لیے نیا رزق مقرر ہوتا ہے۔ مانگنے میں اصرار کرنا ابرو کو زائل کر دیتا ہے اور ذلت اور تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ پس صبر سے کام لو۔ جہاں تک کہ اللہ تمہارے لیے کوئی ایسا راستہ کھول دے کہ جس سے تم کو آسانی حاصل ہو جائے۔ جو پھل ابھی تم کو نہیں ملا اس کے لیے جلدی مت کرو اور یقین رکھو کہ تمہارا کارساز اس وقت سے خوب واقف ہے۔ جب وہ پھل تمہارے



حال کے لیے مناسب ہے۔ ہاں تو اپنے تمام معاملات میں اس کے علم پر بھروسہ رکھو اس سے تمہاری حالت درست ہو جائے گی۔ اپنی حاجتوں کے معاملہ میں ان کے برائے سے پہلے جلدی مت کرو، ورنہ تمہارا سینہ تنگ اور تمہارا دل رنجیدہ ہو جائے گا اور تم پر مایوسی چھا جائے گی۔

آپ فرمایا کرتے: جو کوئی باطل کی پیٹھ پر سواری کرے گا، وہ اس کو رسوائی کی طرف لے جائے گی۔ اللہ کی قدرت کے مقرر کیے ہوئے امور کو انسانی طاقت کے ذریعے دور نہیں کیا جاسکتا؛ جو زرق لکھا ہوا ہے نہ اس کو لالچ کے سہارے حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے توجہ ہٹا کر اس کو روکا جاسکتا ہے۔ تمہارے لیے مناسب طریقہ یہ ہے کہ اس بات سے باز رہو جو تم دوسرے سے ناپسند کرتے ہو۔ تمہارا بہترین بھائی وہ ہے جو تمہاری غلطی کو بھول جائے اور تمہاری نیکیوں کو یاد رکھے۔ اس دشمن کی چال سب سے کمزور ہے جو اپنی دشمنی کو ظاہر کر دے۔ جو کوئی اللہ سے انس رکھتا ہے وہ انسانوں کی محفل سے گھبراتا ہے اور اللہ سے اس کی انس کی پہچان یہی اس کا انسانوں کی محفل سے گھبرانا ہے۔ ساری برائیاں ایک گھر میں بند کر دی گئی ہیں اور جھوٹ اسکی کنجی ہے۔

اس طرح کے اور چند نصائح بھی ہیں کہ جن سے آپ اپنے اصحاب اور عوام الناس کو آگاہ فرماتے تھے۔ اس راہ میں آپ ہر وہ کوشش کرتے تھے جو آپ کے لیے ممکن ہوتی تھی تاکہ آپ ایسے اخلاق اور ایسی صفات کو پیش کرتے رہیں جن کا اختیار کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اور جو دلوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں زیادہ موثر ہیں۔ اصل اس زمانے میں آپ کی ذات مقدس اہلبیتؑ کے اخلاق، تعلیمات اور سیرت کے اسی نمایاں پہلو کا نمونہ تھی جس کے سامنے ان افراد کی اصلیت اور ان کا کھوکھلا پن واضح ہو جاتا ہے جو اسلام کے نام سے حکومت کیا کرتے تھے جبکہ تمام دوسری قوموں کے لوگ جو ان کو اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھتے رہے، ان کے نزدیک وہی فرمانروا اسلام کا نمونہ مانے جاتے تھے۔ پس اگر میں یہ کہوں تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہو گا۔ ماضی و حال کے زمانوں میں اسلام کا اپنی راہ میں ٹھوکریں کھاتے رہنا اور غیروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی پسماندگی اسلام کی اسی غبار آلود شکل کا نتیجہ ہے، جو ان اسلام کے سرکش حکمرانوں نے



اپنے پیچھے چھوڑی اور جو ہمارے آج کے زمانہ تک آنے والے افراد ایک دوسرے سے حاصل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ حکومت تو اسلام ہی کے نام پر کرتے تھے اور اپنی زبانوں پر اسلام کا تذکرہ بھی جاری رکھا کرتے تھے لیکن اپنے دلوں کے اندر وہ اس کے بدترین دشمن اور سخت ترین بدخواہ تھے۔

## امام حسن عسکریؑ کی شہادت

روایات اس پر متفق ہیں کہ آپ کی شہادت ۳۶ھ میں واقع ہوئی جب کہ خلیفہ

معتد عباسی (احمد بن جعفر متوکل) کے چار سال گزر چکے تھے۔ آپ کے فرزند محمد (مہدی المنتظرؑ) کے علاوہ آپ کی اولاد میں کوئی اور بیٹا بیٹی نہیں تھا۔ چنانچہ آپ نے ان کی امامت طول حیات اور ایک طویل غیبت کے بعد ان کے ظہور کی واضح خبر دیدی تھی۔ نیز یہ کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جو ان کے ظہور سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی جیسا کہ ان کے جد امجد رسول اکرمؐ نے اور ان کے بعد امام المنتظرؑ کے تمام آبائے کرام یعنی ائمہ طاہرینؑ یکے بعد دیگرے صراحت کرتے چلے آئے تھے، یہاں تک کہ ان کے والد بزرگوار امام حسن عسکریؑ کا زمانہ آگیا اور آپ نے بھی ان کی امامت غیبت اور ظہور کے بارے میں اسی طرح وضاحت فرمائی جیسے ہر امامؑ نے اپنے اپنے جانشین کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ امام القائمؑ کی آمد کا اعلان کیا تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کی شہادت ماہ ربیع الاول کے پہلے پندرہ واڑے میں واقع ہوئی اور اس سے متصل آٹھ روز تک آپ بیمار رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی بیماری معتد عباسی کے معاذانہ اقدام کا نتیجہ تھی کیونکہ اس نے ایک آدمی کے ذریعہ سے آپ کے کھانے میں زہر ڈلوادیا تھا۔ یہ ان شیعہ علماء اور محدثین کی رائے ہے جس کا ماخذ وہ روایت ہے جو بعض محدثین نے امام جعفر صادقؑ سے لی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم میں سے ہر فرد کو یا تو قتل کیا جائے گا یا زہر دیا جائے گا۔ اس بنیاد پر اکثر لوگوں نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ تمام ائمہ کرامؑ کو دشمنی اور فریب سے شہید کیا گیا اور یہ کہ ان میں سے جو تلوار سے قتل نہیں ہوئے وہ زہر سے مارے گئے۔ میں اس فعل کو ان حکمرانوں سے بعید نہیں سمجھتا ہوں، جو ان ہستیوں سے



اپنے تخت ہائے حکومت کے بارے میں ڈرتے رہتے تھے، جبکہ تاریخ میں بھی اس کے ثبوت بھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ جب خلیفہ ہارون اور اس کے بیٹے مامون کے درمیان امام موسیٰ بن جعفرؑ کے بارے میں ایک گفتگو ہوئی تھی تو اس نے مامون سے کہا تھا کہ اگر تم بھی حکومت کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑا کرو گے تو میں تمہاری آنکھیں نکال لوں گا۔ پھر اس بات میں کچھ شک نہیں کہ عباسی حکمران ائمہ اہلبیتؑ سے اپنے تخت حکومت کے بارے میں خطرہ محسوس کرتے تھے اور ان سے ڈرتے رہتے تھے اور ان شکایتوں سے جھٹ متاثر ہو جاتے تھے جو ان کو اہلبیتؑ کے دشمنوں اور خود ان کے عمال حکومت کے ذریعہ سے پہنچتی تھیں۔ ان وجوہ کی بنا پر ائمہ کرامؑ کو ان حکمرانوں کے زیر نظر جبری طور پر بغداد اور سامرا میں رکھا جاتا تھا اور ان کو ہر طرح کی دھمکیوں، سختیوں، تکلیفوں اور ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ وقتاً فوقتاً قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا پڑتی تھیں جو محض بہتان اور ابہام کی وجہ سے ان پر ڈال دی جاتی تھیں۔ تاہم صرف یہی واقعات اس امر کی دلیل نہیں ہیں کہ امام حسن عسکریؑ اور بعض دیگر ائمہؑ زہر سے مارے گئے بلکہ وہ روایات جو آپ کی شہادت کے بارے میں ہیں اور جن پر آپ کی سیرت لکھنے والوں نے اعتماد کیا ہے وہ بھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتیں۔ ان میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جو راویوں نے احمد بن عبد اللہ بن خاقان کی سند سے بیان کی ہے کہ جس کا باپ معتمد کا وزیر تھا۔ اس روایت کا پہلا حصہ ہم امام حسن عسکریؑ کے بارے میں حکمرانوں کے رویہ کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کا دوسرا حصہ کہ جو آپ کی شہادت سے متعلق ہے اور کلینی، مفید اور صدوق نے بھی اپنے بیان میں اسی پر اعتماد کیا ہے وہ یہ ہے۔

”احمد بن عبد اللہ بن خاقان کا بیان ہے کہ امام حسن بن علیؑ کی شہادت کے وقت خلیفہ معتمد اور اس کے امراء حکومت پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اس سے مجھ کو تعجب ہوا اور مجھے خیال بھی نہ تھا کہ ایسا ہوگا چنانچہ جب امام حسن عسکریؑ بیمار ہوئے اور میرے والد کو اطلاع ملی تو وہ فوراً ہی سوار ہوئے اور قصر خلافت پہنچے۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو ان کے ساتھ خلیفہ کے پانچ غلام تھے جو سب کے سب اس کے خاص آدمی تھے جن کو اس نے امام حسن عسکریؑ کے مکان پر رہنے کا حکم دیا تھا۔ پھر کچھ طبیبوں کو بلوایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ یکے بعد دیگرے



ان کے پاس رہیں اور صبح و شام ان کی دیکھ بھال کرتے رہیں۔ اس کے دو یا تین روز بعد میرے والد کو اطلاع ملی کہ امامؑ کا ضعف بڑھ گیا ہے۔ تب وہ سوار ہو کر صبح سویرے ہی انکی خدمت میں پہنچ گئے اور طبیبوں کو حکم دیا کہ ان کے گھر پر ہی رہیں۔ اس کے بعد انھوں نے قاضی القضاۃ کو حکم دیا کہ وہ دس ایسے افراد کہ جن کی دینداری اور پارسانی پر ان کو بھروسہ ہو ان کو امام حسن بن علیؑ کے مکان پر رات دن رہنے کا حکم دیدیں۔ چنانچہ قاضی القضاۃ نے ان آدمیوں کو بھیج دیا اور پھر وہ امامؑ کے گھر پر رہے یہاں تک کہ آپ کی شہادت ہو گئی۔ احمد بن عبید اللہ بن خاقان مزید بیان کرتا ہے کہ جیسے ہی امام حسن عسکریؑ کی شہادت کی خبر پھیلی، سارا سامرا شریک زبان ہو کر رونے پینے لگا اور کچھ لوگ آپ کے جنازہ کی تیاری میں لگ گئے۔ شہر کے بازار بند ہو گئے اور بنی ہاشم، فوجی افسران، امرائے دربار، قاضیان عدالت اور تمام دوسرے لوگ آپ کے جنازے کی طرف چل پڑے۔ سامرا شہر میں اس روز قیامت کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ جب لوگ آپ کا جنازہ تیار کر چکے تو خلیفہ معتمد نے ابو عیسیٰ بن متوکل کو ان کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کہلا دیا۔ جب جنازہ لا کر رکھ دیا گیا تو ابو عیسیٰ نے امامؑ کا چہرہ کھول دیا اور علویوں، ہاشمیوں، عباسیوں، فوجی افسروں، درباریوں اور قاضیوں کو دکھا کر کہا کہ یہ امام حسنؑ بن علیؑ بن محمد الرضاؑ ہیں کہ جو اپنے بستر پر قضائے الہی سے فوت ہوئے ہیں۔ ان کی تیمارداری امیر المومنین معتمد کے فلاں فلاں غلام اور فلاں فلاں طبیب کرتے رہے ہیں۔ پھر اس نے ان کا چہرہ مبارک ڈھک دیا اور پانچ تکبیروں کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھا کر ان کو وہاں سے اٹھائے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ امامؑ کے جسد اطہر کو وہاں سے اٹھایا گیا اور پھر انہی کے مکان میں انکو اسی حجرے میں دفن کر دیا گیا جہاں اس سے پہلے ان کے والد بزرگوار امام علی السادیؑ دفن ہوئے تھے۔

راوی کہتا ہے کہ محمد بن عبید اللہ نے اس پر اضا فہ بھی کیا کہ جب امام حسن عسکریؑ دفن ہو گئے تو ان کے بھائی جعفر نے میرے باپ کے پاس آ کر کہا: مجھ کو میرے والد اور بھائی کا مرتبہ عطا کر دیجیے، اس کے عوض میں آپ کو بیس ہزار دینار سالانہ ادا کیا کروں گا۔ میرے والد نے اس کو جھڑک دیا اور پھر کہا: اے نادان! خدا خلیفہ کی شوکت میں اضا فہ



کرے کہ اس نے ان لوگوں پر کوڑے برسائے اور تلواریں چلائیں کہ جو تمہارے باپ اور بھائی کو اپنا امام مانتے تھے۔ اس نے چاہا کہ وہ ان کو اس عقیدے سے بازرکھے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور پھر اس نے یہ کوشش بھی کی کہ تمہارے باپ اور بھائی کو امامت کے اس منصب سے ہٹا دے، لیکن وہ یہ بھی نہیں کر سکا۔ پس اگر تم اپنے باپ اور بھائی کے پیروکاروں کے نزدیک امام ہو تو پھر تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ خلیفہ یا کوئی اور تم کو ان دونوں کے بعد امامت عطا کرے اور اگر تم کو ان کے نزدیک یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے تو تم اس کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد میرے باپ نے جعفر کو بہت شرمندہ کیا اور حکم دیا کہ اس کو مجھ سے دور ہی رکھا جائے۔ چنانچہ اس کو پھر کبھی ان سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی، یہاں تک کہ میرے باپ نے وفات پائی۔

پھر جس کسی نے بھی امام ابو محمد حسن بن علیؑ کی شہادت کو بیان کیا، اس نے اس روایت کا ضرور ذکر کیا ہے جس میں امام کے مرض شہادت اور اس میں خلیفہ کے طرز عمل کا ذکر ہے۔ حتیٰ اینکہ وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ آپ کو زہر دیا گیا تھا انہوں نے بھی آپ کی شہادت کے ذکر کی ابتدا میں اس روایت کو بیان کیا ہے۔ اسکے باوجود بھی یہ لوگ اس ضعیف روایت پر اعتماد کرتے ہیں کہ جس میں راوی کہتا ہے: امام جعفرؑ نے فرمایا ہے کہ ہم میں سے ہر فرد یا قتل کیا جائے گا یا اس کو زہر دیا جائے گا۔ تاہم وہ یہ بھول جاتے ہیں یا جان بوجھ کر مہلا دیتے ہیں کہ خود احمد بن عبید اللہ کی یہ روایت ہی اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ معتمد عباسی اپنی تمام حیلہ سازی کے باوصف امام حسن عسکریؑ کے خون سے بری الزمہ نہیں ہے اور اس پر یہ الزام اسی روز عائد کیا گیا تھا۔ چنانچہ ان ایام میں جبکہ امام صاحب فراش تھے وہ اپنے رویہ سے خود کو اس سے بری کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر یہ بات نہ تھی تو کیوں اس نے امامؑ کی بیماری کی خبر ملتے ہی اپنے وزیر کے ذریعے اپنے خاص آدمیوں اور طبیبوں کو آپ کے مکان پر حاضر رہنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح اس نے قاضی القضاۃ کو کیوں حکم دیا کہ وہ دس دیندار اور پارسا افراد کو رات دن امامؑ کے مکان پر مامور رکھے۔ پھر کیوں ابو عیسیٰ نے امامؑ کا چہرہ کھول کر علویوں، ہاشمیوں، عباسیوں، فوجی افسروں اور قاضیوں کو دکھایا اور کہا کہ



آپ کی وفات طبعی طور پر ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر خلیفہ اس جرم میں ملوث نہ ہوتا تو یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا اور پھر یہ کہ اس کی طرف اسی روز انگلیاں اٹھ رہی تھیں اور اصل حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اکمال الدین شیخ صدوق میں ابوالادیان سے روایت آتی ہے کہ اس نے کہا: میں امام حسن بن علیؑ کی خدمت کیا کرتا تھا اور آپ کے خطوط دوسرے علاقوں میں لیجاتا تھا۔ چنانچہ جس بیماری کے باعث آپ نے شہادت پائی، اس کے دوران میں جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے کئی خط لکھے اور فرمایا: تم ان کو مدائن لے جاؤ۔ تب میں آپ کے وہ خطوط لے کر گیا اور ان کے جواب لیکر پندرہویں روز سامرا واپس آیا۔ وہاں آکر دیکھتا کیا ہوں کہ امامؑ کے گھر میں شور مارتا ہے۔ دروازہ پر آپ کا بھائی جعفر بن علیؑ بیٹھا ہے۔ بہت سے شیعہ ان کے گرد جمع ہیں جو آپ کی شہادت پر اس کو پر سادے رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ میاں رکباد بھی دے رہے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اب یہ جعفر ہی امام ہے تو پھر امامت کا حال اور سے اور ہو جائے گا۔ اتنے میں عقید نامی غلام نے باہر آکر جعفر سے کہا: اے آقا! آپ کے بھائی کو غسل و کفن دیدیا گیا ہے۔ اب آپ ان پر نماز پڑھ لیجیے۔ تب وہ شیعوں کے جلو میں گھر کے اندر آگیا۔ جب وہ امام حسن عسکریؑ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھا لیکن ابھی تکبیر کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک صاحبزادے تشریف لائے۔ ان کا چہرہ گندمی رنگ کا، کھڑے چھوٹے بال اور دانت چھدرے تھے۔ انہوں نے جعفر بن علیؑ کی چادر کا پلو کھینچ کر کہا: چچا جان! آپ ہٹ جائیے، میں اپنے والد کا جنازہ پڑھانے کا آپ سے زیادہ حقدار ہوں۔ یہ سنکر جعفر ہٹ تو گیا لیکن اس کا چہرہ خاصا مکدر ہو گیا۔ پس ان صاحبزادے نے آگے بڑھ کر آپ پر نماز پڑھائی اور پھر آپ کو اپنے والد امام علیؑ کے برابر میں دفن کر دیا گیا۔ جہاں پر آپ دونوں ائمہؑ کے مزار زیارت گاہ خلّاق اور شیعیان اہلبیتؑ کے لیے جائے پناہ بنے ہوئے ہیں۔ وہ ان سے برکت حاصل کرتے ہیں اور ان کی حرمت کا واسطہ دے کر خدا سے اپنے لیے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی رحمت ان کے شامل حال کرے، حق و ہدایت پر قائم رکھے اور ان اہلبیت کرامؑ کے قدم بہ قدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے، جن کو اس نے ہر قسم کی برائی سے اس طرح پاک رکھا کہ جو پاک رکھنے کا حق ہے۔



# امام محمد مہدیؑ

امام ابوالقاسم محمد بن حسنؑ جو اس امت کے مہدیؑ اور اس کی آرزوؤں اور امیدوں کا مرکز ہیں اور جو اس دنیا کو اس وقت عدل و انصاف سے بھر دیں گے جبکہ یہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ آپ ۵ ارشعبان ۲۵۵ھ میں خلیفہ معتز عباسی کے عہد میں پیدا ہوئے اور آپ کی پیدائش سے ایک ماہ بعد مہدیؑ کو خلافت مل گئی تھی۔

بیشتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد امام حسن عسکریؑ کی شہادت ہوئی تو آپ کی عمر پانچ سال تھی۔ اللہ نے اس کم سنی میں آپ کو حکمت عطا کی اور آپ کو مسلمانوں کے لیے امام اور عالمین کے لیے نشانی قرار دیا۔ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو اس وقت نبوت عطا کی جب وہ گہوارے ہی میں تھے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک روز امام عسکریؑ کی پھوپھی حکیمہ خاتون آپ سے ملنے آئیں۔ جب وہ جانے لگیں تو امامؑ نے ان سے درخواست کی کہ آج رات یہیں قیام فرمائیں۔ پھر ان کو بتایا کہ ان کی زوجہ بی بی نرجس کے یہاں ولادت ہونے والی ہے حالانکہ ان پر حمل کے آثار چنداں نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ راویوں کا بیان ہے کہ امام حسن عسکریؑ اور ان کی پھوپھی حکیمہ خاتون کے مابین طویل گفتگو ہوئی اور پھر وہ رات بھر کے لیے آپ کی زوجہ کے پاس رک گئیں۔ چنانچہ نیمہ شعبان کو صبح صادق سے قبل جب بی بی نرجس سوتے سے



جاگیں تو ان پر وضع حمل کی کیفیت طاری تھی اور امام حسن عسکریؑ کی بھوپھی حکیمہ خاتون کے ذریعے سے یہ ولادت تکمیل کو پہنچی۔ اس کے بعد امامؑ نے ابو عثمان بن سعید کو حکم دیا کہ وہ چند گوسفند لے کر آپ کی طرف سے اس فرزند کا عقیقہ کر دیں۔ مزید یہ کہ ایک بڑی مقدار میں گوشت اور روٹی لے کر غریبوں کو کھلائیں۔ چنانچہ عثمان بن سعید نے امامؑ کے احکام کی تعمیل اسی طرح سے کی جس طرح کہ آپ چاہتے تھے۔

امام مہدیؑ محمد بن حسنؑ کی والدہ گرامی ایک رومی خاتون تھیں، جن کو سوسن نرجس، ریحانہ اور صفلیہ کہا جاتا تھا اور غالباً امامؑ کے گھرانہ میں وہ نرجس کے نام سے یاد کی جاتی تھیں۔ نیز خود امامؑ بھی اکثر و بیشتر ان کو اسی نام سے پکارتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ امام علی نقیؑ نے اپنا ایک خاص آدمی بغداد میں اس جگہ بھیجا جہاں غنیمت کا مال آیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے بی بی نرجس کو وہاں سے خریدا اور ان کو امام علی نقیؑ کے پاس لے آیا۔ تب آپ نے ان کی تزویج اپنے بیٹے امام حسن عسکریؑ سے فرمادی۔ ایک اور روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امام علی نقیؑ کی حقیقی بہن حکیمہ خاتون نے ان کی تزویج اپنے بھتیجے حسن عسکریؑ سے کرادی تھی۔

بی بی نرجس کے متعلق جو روایات وارد ہوئی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ یہ روم کے شاہی خاندان سے تھیں اور ان کی والدہ شمعون الصفا کی اولاد میں سے تھیں۔ ان کے دادا قیصر روم نے یہ ارادہ کیا کہ وہ ان کی تزویج اپنے بھائی کے بیٹے سے کر دے اور پھر اس مقصد سے اس نے بہت سارے مہمان بھی بلا لیے لیکن تزویج کی رسم شروع ہونے سے پہلے ہی صلیب گر پڑی، ستون ٹوٹ گئے اور پوری تخت گاہ نیچے آ رہی۔ اس بات کو ان کے دادا قیصر روم اور ان مذہبی پیشواؤں نے ایک بدشگون خیال کیا، جو تزویج کی رسوم ادا کرنے کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے، اس گھبراہٹ میں انہوں نے کوئی رسم ادا کیے بغیر ہی وہ اجتماع ختم کر دیا تھا۔

بعض روایتوں میں اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بی بی نرجس نے خواب میں دیکھا کہ ان کے دادا کے یہاں ایک اجتماع ہو رہا ہے۔ جس میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کے حواری شمعون بھی موجود ہیں۔ نیز پیغمبر عرب محمد رسول اللہؐ بھی اپنے جانشین بیٹوں کے ساتھ وہاں تشریف



فرمایا کہ جن میں ابو محمد حسن عسکریؑ بھی موجود ہیں۔ اس وقت نبی اکرمؐ نے اپنے فرزند حسن عسکریؑ کے لیے حضرت عیسیٰؑ سے بی بی نرجس کا رشتہ طلب کیا جس کو انہوں نے منظور کر لیا اور ان دونوں کی تزویج ہو گئی۔ پھر یہ طویل حدیث اس بیان پر ختم ہوتی ہے کہ امام ابو محمد حسن عسکریؑ نے ایک رات خواب میں بی بی نرجس کو بتایا کہ ان کا دادا عنقریب مسلمانوں سے جنگ کے لیے ایک لشکر بھیجنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان سے کہا کہ وہ بھی اس لشکر کے ساتھ آجائیں۔ پس وہ آپ کے حکم کے مطابق اس لشکر کے ساتھ آئیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بن کر بغداد آ گئیں۔ ادھر امام علی نقیؑ نے ایک آدمی وہاں بھیج دیا جو بی بی نرجس کو ایک تاجر سے خرید کر کے سامرا لے آیا جہاں امامؑ مقیم تھے تب آپ نے ان کے اس مبارک بچہ کے پیدا ہونے کی بشارت دی جو مہدی منتظر ہوں گے اور وہ اس دنیا پر قبضہ و اختیار حاصل کر کے اس کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

ہم نے اس حدیث کو مختصراً لکھ دیا ہے کیونکہ اس کو اسی طرح سے حرف بہ حرف نقل کرنے سے کوئی خاص فائدہ نہ تھا جس طرح یہ حدیث کی کتابوں میں وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو شیخ صدوق نے اکمال الدین میں، شیخ طوسی نے الثقیبۃ میں، علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں اور دوسرے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے، جہاں ان لوگوں نے فریہ و لاغر اور صدف و خرف کو برابر رکھ دیا ہے۔ نیز اس حدیث کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جو قصہ گو یوں کے گھڑے ہوئے ہیں، کیونکہ اس کے راوی وہ غیر معروف افراد ہیں کہ جن کا علم رجال کی کتابوں میں ذکر تک نہیں ہے۔

بہر حال معتبر راویوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بی بی نرجس کو امام ابو محمد حسن عسکریؑ کے لیے اس جگہ سے خریدا گیا تھا جہاں جنگی قیدی فروخت کیے جاتے تھے۔ وہ نیک اور پارسا خواتین میں سے تھیں اور ان کا وہ حمل کہ جس سے امام المنتظرؑ پیدا ہوئے تھے، بعض ایسی عورتوں سے بھی پوشیدہ رہا جو ان سے اکثر ملتی رہتی تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی یہ تھی کہ وہ ایک ایسے پاکیزہ اور معزز ہستی کی ماں بنیں کہ جس کی حیات سے قوموں کے ذہن و دماغ حیران رہ جائیں اور پھر ان پر صرف وہی لوگ ایمان



لائیں جو ان کے جدا مجد محمد رسول اللہؐ اور ان کے آباء یعنی ائمہ ہدیٰؑ پر ایمان رکھتے ہوں۔ پس وہ پردہ غیبت سے اس روز باہر تشریف لائیں گے جب اللہ تعالیٰ ان کو اس کی اجازت دے گا۔ تب وہ دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

محدثوں، ادیبوں اور شاعروں نے  
مہدی کا لفظ ہر اس فرد کے لیے

مذاہب عالم میں مہدیؑ کا تصور

استعمال کیا ہے جو ہدایت اور اصلاح کا فرض ادا کرتا ہو اور حق، نیکی اور صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہو۔ اسی طرح نبی اکرمؐ نے بھی اس لفظ کو انہی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے بعض مواقع پر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اگرچہ تم ایسا نہیں کرو گے تاہم اگر تم علیؑ کو اپنا حاکم قرار دو گے تو تم ان کو ایسا ہادی اور مہدی پاؤ گے جو تم کو صراط مستقیم پر لے جائے گا۔

اسی طرح امام جعفر صادقؑ نے بھی بارہ اماموں کی شان میں یہی لفظ استعمال فرمایا، جیسا کہ ابوبصیر سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہم میں بارہ مہدی ہوں گے جن میں سے چھ تو ہو چکے اور چھ ابھی باقی ہیں اور اس چھٹے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کو پورا کرے گا۔ مزید یہ کہ امام جعفر صادقؑ کے علاوہ دیگر ائمہؑ نے بھی اس امر کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ ایک بار جب امام صادقؑ سے پوچھا گیا کہ: کیا آپ ہی اہلبیتؑ کے مہدی ہیں؟ تب آپؑ نے فرمایا: ہم سب کے سب مہدی ہیں اور ہم حق اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔

بہت سے شعراء نے اموی اور عباسی حکمرانوں کے لیے خوشامد اور چالپوسی سے مہدی کا لفظ استعمال کیا تا کہ ان سے اچھے عطیے اور انعام حاصل کریں۔ اسی طرح بعض تابعین نے عمر بن عبدالعزیز کو مہدی کہا اور ان کو ائمہ ہدایت میں شمار کیا ہے کیونکہ وہ اپنی سیرت اور طرز عمل میں راستی اور عدل پر کاربند رہے جبکہ ان سے پہلے کے حکمران ہر قسم کے ظلم و جور کا ارتکاب کرتے اور دین و اخلاق کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امیر المومنین امام علیؑ نے مہدی کا لفظ صرف ائمہ اہلبیت کے لیے مخصوص کر دیا اور



فرمایا: ہم اہلبیتؑ کو علم اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوا ہے۔ ہم نے اس میں پوشیدہ نکات بھی اللہ ہی سے حاصل کیے ہیں اور ہم نے وہ سچی باتیں سنی ہیں جو یقین سے بھری ہوتی ہیں۔ پس اگر تم لوگ ہمارے طور طریقے کی پیروی کرو گے تو ہم سے ہدایت حاصل کر لو گے اور اور ہم سے سیکھی ہوئی دانش سے راہ راست اختیار کر سکو گے کیونکہ ہم نے حق اور ہدایت کا علم اٹھا رکھا ہے اور جو کوئی بھی اس کے ساتھ چلے گا منزل مقصود تک پہنچ جائے گا اور جو اس سے دور رہے گا وہ ضرور ڈوب جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی اکثراً موقعوں پر ائمہ کرام اور ان افراد کے لیے جو حق، نیکی اور صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے والے ہوں یہ لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ وہ مفہوم کہ جس میں یہ لفظ امام محمد بن حسن کا ایک ایسا اسم معرفہ قرار پا گیا ہے کہ اسے استعمال سے خاص کر شیعوں میں امام زمانہ کے سوا کسی اور کا تصور آ ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہدی سے صرف ایک ایسا فرد مراد نہیں ہے جو ہدایت کا فرض ادا کرتا ہو اور اللہ، دین حق اور صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہو، بلکہ ان صفات کے علاوہ اس سے یہ مراد بھی ہوتی ہے کہ آپ ظلم و جور کرنے والوں کے خلاف اقدام کریں گے اور دنیائے انسانیت کو ظالموں کی بالادستی، جور اور سختی سے اور اس طرح کی ان تمام مشکلات سے نجات دلائیں گے جن سے نوع بشر ہزار ہا سال سے دوچار رہی اور ماضی سے زیادہ مستقبل میں دوچار ہونے والی ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ امام مہدیؑ کو اجازت دے گا اور آپ ظہور فرما کر اس دنیا کو عدل، انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح اس سے پہلے وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ لفظ ”مہدی“ جو رسول اکرمؐ اور ائمہ کرامؑ کے ارشادات کی بنا پر شیعوں کے نزدیک ان کے بارہویں امام کا ”اسم معرفہ“ بن گیا ہے، یہ صرف شیعہ اعتقادات ہی تک محدود نہیں ہے جیسا کہ بعض عرب مصنفین نیز مستشرقین نے بھی یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس دنیا کو مشکلات سے نجات دلانے والے ایک فرد کے آنے کا اعتقاد قدیم مذاہب میں بلکہ بعض ایسی قوموں میں بھی موجود رہا ہے جن کے مذاہب کو آسمانی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل بھی انسانیت کو آزادی اور نجات دلانے والے ایک ایسے فرد کے ظہور کی



بشارت دیتے رہے، جس کو اللہ تعالیٰ اس لیے بھیجے گا کہ وہ دنیاۓ بشریت کو پیش آنیوالی مشکلات سے نجات دلا دے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ پر ایمان لانے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں اور وہ سچا مسیح جو لوگوں کو نجات دلانے والا ہے، کسی اور وقت یا آخر زمانہ میں ظہور کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر افراد اس شخص کے ظہور کا انتظار کیا کرتے تھے۔ اسی طرح بہت سے عیسائی بھی حضرت عیسیٰؑ کی واپسی کا انتظار کرتے ہیں تاکہ وہ دنیا کو بے انصافی اور خونریزی سے نجات دلائیں۔

ڈاکٹر احمد محمود صبحی اپنی کتاب ”نظریہ الامامتہ عند الشیعہ الاثنی عشریہ“ میں کہتے ہیں کہ حبشہ کے مسیحی لوگ مدت سے یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کا ایک بادشاہ ”تھیوڈور“ آخر زمانہ میں مہدی کی حیثیت سے واپس آئے گا۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسائیت کے علاوہ دوسرے مذاہبوں میں بھی مہدی کے آنے کا تصور اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے جو مسلمانوں میں مہدیؑ کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مغلوں کا عقیدہ تھا کہ تیمور لنگ یا چنگیز خاں نے اپنی موت سے پہلے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی قوم کو چین کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے ایک بار پھر یہاں واپس آئیں گے۔

ایرانی دیومالا کے مطابق مجوسی بھی زردشت کی اولاد میں سے اشیر بابی کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اسی طرح قدیم مصری مذاہب میں چینوں کی کتابوں میں اور قدیم ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ میں بھی وہی آثار پائے جاتے ہیں جو پارسیوں کے نظریات میں پائے جاتے ہیں۔ نیز ایسی ہی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو مختلف مذاہب کے عقائد سے متعلق عرب اور مستشرقین اہل علم کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ البتہ جن لوگوں نے شیعوں میں عقیدہ مہدیؑ کی ابتدا کے ضمن میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ شیعوں نے یہ عقیدہ انہی قدیم قوموں سے لیا ہے جو اس خوش فہمی میں رہا کرتی تھیں کہ ایک ایسا شخص ضرور آئے گا جو ان کو جابر اور قاهر حکام کے ظلم و جور سے نجات دلا دیگا۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں: چونکہ شیعہ بھی اپنی تاریخ کی شروعات سے ایسے ہی حالات سے گزرتے رہے ہیں کہ جنہوں نے ان کو انہی پہلی قوموں کی طرح اس سوچ پر پائل



کر دیا تھا جو کبھی نہ کبھی آنے والے کسی ایسے شخص کا انتظار کیا کرتی تھیں جو ان کو حکمرانوں کے ظلم و جور سے نجات دلائے گا۔ چنانچہ شیعہ بھی اسی قسم کی بہت سی غلط فہمیاں پھیلاتے اور غلط بیابیاں کرتے رہے ہیں۔

اگر ہم یہ بات مان بھی لیں کہ اسلام سے پہلے کے آسمانی مذہبوں نے ایک ایسے شخص کے آنے کی بشارت دی تھی جو انسانیت کو درپیش مصائب سے نجات دلائے گا جیسا کہ بنی اسرائیل اور یہودیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے تو پھر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ انبیاءؑ نے آخری زمانہ کے اسی نجات دہندہ کے آنے کی خبر دی ہو، جس کی آمد کا محمد رسول اللہؐ نے اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ انبیاء کرامؑ وحی آسمانی کی بنا پر آئندہ کے واقعات کی اطلاع دیتے تھے اور ہر نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی خبر دیتا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے توریت میں حضرت عیسیٰؑ کے آنے کی خبر دی تھی۔ البتہ یہودیوں نے اس کو بدل ڈالا اور کہنے لگے کہ یہ تو جھوٹے مسیح ہیں اور جو سچے مسیح ہیں وہ آخری زمانہ میں آئیں گے۔ پھر عیسائیوں نے بھی اسی طرح سے محمد رسول اللہؐ کا انکار کیا اور انجیل کے اس فقرے کو بدل دیا جس میں آنحضرتؐ کے آنے کی بشارت دی گئی تھی۔ چنانچہ وہ آپ کو جھٹلانے، انجیل کے الفاظ کو مسخ کرنے اور اس کے مفہوم میں تخریف کرنے کے تمام امکانی طریقوں سے کام لیکر اسلام کی مخالفت کرتے رہے۔

المختصر کہ اگر یہ بات صحیح بھی ہو کہ انسانیت کو درپیش مصائب سے نجات دلانے اور مشکلوں سے نکالنے والے ایک شخص کے ظاہر ہونے کا عقیدہ قدیم قوموں میں موجود تھا اور اسلام میں یہ وہیں سے آیا ہے تو بھی یہ چیز ان مہدی منتظر کے متعلق شیعہ عقیدہ کے خلاف نہیں ہے، جن کے بارے میں نبی اکرمؐ نے بشارت دی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو اجازت دیگا تو وہ ظہور فرمائیں گے۔

البتہ یہ خیال کہ شیعہوں میں مہدی کا عقیدہ اس وجہ سے در آیا ہے کہ ان کے معتقدات اور نظریات پر یہودیوں اور عیسائیوں کے خیالات کا غلبہ ہو گیا تھا جیسا کہ احمد امین نے اپنی کتاب صحنی الاسلام کی تیسری جلد میں لکھا ہے۔ تاہم ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی یہی کہتے ہیں جو تمام شیعہ عقائد کو مسخ کرنا چاہتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ



وہ مہدیؑ کے بارے میں ہوں یا ان کے دوسرے عقائد ہوں، لیکن شیعہ عقائد کو یہود عیسائی نظریات سے ماخوذ بتانا ایک ایسا بے بنیاد تصور ہے جو علم اور عقل کے سامنے ٹھیرنا ہی نہیں، کیونکہ اس کی بنیاد اس بغض کے علاوہ کچھ نہیں ہے جو قدیم ترین زمانوں سے اہلبیتؑ اور ان کے پیروکاروں کے خلاف ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا چلا آرہا ہے جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہو جائے گا جو شیعیت کی تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد کے حالات کا بے تعصبی اور خلوص سے مطالعہ کرے۔

بہر صورت جب مسلم معاشرے میں ظہور مہدیؑ کی احادیث ہر طرف پھیل گئیں اور یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ وہ اہلبیتؑ میں سے اور خاص کر فاطمہؑ بنت محمدؐ عربیؑ کی اولاد میں سے ہوں گے تو امویوں نے خالد بن یزید بن معاویہ کے نام سے ایک سفیانی کی آمد کے بارے میں یہ حدیث تیار کر دئی کہ آخر زمانہ میں وہ سفیانی ظہور کرے گا جو تمام ملکوں اور انسانوں پر حکمرانی کرے گا۔ انہوں نے اس سے مراد یہ لیا کہ حکومت ان کے ہاتھ سے نکل کر مروان اور اس کے بیٹوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی جیسا کہ 'النجوم الزاہرہ فی اخبار مصر و قاہرہ' میں آیا ہے۔ چنانچہ بنی عباس کو یہ برا معلوم ہوا کہ امویوں میں سفیانی اور علویوں میں مہدیؑ ہو گا جو آخری زمانہ میں ظہور کرے گا جبکہ ان دونوں کا نشانہ بننے کو عباسی ہی رہ جائیں گے۔ چنانچہ جب امویوں کا عروج ختم ہو گیا تو عباسیوں کو یہ خیال ستانے لگا کہ کیوں ان کے یہاں کوئی مہدیؑ نہ ہو۔ پس ان کے خیر خواہوں نے بھی ایسی حدیثیں وضع کر لیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آنے والا مہدیؑ عباسیوں میں سے ہو گا اور وہ انسانی کو امویوں کے مظالم سے نجات دلائے گا۔

چنانچہ طبرانی میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ایک دن رسول اللہؐ مہاجرین و انصار کے کچھ افراد کے درمیان جلوہ افروز تھے جبکہ عباس بن عبدالمطلبؓ آپ کے دائیں ہاتھ اور علی بن ابی طالبؓ بائیں ہاتھ کو بیٹھے تھے۔ تب عباس اور انصار کے کچھ لوگ جھگڑنے لگے اور انصار نے عباس کے ساتھ سخت کلامی بھی کی تھی۔ اس پر نبی اکرمؐ نے ایک ہاتھ سے عباس کو پکڑا اور ایک ہاتھ سے علیؑ کو پکڑا اور فرمایا: اسکی نسل میں ایسا آدمی ہونے والا ہے جو دنیا کو ظلم و جور سے بھر دے گا اور اس کی نسل میں وہ آدمی ہونے والا ہے جو اس دنیا کو



عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ پس جب تم پر وہ وقت آئے تو تم کو اس تیمی جوان کا ساتھ دینا چاہیے جو مشرق کی طرف سے بڑھے گا اور ہدایت کا علم لیے ہوئے ہوگا۔ بعد میں جب عباسیوں کو امویوں پر فتح حاصل ہوگئی تو وہ کہنے لگے کہ مہدیؑ ہم میں سے ہونے والے ہیں کیونکہ وہ لوگ جو علم لیے ہوئے ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں مشرق سے آئے وہ ہمارے ہی ساتھی تھے۔

حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم اہلبیتؑ میں چار افراد یعنی سفاح، منذر، منصور اور مہدی ہوں گے۔ مجاہد نے کہا: چاروں کے متعلق کچھ بیان کیجیے! انہوں نے کہا: سفاح وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کو قتل کرے گا اور دشمنوں سے درگزر کرے گا۔ منذر بہت دولت تقسیم کرے گا، اپنے لیے بہت کم دولت رکھے گا پھر بھی خود کو بڑا محسوس نہیں کرے گا۔ منصور کو اپنے دشمنوں پر ایک مہینہ میں فتح حاصل ہوگی، جس طرح رسول اللہؐ کو حاصل ہوا کرتی تھی۔ رہا مہدی تو وہ وہی ہے جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا جبکہ وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی۔ اس وقت جنگی جانور اور درندے امن محسوس کریں گے اور زمین اپنی تنہوں کے خزانے اگل دے گی۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا: زمین کی تنہوں میں خزانے کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ”وہ گویا سونے اور چاندی کے ستون ہوں گے“ چنانچہ اسی وجہ سے منصور عباسی نے اپنے بیٹے محمد کو مہدی کا لقب دیدیا تھا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ مہدی منتظر ہی ہے کہ جس کی بشارت نبی اکرمؐ نے دی تھی۔ پھر جب خلیفہ کے طور پر اس کی بیعت کی گئی تو زلہ خوار خطیبوں نے اس کی تعریف میں تقریریں کیں اور ابن الوقت شاعروں نے بھی اس کی خوب خوب مدح سرائی کی۔ مثلاً مطیع ابن ایاس نے اٹھ کر کہا کہ ہم سے فلاں تے، اس سے فلاں تے اور اس سے نبی اکرمؐ نے فرمایا: ”مہدی ہم میں سے ہوگا اور وہ محمد ہے جو ابن عبد اللہ ہے، البتہ اس کی ماں ہم میں سے نہیں ہوگی۔ وہ دنیا کو عدل سے اسی طرح بھر دے گا جیسے وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی۔“ پھر وہ بنی عباس میں سے ایک شخص کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا: خدا تمہاری زبان کو یاری دے، کیا تم نے یہ حدیث سن رکھی ہے؟ تب اس بے چارے نے منصور کے خوف اور ہیبت کی وجہ سے



کہدیا: ہاں! میں نے سنی ہے۔

بلخی نے اپنی کتاب 'البدع والتاریخ' میں رسول اللہؐ کی یہ حدیث ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "یہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک میری امت میں میرے اہلبیتؑ میں سے ایک ایسا شخص نہ آجائے کہ جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔" اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس کی تاویل کر لی اور کہا: یہ وہی مہدی بن ابی جعفر منصور ہے کہ جس کا نام محمد ہے۔

بشرط صحت یہ روایات اس امر کی صراحت کرتی ہیں کہ وہ مہدی آنحضرتؐ کے اہل بیتؑ میں سے ہونگے جبکہ یہ کسی نے بھی نہیں کہا ہے کہ عباسی خلفاء آنحضرتؐ کے اہل بیتؑ میں سے ہیں۔ سوائے اس صورت کے جو کسی دلیل سے صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ طبرانی کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے یہ فرمایا کہ "اس کی نسل میں وہ شخص ہوگا جو زمین کو ظلم سے بھر دے گا تو بلا شک و شبہ اس میں آپ کا اشارہ عباس کی طرف تھا اور اسی طرح دوسرے جملہ میں آپ کا اشارہ علیؑ کی جانب تھا۔ لیکن راوی نے اس کو ان لوگوں کے سامنے صرف خوف کی وجہ سے یا خوشامد اور صلہ و انعام کے لالچ میں اس طریقہ سے بیان کیا تھا۔

بارھویں امامؑ کے بارے میں اسلامی روایات | ہم ائمہ اثنا عشری کی سیرت کے بیان کی

ابتدار کرتے وقت نبی اکرمؐ کی ان احادیث کا ذکر کر چکے ہیں جو سنی اور شیعہ سلسلوں سے وارد ہوئی ہیں۔ ان روایات کے مطابق ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہی بارہ امامؑ آنحضرتؐ کے جانشین ہیں اور انہی کے وجود سے یہ دین قائم ہے۔ ان میں سے بعض احادیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ ان کی تعداد بنی اسرائیل کے نقیبوں کے برابر ہوگی۔ نیز یہ کہ ان میں سے آخری امام اس دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ ہم اس ضمن میں سنیوں کی اس روش کو بھی بیان کر چکے ہیں کہ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ اب نبی اکرمؐ کی ان احادیث پر یقین کرنے کے علاوہ کوئی اور راستا نہیں ہے کیونکہ ان حدیثوں کو انہی کے



نیکو کاروں اور معتد محدثین نے روایت کیا ہے تو وہ ان احادیث کی تاویل کرنے میں لگ گئے۔

چنانچہ خاص مہدی کی ذات اور شخصیت سے متعلق بہت سی احادیث سنی محدثین کی ایک جماعت نے اپنی صحاح میں روایت کی ہیں۔ جیسے ترمذی، ابو داؤد، حاکم اور ابن ماجہ وغیرہ کہ جنہوں نے ان احادیث کی سند علی مرتضیٰؑ، ابن عباس، ابو عمر، طلحہ، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری، بی بی ام سلمہ ایسے بلند مرتبہ اصحاب تک پہنچائی اور ان کے علاوہ ان لوگوں تک بھی کہ جنہوں نے مختلف موقعوں پر رسول اللہؐ کو مہدی اہلبیتؑ کی حدیث بار بار بیان کرتے ہوئے سنا تھا۔

جیسا کہ صحیح ترمذی میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: خواہ دنیا کی زندگی کا صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو طول دیکر میرے اہلبیتؑ میں سے اس شخص کو مامور کرے گا کہ جس کا نام میرے ہی نام پر ہوگا۔ ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک عرب میں میرے اہلبیتؑ سے ایک ایسا شخص ظاہر نہ ہوگا جو میرا ہی ہم نام ہوگا۔

سنن ابو داؤد میں آیا ہے کہ خواہ زمانہ کا صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ میرے اہلبیتؑ میں سے ایک شخص کو مامور کرے گا جو اس کو عدل سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکا ہوگا۔ بعض احادیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے امام حسینؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ”میرا یہ بیٹا خود بھی سردار ہے اور اس کی نسل میں ہی وہ شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا جو سیرت میں تو اس کے مثل ہوگا لیکن صورت میں وہ اس کے مثل نہ ہوگا اور وہ اس دنیا کو عدل سے بھر دے گا۔“ مستد احمد بن حنبل میں آنحضرتؐ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”نہ دن انتہا کو پہنچیں گے اور نہ یہ زمانہ ختم ہوگا حتیٰ کہ عرب میں میرے اہلبیتؑ میں سے وہ شخص حاکم ہوگا جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔“

ڈاکٹر احمد صبحی اپنی کتاب ”نظریہ امامت“ میں لکھتے ہیں کہ گو انتظار مہدی کا عقیدہ اہلسنت کے اصول مذہب میں اسی طرح شامل نہیں جس طرح وہ شیعوں کے عقائد



میں شامل ہے۔ پھر بھی انتظار مہدیؑ کا تصور اہلسنت کے ایک بڑے طبقہ میں ظاہر و باہر نظر آتا ہے۔ جیسا کہ ان کے بعض علماء مثلاً حافظ محمد بن یوسف کنجی شافعی نے اپنی کتاب 'البيان في اخبار صاحب الزمان' میں، علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب 'العرف الوردی فی اخبار المہدیؑ' میں، علامہ حجر عسقلانی نے اپنی کتاب 'العقول المختصر علی علامات المہدی المنتظر' میں اور یوسف بن یحییٰ دمشقی نے 'عقد الدرر فی اخبار الامام المنتظر' میں اس کو بیان کیا ہے۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ علماء اہلسنت کے دوسرے طبقے بھی مہدیؑ کے متعلق اس عقیدہ میں برابر کے شریک ہیں، حالانکہ وہ اپنے قدیم بزرگوں کی تقلید کرتے ہوئے شیعوں سے دشمنی بھی رکھتے ہیں اور ان کے بیشتر عقائد کی صحت کا انکار کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ابن تیمیہ بھی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں جو ابن عمرؓ نے نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ "آخری زمانہ میں میری نسل سے وہ شخص ظاہر ہوئیگا جس کا نام میرا نام اور جس کی کنیت میری کنیت ہوگی" وہ زمین کو عدل سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی اور وہی مہدیؑ ہوگا۔

آنحضرتؐ کی ایک دوسری حدیث ہے کہ مہدیؑ میری عترت اور فاطمہؑ کی اولاد میں سے ہوگا۔ اسی طرح وہ (ابن تیمیہ) مہدیؑ کے متعلق احمد، ترمذی اور ابوداؤد کی روایتوں کو صحیح مانتے ہیں جبکہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد کنجی شافعی نے اپنی کتاب 'البيان في اخبار صاحب الزمان' میں مہدیؑ کے نسب، ان کی غیبت اور ان کے ظہور کے متعلق صحابہ کرام سے نبی اکرمؐ کی دسیوں حدیثیں روایت کی ہیں۔ جیسا کہ شیخ طوسی کی کتاب 'الغیبت' میں کنجی کی البیان کے مشمولہ عنوانات سے ظاہر ہوتا ہے۔

جیسا کہ مہدیؑ کے بارے میں سہل بن سلیمان نے ابو ہارون عبدی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں ابو سعید خدریؓ کی خدمت میں گیا اور کہا کہ کیا آپ بدر میں شریک ہوئے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: کیا آپ ہم کو ایک ایسی حدیث سنائیں گے جو رسول اللہؐ نے علیؑ اور ان کے فضائل میں بیان فرمائی ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں تو میں تم کو بتاتا ہوں کہ جب رسول اللہؐ کو آخری مرض لاحق تھا تو جناب فاطمہؑ ان



عبادت کے لیے تشریف لائیں جبکہ میں رسول اللہؐ کی داہنی جانب بیٹھا ہوا تھا۔ جب ان نبیؐ نے آنحضرتؐ کا ضعف ملاحظہ فرمایا تو وہ یوں رونے لگیں کہ جس سے ان کی آواز کٹنے لگی اور ان کے چہرے پر آنسو نمودار ہو گئے۔ تب رسول اللہؐ نے ان نبیؐ سے فرمایا: اے فاطمہؑ! تم کیوں روتی ہو؟ کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا پر پہلی بار نظر ڈالی تو اس میں سے تمہارے باپ کو منتخب کیا اور اس کو اپنا نبی بنا کر بھیجا۔ پھر دوبارہ نظر ڈالی تو تمہارے شوہر علیؑ کو منتخب کیا، پھر مجھ کو حکم دیا اور میں نے اس سے تمہاری تزویج کر دی اور ان کو اپنا وصی قرار دیا۔ کیا تم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ یہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ تمہارا شوہر سب سے زیادہ صاحب علم، سب سے زیادہ حلیم اور سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوا ہے۔ اس بات پر فاطمہؑ مسکرا دیں اور خوش ہو گئیں۔ اب رسول اللہؐ نے چاہا کہ ان کو کچھ اور باتیں بھی بتلائیں جو اللہ تعالیٰ نے محمدؐ اور آل محمدؑ کو عطا کی ہیں۔ پس آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: اے فاطمہؑ! ہم الہدیتؑ کو چھ خصلتیں ایسی دی گئی ہیں جو خدا نے نہ گزرے ہوئے لوگوں میں سے کسی کو دیں اور نہ ہم الہدیتؑ کے بعد آنے والوں میں سے کسی کو ملیں گی۔ ہم میں وہ نبی آیا جو سب نبیوں میں افضل ہے اور وہ تمہارا باپ ہے۔ ہمارا وصی سب اوصیاء میں افضل ہے اور وہ تمہارا شوہر ہے۔ ہمارا شہید سب شہیدوں میں افضل ہے اور وہ تمہارے باپ کے چچا حمزہ ہیں۔ اس امت میں ہمیں میں سے دو نواسے ہوئے ہیں اور وہ تمہارے دونوں بیٹے ہیں اور اس امت کا وہ مہدیؑ ہم میں سے ہے کہ جس کے پیچھے عیسیٰؑ نماز ادا کریں گے، پھر آنحضرتؐ نے حسینؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: اسی کی نسل میں سے اس امت کا وہ مہدیؑ آئے گا۔“

حذیفہ یمان کی سند سے نبی اکرمؐ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: مہدیؑ میری اولاد میں سے ہوگا۔ اس کا چہرہ سرخ اور چاند کی مانند ہوگا۔ وہ زمین کو عدل سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی اور اس کی حکومت میں اہل آسمان و زمین سب مطمئن ہوں گے۔ اسی طرح سفیان بن عیینہ نے علی بن ہلال سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں رسول اللہؐ کے اس مرض کے زمانہ میں آپ سے ملنے گیا کہ جس میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت فاطمہؑ آپ کے سرہانے تشریف فرما تھیں۔



وہ اس قدر روئیں کہ ان کی آواز بلند ہو گئی۔ اس کے بعد راوی نے ان بشارتوں کو بیان کیا ہے جو آنحضرتؐ نے ان بی بی کو دیں۔ انہی میں آنحضرتؐ نے ان بی بی سے یہ بھی فرمایا کہ ہم میں سے اس امت کا مہدیؑ ہوگا جبکہ دنیا میں فساد برپا ہوگا اور فتنے ابھرے ہوئے ہوں گے، راستوں میں لوٹ مار ہوتی ہوگی اور لوگ ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہوں گے۔ بڑا چھوٹے پر شفقت نہ کرتا ہوگا اور چھوٹا بڑے کی عزت نہ کرتا ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ہم میں سے ایک شخص کو ظاہر فرمائے گا، جو گمراہی کے قلعوں اور غلاف چڑھے ہوئے دلوں کو کھول دیگا اور آخری زمانے میں دین کو قائم کر دے گا، جبکہ اس سے پہلے وہ مشکلوں سے دوچار رہا ہوگا۔ وہ زمین کو عدل سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی۔ اسی طرح ابو سعید خدری کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہؐ نے اس مصیبت کا ذکر فرمایا کہ جو امت پر آنے والی ہے جبکہ کسی آدمی کو ظلم سے بچنے کے لیے کوئی جا پناہ نہ ملتی ہوگی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ میری عزت میں سے اس شخص کو ظاہر کریگا جو زمین کو عدل سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ ظلم سے بھر چکی ہوگی۔ یہاں تک کہ آسمان اور زمین کے رہنے والے اس کی حکومت میں مطمئن ہوں گے۔ وہ ایسا وقت ہوگا کہ آسمان کی سمت میں کوئی ایسی جگہ نہ رہے گی کہ جس سے بارش نہ برس جائے اور زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ رہے گی کہ جس سے پیداوار نہ ہوتی ہو، یہاں تک کہ مردہ افراد بھی زندگی کی خواہش کرنے لگیں گے۔

حافظ کنجی شافعی کی کتاب البیان میں بھی اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ بعض روایات کے مطابق امام مہدیؑ کے عہد میں دولت کی اس حد تک فراوانی ہوگی کہ نہ تو لوگ اس میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے اور نہ کوئی شخص اس کی خواہش کریگا۔ حذیفہ یمان سے ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: خواہ دنیا کی تہیات کا صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس شخص کو ظاہر کرے گا کہ جس کا نام میرا نام اور جس کی سیرت میری ہی سیرت ہوگی۔ لوگ خانہ کعبہ میں رکن و مقام کے درمیان اس کی بیعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے دین کو پھر سے زندہ کرے گا حتیٰ کہ صفحہ ارض پر ہر شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہوگا۔ اس وقت سلمان فارسی اٹھے



اور آنحضرتؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! وہ مہدیؑ آپ کے کس بیٹے کی اولاد سے ہوں گے؟ تب آنحضرتؐ نے امام حسینؑ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: وہ مہدیؑ میرے اس بیٹے کی نسل سے ہوں گے۔

سعید بن جبیر کی سند سے ابن عباس نے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: علی بن ابی طالبؑ میری امت کا امام اور میرے بعد اس میں میرا جانشین ہے۔ وہ امام المنتظرؑ بھی اسی کی اولاد میں سے ہوگا جس کے ذریعہ سے خدا زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیگا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ قسم اس ذات کی کہ جس نے مجھ کو بشیر و نذیر بنا کر حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، جو لوگ اس امام المنتظرؑ کی غیبت کے زمانے میں اس کے ظہور کے عقیدہ پر قائم رہیں گے وہ خالص سونے سے بھی زیادہ قابل وقعت ہوں گے۔ اس پر جابر بن عبد اللہ انصاری نے آنحضرتؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہؐ کیا آپ کی اولاد میں سے آنے والے قائم کے لیے غیبت پر ایمان لانے والوں کے گناہوں کو بخش دیگا اور انکار کرنے والوں کو برباد کر دیگا۔ سنو اے جابر! غیبت اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے کہ جو اس کے بندوں سے پوشیدہ ہے۔ تم اس میں شک کرنے سے بچے رہنا کیونکہ خدا کے کاموں میں شک کرنا کفر ہے۔

اسی طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جو البیان کے مؤلف اور دوسرے شیعہ و سنی علماء نے اہلبیتؑ میں سے آنے والے مہدیؑ یعنی بارہویں امامؑ کے بارے میں اپنی کتابوں میں معتمد صحابہ کی اسناد کے ساتھ نبی اکرمؐ سے روایت کیں اور ان کے بعد آنے والے لوگوں نے ان روایات کو اگلی نسلوں تک پہنچایا اور پھر سنی اور شیعہ محدثین نے ان کو احادیث کی اپنی اپنی صحاح اور سنن و مسانید میں شامل کر لیا۔

چنانچہ وہ روایات جو ان قدیم سنی علماء میں جانی پہچانی جاتی تھیں، جنہوں نے صحابہ کرام سے روایات لیں اور ابتدائی دور میں حدیثیں جمع کی تھیں ان کی بنا پر سنی علماء اور محدثین کے تمام طبقات اور گروہوں میں اہلبیتؑ میں سے آنے والے ایک ایسے مہدیؑ کا تصور دور دور تک پھیلا ہوا تھا جو دنیا سے بشریت کو ظلم و جور سے نجات دلائے گا اور یہ نظریہ ان کے کثیر التعداد علماء اور محدثین میں ایک اسلامی عقیدہ کے طور پر



تسلیم کیا جاتا تھا۔ تاہم شیعوں کے ساتھ اپنی سلف سے خلف تک قائم رہنے والی عداوت اور ان سے مذہبی اختلاف کے باعث ان لوگوں نے ان احادیث میں بھی ایسی تبدیلیاں کر لیں جو ان کے اعتقادات اور خواہشات کے مطابق ہوں جس طرح انہوں نے بعض دوسری حدیثوں میں بھی اپنی ضرورت کے تحت تبدیلیاں کی ہوئی ہیں۔

جس طرح نبی اکرمؐ نے امام محمد مہدی المنتظرؑ کے بارے میں دسیوں موقعوں پر صراحت فرمائی تھی اسی طرح ائمہ کرامؑ بھی آپؑ کی ذات، اوصاف اور ظہور کے متعلق یکے بعد دیگرے مسلسل تصریحات فرماتے رہے۔ چنانچہ آپؑ کے والد بزرگوار امام حسن عسکریؑ نے اپنی حیات کے آخری مہینوں میں بارہا اپنے معتمد اصحاب اور خاص افراد کی موجودگی میں آپؑ کی امامت کی صراحت فرمائی اور آپؑ کو ان لوگوں کے سامنے لا کر ان کو دکھلا بھی دیا۔ حالانکہ وہ اہل حکومت کے خوف سے آپؑ کو خاص شیعوں تک سے بھی پوشیدہ رکھتے تھے۔ اس لیے عوام میں یہی مشہور تھا کہ امام حسنؑ بن علیؑ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ البتہ آپؑ کا چچا جعفر بن امام علی نقیؑ ان لوگوں میں سے تھا جن کو امام مہدیؑ کی ولادت اور ان کے وجود کا علم تھا لیکن وہ اس عام افواہ سے خوش تھا اور اس کو پھیلانے میں مدد دیتا رہتا تھا تاکہ اس سے امام حسن عسکریؑ کے بارے میں ان شیعوں میں بددلی پیدا ہو جائے جو ان کی امامت کے قائل تھے اور ان کو اپنے مال و متاع کا خمس پہنچا کرتے تھے۔ دراصل اس نے اپنے بھائی امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے دن ہی سے اپنے آپ کو اس کام کے لیے تیار کر لیا تھا، جبکہ امام کو ابھی غسل و کفن ہی دیا جا رہا تھا۔ وہ ان کے دروازہ پر بیٹھ کر ان کی شہادت پر عوام سے پرسا لے رہا تھا اور ساتھ کے ساتھ اہل حکومت اور ان کے اہلکاروں سے اپنی امامت کی مبارکباد بھی قبول کرتا جا رہا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ اس کو اسی لیے تیار کر رہے تھے کہ وہ اپنی امامت کا نعرہ لگا کر شیعوں میں تفریق پیدا کر دے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر ڈالے لیکن جب ان لوگوں نے اس کو امام حسن عسکریؑ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھایا اور امام مہدیؑ نے آگے نکل کر اس کی چادر کا پلو پکڑ کر فرمایا: چچا جان! آپ پیچھے ہٹ جائیے! میں اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا آپ سے زیادہ حقدار ہوں وہاں موجود لوگ اس اچانک رونما ہونیوالے واقعہ سے ششدر رہ گئے۔ جعفر مصلے پر سے ہٹ



گیا لیکن اس کا چہرہ متغیر ہو گیا اور اس پر مایوسی اور ناکامی کی زردی چھا گئی۔ تاہم ایک ایسے وقت میں جبکہ لوگوں کی نظریں آپ کے بدکردار چچا پر لگی ہوئی تھیں جو اپنی شراب خوری اور بدکرداری میں مشہور تھا۔ آپ جو حقیقی اور شرعی امام تھے، آپ کے لیے ایسا دانشمندانہ اقدام کرنا اشد ضروری تھا تاکہ خود جعفر اور اس کے حامی اہل حکومت کی ان تمام تدبیروں کو ناکام بنا دیا جائے جو یہ لوگ شیعوں کے نظام امامت میں پراگندگی پیدا کرنے کے لیے کر رہے تھے۔ مزید یہ کہ اس بروقت اقدام سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ کے علاوہ اس کے بھائی امام حسن عسکریؑ کا کوئی اور وارث موجود نہیں ہے۔

راویوں نے امام مہدیؑ

کی امامت غیبت اور

## ائمہ کرام اور امام مہدیؑ کی امامت و غیبت

اور ان کے ظہور کے بارے میں ائمہ اہلبیتؑ سے دسیوں حدیثیں روایت کی ہیں جن کو محدثین نے اپنی مسانید میں شامل کیا ہے لیکن محض اس خیال سے کہ روایات کا طویل سلسلہ قارئین کو اکتا نہ دے۔ ہم ان گیارہ اماموں میں سے ہر ایک کی ایک ایک حدیث نمونہ پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

شیخ صدوق نے اكمال الدین میں اور دیگر معتمد شیعہ محدثین کے ایک گروہ نے اصیغ بن نباتہ کی سند سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں امیر المومنین امام علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ فکر مند بیٹھے تنکے سے زمین کرید رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا امیر المومنین! آپ کچھ فکر مند نظر آتے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ آپ زمین کرید رہے ہیں۔ کیا یہ زمین آپ کو پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ بخدا کہ مجھ کو اس سے کوئی رغبت نہیں ہے، نہ کسی دن اس دنیا سے رغبت ہوئی ہے بلکہ اس وقت میں اپنی اولاد میں پیدا ہونے والے اس بچے کے متعلق سوچ رہا تھا جو میرے بیٹوں میں سے گیارہ صواں ہوگا اور وہی مہدیؑ ہوگا جو زمین کو عدل سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اس پر ایک ایسی حیرت انگیز غیبت آنے والی ہے کہ جس سے کچھ لوگ گمراہ ہو جائیں گے اور کچھ ہدایت پا جائیں گے۔ میں نے کہا: یا امیر المومنین! واقعی ایسا ہونے والا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اے اصیغ! گویا وہ خلق ہو چکا ہے اور میں تم کو اس کی بابت بتا رہا ہوں کہ



وہ اس عترت کے صالح ترین افراد اور اس امت کے بہترین ائمہ میں سے ہے۔ میں نے کہا: مہدیؑ کے بعد کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو اللہ کی مرضی ہوگی۔

شیخ صدوق نے حسین بن خالد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام علیؑ سے انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ بن جعفرؑ سے انہوں نے اپنے والد امام جعفر بن محمدؑ سے انہوں نے اپنے والد امام محمد بن علیؑ سے انہوں نے اپنے والد امام حسینؑ سے اور انہوں نے اپنے والد امام علی بن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو نبی بنا کر مبعوث کیا اور ان کو تمام مخلوق میں سے منتخب قرار دیا، یہ ضرور ہوگا لیکن حیرت انگیز غیبت کے بعد ہوگا۔ مہدیؑ کے زمانہ میں اس کے بتائے ہوئے دین پر ان لوگوں کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہ رہے گا، جن کے دل خلوص سے اور ان کی روح یقین سے سرشار ہوگی۔ وہ وہی لوگ ہوں گے جن سے خدا ہماری محبت کا وعدہ لے چکا ہوگا اور ان کے دلوں میں ایمان کو داخل کر کے اپنی روح القدس سے ان کی مدد کی ہوگی۔

امام محمد باقرؑ کی سند سے روایت ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاری نے کہا کہ میں بی بی فاطمہ زہراؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے سامنے ایک تختی پڑھی تھی، جس پر رسول اللہؐ کے اوصیاء کرامؑ کے اسماء گرامی لکھے تھے۔ میں نے وہ نام گئے تو بارہ ہوتے اور ان میں آخری نام القائمؑ کا تھا، جبکہ ان میں سے تین محمدؑ اور چار علیؑ تھے کہ ان سب پر اللہ کی طرف سے صلوات اور سلام ہو۔

جب امام حسنؑ بن علی المرتضیٰؑ کی خدمت میں شیعوں کا ایک گروہ آیا اور انھوں نے آپ سے اس بات پر شکوہ بھی کیا تھا کہ آپ نے حکومت کیوں معاویہ بن ابی سفیان کے حوالے کر دی ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے ان سے فرمایا: ہم میں سے ہر ایک کو اپنے زمانہ کے سرکش حاکم کا دباؤ برداشت کرنا ہوگا سوائے القائمؑ یعنی محمد بن حسنؑ کے جن کے پیچھے حضرت عیسیٰؑ نماز پڑھیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی ولادت کو پوشیدہ رکھے گا اور ان کی شخصیت کو آنکھوں سے اوجھل کر دے گا تاکہ ان پر کسی سرکش حاکم کا دباؤ نہ پڑے۔ وہ میرے بھائی حسینؑ کی نویں پشت میں ہوں گے اور خدا ان کی غیبت میں ان کی عمر



کو طویل کر دیگا۔ پھر جب اپنی قدرت سے ان کو ظاہر فرمائے گا تو وہ چالیس سال کے کم عمر جوان کی مانند ہوں گے اور یقیناً خدا ہر شے پر قادر ہے۔

امام حسینؑ بن علی المرتضیٰؑ کی سند سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: میری نسل میں نویں پشت میں ہونیوالے بیٹے میں حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ کی کچھ خصوصیات ہوں گی اور ہم اہلبیتؑ میں سے قائم ہوگا۔ ہمدان کے ایک شخص کی سند سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا: میری نسل میں نویں پشت میں ہونے والا بیٹا اس امت کا قائم اور صاحب غیبت ہے اور وہ زندہ ہی ہوگا کہ اس کی میراث تقسیم ہو جائے گی۔ اگرچہ دنیا کی حیات کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو طویل کر دے گا، یہاں تک کہ وہ شخص ظاہر ہو جائے جو اس زمین کو عدل سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی

سعید بن جبیر کی سند سے روایت ہے کہ امام علیؑ بن حسینؑ نے فرمایا: قائم ہم میں سے ہونے والا ہے لیکن اس کی ولادت عوام سے اس طرح پوشیدہ رہے گی یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے لگیں گے کہ وہ پیدا نہیں ہوا ہے مگر اس کو جب ظاہر ہونا ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا اور وہ کسی کی بیعت نہیں کرے گا۔ آپؑ ہی سے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہمارے قائمؑ کی دو غیبتیں ہوں گی اور ان میں سے دوسری اتنی طویل ہوگی کہ وہ لوگ جو اس کا اقرار کرتے ہوں گے ان میں سے بیشتر روگرداں ہو جائیں گے۔ اس کی آمد کے عقیدے پر صرف وہی لوگ ثابت قدم رہیں گے جن کا یقین پختہ اور معرفت صحیح ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی ہمارے لیے مقرر کیا ہے اس میں ان کو کوئی کلام نہ ہوگا۔

عبداللہ بن عطار نے امام ابو جعفر محمد باقرؑ سے کہا: عراق میں آپ کے شیعہ کثرت میں ہیں اور آج اہلبیتؑ میں آپ کی مانند کوئی اور صاحب فضل و کمال فرد موجود نہیں ہے تو پھر آپ خروج کیوں نہیں فرماتے؟ اس پر امام محمد باقرؑ نے فرمایا: اے عبداللہ! شاید تمہارے کانوں میں میل بھر گیا ہے۔ بخدا کہ میں تمہارا وہ امام نہیں ہوں۔ اس نے کہا: ہمارا وہ امام کون ہوگا؟ آپؑ نے فرمایا: انتظار کرتے رہو اور ہم میں سے جسکی ولادت تم سے پوشیدہ رہے گی وہی تمہارا وہ امام ہوگا۔



محمد بن مسلم ثقفی کا بیان ہے کہ میں امام ابو جعفر محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہتا تھا کہ آپ سے قائم آل محمدؑ کے بارے میں کچھ پوچھوں لیکن آپ نے خود ہی ابتداء کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا: اے محمد بن مسلم! قائم آل محمدؑ میں پانچ نبیوں یعنی یونس بن متیؑ، یوسف بن یعقوبؑ، موسیٰ بن عمرانؑ، عیسیٰ بن مریمؑ اور محمد مصطفیٰؑ کی خصوصیات موجود ہونگی۔ پھر فرمایا کہ ان کے ظہور کی یہ چار علامات ہیں: شام سے سفیانی کا خروج، ایک یمانی کا خروج، ماہ رمضان میں آسمان کی طرف سے ایک چنگھاڑ کی آواز کا آنا اور کسی پکارنے والے کا القاء کو ان کا اور ان کے والد کا نام لیکر پکارنا۔ محمد بن مسلم ثقفی نے ایک اور روایت میں کہا ہے کہ میں نے امام ابو جعفر محمد باقرؑ کو یہ کہتے سنا: ہم میں سے آنے والے القائم کو نصرت الہی حاصل ہوگی اور وہ قوت و طاقت سے فتح حاصل کرے گا۔ اس کی تیز رفتاری کے باعث زمین اس کے لیے گویا سکر جائے گی۔ اس میں موجود تمام خزانے اس کے لیے ظاہر ہو جائیں گے اور اس کا اقتدار حکومت مشرق و مغرب تک پھیلا ہوا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ خواہ یہ امر مشرکوں کو برا ہی کیوں نہ لگے اور وہ عیسیٰ بن مریمؑ کو نازل کرے گا جو القائمؑ کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔“

راوی مزید کہتا ہے کہ تب میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! آپ لوگوں میں سے آنے والے القائمؑ کب ظہور کریں گے؟ آپ نے فرمایا: جب مرد عورتوں کی اور عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار کریں گی۔ عورتیں گھوڑوں پر سواری کیا کریں گی۔ مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی سیری حاصل کریں گی۔ جھوٹی گواہی قبول کی جائے گی اور سچی گواہی رد کی جائے گی۔ لوگ خوئیزی کو ایک معمولی بات خیال کریں گے، زنا کا ارتکاب کیا جائے گا، سود خوری عام ہوگی اور برے لوگوں سے ان کی زبان کی کاٹ کے باعث ڈرا جائے گا۔“

صفوان بن مہران سے روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: جو کوئی تمام ائمہ کا اقرار کرے اور امام مہدیؑ کا انکار کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے تمام انبیاءؑ کا اقرار کرے اور محمد رسول اللہؐ کا انکار کرے۔ اس پر آپ سے کہا گیا: اے فرزند رسولؐ!



آپ کی اولاد میں سے کون مہدیؑ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ”ہم میں سے ساتویں امام کے بعد پانچواں جس کی شخصیت تم لوگوں سے پوشیدہ رہے گی اور تمہارے لیے روا نہ ہوگا کہ اس کا نام لیکر اس کا تذکرہ کرو“ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ”جب یکے بعد دیگرے محمدؐ، علیؑ اور حسنؑ تین امام ہوں تو ان کے بعد چوتھے القائمؑ ہوں گے۔“

سید بن محمد حمیری نے ایک طویل روایت میں کہا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ اے فرزند رسولؐ! اکثر راویوں نے آپ کے آبار کرامؑ کی طرف سے غیبت کے صحیح ہونے کی روایت ہم سے بیان کی ہے۔ پس آپ مجھ کو بتائیے کہ یہ کس کے لیے واقع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: وہ غیبت میرے بعد چھٹی پشت میں ہونے والے بیٹے کے لیے ہوگی جو رسول اللہؐ کے بعد ان ائمہ ہدیٰؑ میں بارہواں امام ہوگا کہ جن میں پہلے امیر المومنین امام علیؑ ہیں اور آخری وہ قائم بالحقؑ بقیۃ اللہ فی الارض اور صاحب الزماںؑ ہیں۔ بخدا کہ اگر وہ غیبت میں اتنی مدت بھی رہ لیں جتنی مدت نوحؑ اپنی قوم میں رہے تھے پھر بھی وہ دنیا سے اٹھائے نہ جائیں گے جب تک کہ ظہور نہ کر لیں اور اس زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے نہ بھر دیں جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ نیز محمد بن عمیر نے ابوبصیر کی سند سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ”حسنؑ بن علیؑ کے بعد نو امام ہیں اور ان میں سے نویں القائمؑ ہوں گے۔“

شیخ صدوق اور دیگر محدثین نے علی بن جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: میرے بھائی امام موسیٰؑ ابن جعفرؑ نے فرمایا کہ جب میری اولاد میں سے چوتھی پشت میں ہونے والے بیٹے کی شہادت ہو جائے تو پھر تم لوگ اپنے دین کے بارے میں ہوشیار ہو جانا کیونکہ اس وقت کے امام کے لیے غیبت ضروری ہوگی، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی اس سے روگرداں ہو جائیں گے جو پہلے یہ کہتے رہے ہوں گے کہ یہ غیبت ایک ایسا امتحان ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش کی ہے۔ نیز یونس بن عبد الرحمن نے بھی روایت کی ہے کہ امام موسیٰؑ ابن جعفرؑ



نے فرمایا: ”انقائم“ وہ ہے جو اس زمین کو خدا کے دشمنوں سے پاک کر کے اسکو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ وہ میری اولاد میں سے آئندہ ہونے والے بیٹوں میں سے پانچواں ہوگا۔ وہ اپنی جان کو لاحق خطرے کے باعث ایک طویل غیبت میں رہے گا کہ جس کے دوران میں کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور اکثر ثابت قدم رہیں گے۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: ”شاباش“ ہے ہمارے ان شیعوں کو جو ہمارے انقائم کی غیبت میں ہم سے وابستہ رہیں گے۔ نیز ہماری محبت اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری پر ثابت قدم رہیں گے۔ ہاں تو وہ ہم میں سے ہیں اور ہم ان سے ہیں۔ وہ اس بات سے خوش ہیں کہ ہم ان کے امام ہیں اور ہم اس بات پر راضی ہیں کہ وہ ہمارے شیعہ ہیں۔ ان کے لیے شاباش پر شاباش ہے۔ بخدا کہ وہ قیامت کے روز ہمارے ساتھ اور ہمارے قرب میں ہوں گے۔“

حسین بن خالد سے روایت ہے کہ — امام علی رضاؑ نے فرمایا: ”جو گناہ سے اجتناب نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں اور جو (بوقت ضرورت) تقیہ نہیں کرتا اس کا ایمان نہیں۔ تم میں سب سے قابل عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرتا ہو۔“ آپؑ سے کہا گیا: اے فرزند رسولؐ! یہ طریقہ کب تک رہے گا؟ آپؑ نے فرمایا: ”وقت معلوم تک اور وہ ہے ہمارے انقائمؑ کے ظہور کا دن۔ پس جس نے ہمارے انقائمؑ کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ اس پر آپؑ سے کہا گیا: اے فرزند رسولؐ! آپ اہلبیتؑ میں سے انقائمؑ کون ہے؟ آپؑ نے فرمایا: وہ میری اولاد میں سے چوتھی پشت میں ہونے والا بیٹا ہے جو کینزان عالم کی سردار کا بیٹا ہوگا۔ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس زمین کو تمام بے انصافیوں سے پاک اور ظلم سے بری کر دے گا۔ وہ وہی ہے کہ جس کی ولادت میں لوگ شک کریں گے اور وہ وہی ہے جو اپنے ظہور سے پہلے غیبت میں رہے گا۔ جب وہ ظہور کرے گا تو زمین اس کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ جب وہ لوگوں کے درمیان انصاف کی ترازو قائم کریگا تو پھر کوئی کسی پر ظلم نہ کر پائے گا۔“

عبدالعظیم بن عبد اللہ بن علی بن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالبؑ سے



روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں اپنے آقا امام محمد تقیؑ الجوادؑ کی خدمت میں اس ارادہ سے حاضر ہوا کہ ان سے القائمؑ کے متعلق دریافت کروں گا کہ آیا مہدیؑ وہی ہیں یا اُن کے علاوہ کوئی اور ہے۔ تاہم انہوں نے خود ہی ابتدا کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اے ابوالقائمؑ ہم میں سے آنے والے مہدیؑ وہی القائمؑ ہی ہیں کہ جن کی غیبت کے زمانہ میں ان کا انتظار کرنا چاہیے اور جب وہ ظہور کریں تو ان کی اطاعت کرنی چاہیے۔ وہ میری اولاد میں سے تیسری پشت میں ہوں گے اور قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد مصطفیٰؐ کو نبوت عطا کی اور ہم کو امامت کے لیے منتخب کیا، اگر دنیا کی حیات کا صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس قدر طویل کر دے گا کہ وہ ظہور کریں اور اس زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دیں جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ خدا ان کے لیے حالات کو ایک ہی رات میں درست کر دے گا جس طرح اس نے موسیٰ کلیم اللہؑ کے لیے حالات درست کر دیے تھے۔ چنانچہ وہ آگ لینے گئے تھے اور جب واپس ہوئے تو اللہ کے رسول اور نبیؐ بنا دیے گئے تھے۔ ہمارے شیعوں کے لیے بہترین عمل یہ ہے کہ ان کی آمد کا انتظار کریں۔“

داؤد بن قاسم جعفری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام ابوالحسن علی نقی ہادیؑ کو یہ فرماتے سنا کہ میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ میرا جانشین ہے۔ مگر تم اس کے بعد ہونیوالے جانشین کے بارے میں کیا کرو گے، جبکہ تم اس کی صورت بھی نہ دیکھ پاؤ گے۔ میں نے عرض کیا: پھر ہم ان کا ذکر کس طرح کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا: تم کہا کرنا ”حجت آل محمدؑ۔“

علی بن مہزیار نے علی بن محمد بن زیاد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام ابوالحسن علی نقیؑ کو ایک خط لکھا اور ان سے فرج یعنی ظہور کے بارے میں پوچھا تو آپ نے لکھا: ”جب تمہارا امام ظلم اور ظالموں کے مقام سے غیبت میں چلا جائے، تو پھر تم فرج و ظہور کی توقع کرنا۔“ نیز ایک اور روایت میں ہے کہ امام علی نقیؑ نے یہ بھی فرمایا: میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ عسکریؑ امام ہوگا اور پھر اس کا وہ بیٹا کہ جو القائمؑ ہے۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا



جس طرح وہ ظلم و جور سے بھرچکی ہوگی۔

احمد بن اسحاق بن سعد اشعری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں امام ابو محمد حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے ان کے جانشین کے بارے میں دریافت کیا۔ اس پر امامؑ نے فرمایا: اے احمد! جب سے اللہ نے آدمؑ کو خلق کیا ہے اس نے زمین کو کبھی حجت خدا سے خالی نہیں رکھا اور نہ قیامت تک خالی رکھے گا کیونکہ اسی حجت خدا کے وسیلہ سے دنیا کے لوگوں سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور اسی کی برکت سے مہینہ برستا اور زمین سے غلہ پھل اور سبزیاں حاصل ہوتی ہیں۔ میں نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! آپ کے بعد ہمارا امام اور آپ کا جانشین کون ہے؟ آپ جلدی سے بیٹ الشرف کے اندر تشریف لے گئے اور ایک بچے کو اپنے دوش پر لیے ہوئے باہر آئے کہ جس کا چہرہ چاند جیسا اور عمر تقریباً تین سال رہی ہوگی، پھر فرمایا: اے احمد بن اسحاق! اگر اللہ تعالیٰ اور اس کی جنتوں کے ہاں تم کو قربت نہ رہی ہوتی تو میں تمہارے سامنے اپنے اس بیٹے کو نہ لاتا۔ اس کا نام اور کنیت رسول اللہؐ نے رکھی تھی اور یہی وہ القائمؑ ہے جو دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھرچکی ہوگی۔ اے ابن اسحاق! اس امت میں اس کی مثال حضرت ذوالقرنینؑ کی سی ہے، قسم بخدا کہ یہ ایک ایسی غیبت میں جانے والا ہے جس کے دوران صرف وہی شخص گمراہی سے بچ سکتا ہے جو خدا کی مدد سے اس کی امامت کا قائل رہے اور اس کے جلد ظہور کرنے کے لیے دعا کرتا رہے گا جبکہ اس پر عقیدہ رکھنے والے بیشتر لوگ اس امر سے روگرداں ہو جائیں گے اور صرف وہی باقی رہیں گے کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے ہماری محبت کا عہد لے لیا ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان کو جاگزیں کر دیا اور ان کو روح القدس سے مدد پہنچائی ہے۔ آپ نے مزید فرمایا: اے احمد! یہ خدا کا معاملہ ہے۔ اس کے رازوں میں سے ایک راز اور اس کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ پس تم کو جو کچھ بتایا گیا ہے اس کو مان لو اور خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ اے



ہم ائمہ کرامؑ سے مروی ان سیکڑوں حدیثوں میں سے صرف انہی چند نمونوں پر اکتفا کرتے ہیں جو اس امت کے بارہویں امام اور مہدی موعود امام محمد بن حسنؑ کے اوصاف، آپ کی غیبت اور ظہور کے حالات و واقعات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اگرچہ ان روایات کا ایک خاصہ بڑا حصہ صحیح نہیں ہے، تاہم اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بیشتر روایات دل و دماغ کے لیے باعث اطمینان ہیں، کیونکہ ان کے راوی وہ افراد ہیں جو اپنے صدق، دیانت اور خلوص میں مشہور ہیں۔ ان روایات کے درست ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے متن کے لحاظ سے رسول اللہؐ کے ارشادات کے موافق ہیں، کہ جن کی خاص صفت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش نفس سے بولتے ہی نہ تھے۔ مزید برآں یہ روایتیں ائمہ کرامؑ کے اقوال سے بھی پوری طرح متفق ہیں۔

امام مہدیؑ اور ان کے چچا جعفر | امام علی نقیؑ اپنے بیٹے جعفر کی ولادت پر بہت خوش ہوئے اور نہ اس

سے کوئی اچھی توقعات قائم کیں۔ چنانچہ ایک خاتون جو آپ کے ان تاثرات کو دیکھتی رہی تھی، جب اس نے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو جیسا کہ کشف الغمہ اربلی میں ہے، آپ نے فرمایا: ”تم دیکھو گی کہ اس کے ذریعہ سے کثیر افراد گمراہ ہونگے۔“ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ یہی جعفر جب جوان ہوا تو اس نے وہ اسلامی اخلاق اور طور طریقے چھوڑ دیے جو ان کے آباء کرامؑ نے مسلمانوں کے سامنے اتمام حجت کے لیے پیش کیے تھے تاکہ وہ ان سختیوں اور مشکلوں سے نجات پائیں جو انکو درپیش تھیں۔ چنانچہ اسلامی اصولوں کی پابندی کرنے کی بجائے وہ اہل حکومت اور ان کے عمال کی صحبتوں میں رہنے لگا۔ اس طرح وہ شراب خوری اور دوسری برائیوں میں ڈوب گیا۔ یہاں تک کہ تاریخ سامرا جلد دوم کے مطابق اس کے والد امام علی نقیؑ کو اپنے بعض اصحاب سے کہنا پڑا کہ تم میرے بیٹے جعفر سے دُور دور رہی رہا کرو۔ کیونکہ وہ میرے لیے حضرت نوحؑ کے اس بیٹے کی مانند ہے کہ جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اے نوحؑ! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں کہ اس کا عمل غیر صالح

ہے۔ (سورہ ہود- آیت ۴۶)



خلیفہ معتمد عباسی کے وزیر عبید اللہ بن خاقان کا بیٹا احمد کہ جو امام حسن عسکریؑ کے بارے میں بات کر رہا تھا، جب اس سے امام کے بھائی جعفر کے متعلق پوچھا گیا تو وہ کہنے لگا: یہ جعفر کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ اس کے متعلق کچھ پوچھا جائے یا اس کا خیال کیا جائے۔ عبید اللہ بن خاقان وزیر کا بیٹا احمد مزید بیان کرتا ہے کہ جب جعفر کے بھائی امام حسن عسکریؑ کا کفن و دفن ہو گیا تو وہ میرے باپ کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا: اگر آپ مجھ کو میرے باپ اور بھائی کا منصب عطا کر دیں گے تو میں آپ کو بیس ہزار دینار سالانہ پیش کیا کروں گا۔ اس پر میرے باپ نے اس کو ڈانٹ دیا اور کہا: نا سمجھ! کیا تم نہیں جانتے کہ جو لوگ تمہارے باپ اور بھائی کو امام مانتے ہیں، خلیفہ نے ان کے خلاف تلوار اٹھائی تاکہ ان کو اس عقیدے سے باز رکھے لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ پھر اس نے یہ کوشش کی کہ تمہارے باپ اور بھائی کو امت کی امامت کے اس مرتبہ سے ہٹا دے، مگر یہ بھی اس سے ممکن نہ ہوا۔ پس اگر تم اپنے باپ اور بھائی کے پیروکاروں کے نزدیک امام ہو تو تم کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ خلیفہ تم کو امامت کا مرتبہ عطا کرے لہذا اگر تم شیعہ جماعت کے نزدیک اس مرتبہ پر فائز نہیں ہو تو پھر تم اس کو کسی طرح بھی حاصل نہیں کر سکتے۔

امام حسن عسکریؑ کے ایک خادم ابوالادیان کہ جو مختلف مقامات پر رہنے والے شیعوں کے لیے آپ کے خطوط اور تحریریں لے جانے پر مامور تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے انکو مدائن کے ممتاز شیعہ افراد کے نام لکھے ہوئے خطوط دیکر بھیجا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ امام شہادت پا چکے ہیں اور آپ کا بھائی جعفر آپ کے دروازے پر بیٹھا پرسہ دینے والوں کا پرسہ لے رہا ہے اور ان لوگوں کا خیر مقدم بھی کر رہا ہے جو اس کو اپنے بھائی امام حسن عسکریؑ کے بعد امام قرار دیکر مبارکباد دے رہے ہیں جیسا کہ ابوالادیان سے روایت آئی ہے کہ اس وقت انہوں نے کہا: اگر امام حسن بن علیؑ کے بعد یہ جعفر ہی امام ہے تو پھر امامت کے دن گنے جا چکے ہیں، کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ صاحب خدا کے احکام کی تحقیر کرنے اور برائیوں کو فروغ دینے میں لگے رہتے تھے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس معاملہ میں اہل حکومت جعفر کی پشت پناہی کرتے تھے



اور وہ اس کو اسکے بھائی کی جگہ پر امام بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی مقصد سے ان لوگوں نے جعفر کو امام حسن عسکریؑ کو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھایا تھا لیکن وہ مصلے پر آکے کھڑا ہوا ہی تھا کہ اچانک لوگوں نے ایک صاحبزادے کو برآمد ہوتے دیکھا کہ جن کی عمر چھ سال سے زیادہ نہ ہوگی، انہوں نے آتے ہی جعفر کی چادر کا پلو پکڑ کر کہا: چچا جان! آپ ہٹ جائیے، کیونکہ اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا میں زیادہ حقدار ہوں چنانچہ جعفر ان کے سامنے کوئی پس و پیش کیے بغیر مصلے پر سے ہٹ گیا، حالانکہ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس پر ناکامی اور مایوسی کی زردی چھا گئی تھی لیکن باوجودیکہ اس کو اپنے بھائی کے ان شرعی وارث کے آجانے پر شدید صدمہ پہنچا کہ جن کی شخصیت سے عوام ناواقف تھے، نیز وہ اس عظیم مجمع کے سامنے نماز جنازہ نہ پڑھا سکا تھا جو امامؑ کے جسد اطہر کو آخری آرام گاہ تک پہنچانے کے لیے جمع ہوا تھا۔ پھر بھی اس کے دل میں یہ تمننا باقی تھی کہ وہ اہل حکومت اور ان کے عمال کی مدد سے اپنے بھائی کے بعد امامت کا مرتبہ حاصل کر لے کیونکہ وہ لوگ پہلے ہی سے اس کے مفاد میں کام کر رہے تھے اور باہر سے آنے والوں اور خمس کا مال لانے والوں کو جعفر کی طرف موڑ دینے کی کوشش کر رہے تھے لیکن خود اسکی اہل حکومت کی اور ان کے عمال کو یہ کوششیں اکارت گئیں اور ناکامی سے دوچار ہو گئیں کیونکہ ائمہ کرامؑ کے وکلاء، خاص احباب اور عام شیعہ بھی خوب سمجھتے تھے کہ خدا نے جن افراد کو امت کی قیادت اور امامت کے لیے منتخب کیا ہے، اس نے ان کو ایسی صفات عطا کی ہیں جو کسی دوسرے کو میسر نہیں ہیں۔ چنانچہ اس سے پہلے بھی بعض افراد نے اپنی ذاتی خواہش، شہرت کی لالچ اور اہل حکومت کے بڑھاوے اور ان کی حمایت سے امامت کا دعویٰ کیا تھا لیکن جیسے ہی ان کی اصل حقیقت واضح ہوئی ان کو اس سے پلٹنا ہی پڑا تھا اور جعفر بن علیؑ بھی ان دوسرے دعویٰ کرنے والوں سے زیادہ مختلف نہ تھا بلکہ وہ تو بے علم ہونے کے علاوہ دین سے بے پروائی اور گناہ گاری میں مشہور تھا۔ پھر جب امام مہدیؑ کے آبار کرامؑ کے پیروکاروں پر آپ کی امامت کے متعلق ایسی ویلیں واضح ہو گئیں جیسی آپ کے والد بزرگوار اور دیگر ائمہ اطہارؑ پیش کرتے رہے تھے تو وہ لوگ آپ کو امام شرعی مان کر آپ سے وابستہ ہو گئے۔

ابوالادیان کہ جو امام حسن عسکریؑ کے خطوط مختلف علاقوں میں لے جایا کرتے تھے



ان سے روایت ہے کہ جب امام حسن عسکریؑ کا کفن دفن ہو گیا تو ان کے فرزند امام القاسمؑ نے مجھ سے فرمایا: اے بصری! خطوں کے وہ جواب جو تمہارے پاس ہیں مجھے دید و انتب میں نے خطوں کے وہ جواب ان کو دیدیے اور پھر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ ان کی امامت پر یہ دو کھلی دبیلیں ہیں، یعنی ایک تو آپ کا اپنے والد کی نماز جنازہ پڑھانا اور دوسرے یہ جان لینا کہ میں مدائن سے خطوں کے جواب لے کر آیا ہوں، حالانکہ اس کا کسی اور شخص کو علم ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد میں جعفر بن علیؑ کے پاس گیا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اتنے میں قم کے کچھ لوگ امام ابو محمد حسن عسکریؑ سے ملنے کے لیے آئے کیونکہ ان کو سامرا میں داخل ہونے سے پہلے آپ کی شہادت کا علم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا: ہم کس کو پرستہ دیں؟ لوگوں نے امام کے بھائی جعفر کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ وہ جعفر کے پاس گئے، پہلے تعزیت ادا کی اور پھر اس کو امامت کی مبارکباد دی۔ اس کے بعد کہنے لگے: ہمارے پاس کچھ مال اور چند خطوط ہیں۔ اگر آپ ہم کو یہ بتائیں کہ وہ وہ خطوط کس کس کے ہیں اور مال کی مقدار کیا ہے تو ہم وہ سب کچھ آپ کے حوالہ کر دیں گے۔ تب وہ اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: آیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم غیب جانتے ہیں؟ جعفر کا یہ جواب سنا تو ان لوگوں نے اس کو کچھ بھی نہ دیا۔

وہ لوگ اس معاملہ میں پریشان کھڑے تھے کہ امام کے مکان سے ایک غلام نکلا اور اس نے ان لوگوں سے کہا: تمہارے پاس فلاں فلاں اشخاص کے خطوط ہیں، ایک تھیلی میں ایک ہزار دینار ہیں اور ان میں سے دس دینار سونے کے ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے وہ خطوط اور رقم اس کے حوالہ کر دی اور بولے: جس نے تم کو یہ بتایا ہے، وہی ابو محمدؑ کے بعد امت کا امام ہے۔ یہ دیکھ کر جعفر بن علیؑ کو براغضہ آیا اور اس نے خلیفہ معتد عباسی کے پاس جا کر اہل قم کا یہ پورا قصہ بیان کر دیا۔ تب معتد نے اس کے ہمراہ اپنے پیادے بھیج دیے جنہوں نے امام مہدیؑ کی والدہ صبیقل (بی بی نرجس) کو گرفتار کر لیا اور ان سے کہا کہ وہ امام کو پیش کریں۔ جب انہوں نے اس سے انکار کیا تو ان کو قاضی ابن ابی شوارب کے سپرد کر دیا گیا لیکن راوی کا کہنا ہے کہ خلیفہ کے وزیر عبید اللہ بن خاقان کی اچانک موت اور بصرہ میں صاحب منج کی فوج کشی کے باعث بی بی کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی اور ان کو ظالموں سے نجات مل گئی۔



شیخ صدوق نے اجمال الدین میں ابو الحسن بن علی بن سنان سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب امام ابو محمد حسن عسکریؑ کی شہادت ہوئی تو قم اور جبال کے کچھ لوگ مال خمس لے کر آئے کہ جن کو امام کی شہادت کا علم نہ تھا۔ البتہ جب وہ سامرا میں داخل ہوئے اور ان کو آپ کی شہادت کا علم ہوا تو انہوں نے آپ کے جانشین کے متعلق دریافت کیا۔ چنانچہ ان کو بتایا گیا کہ وہ جعفر بن علیؑ ہے۔ جبکہ وہ اس وقت گویوں اور بے فکر نوجوانوں کو ساتھ لیکر عیش و عشرت کے لیے دریائے دجلہ پر گیا ہوا تھا۔ جب وہ وہاں سے واپس آیا تو ان لوگوں نے اس سے ملاقات کی اور کہا: اے آقا! ہم لوگ قم اور اس کے نواح سے آئے ہیں اور امام ابو محمد حسن عسکریؑ کے لیے مال خمس لیکر آئے ہیں۔ آپ ہم کو اس مال کی مقدار بتا دیجیے اور یہ بھی بتائیے کہ وہ کہاں کہاں سے جمع کیا گیا ہے۔ اس پر جعفر نے ان سے کہا: تم لوگ میرے بھائی پر جھوٹ باندھتے ہو، کیونکہ وہ ایسا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ یہ تو علم غیب ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔ ان کی یہ بات سن کر وہ لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر جعفر نے ان سے کہا: اب تم وہ مال نکالو۔ وہ بولے: ہم تاجر لوگ ہیں اور ہم یہ مال صرف وہ نشانیاں دیکھ کر ہی دے سکتے ہیں جو ہم آپ کے بھائی میں دیکھا کرتے تھے۔ اگر آپ امام ہیں تو پھر اس پر اپنی دلیلیں ہمارے سامنے پیش کیجیے، ورنہ ہم یہ مال واپس لے جا کر اس کے مالکوں کے حوالے کر دیں گے۔ اس پر جعفر وہاں سے اٹھ کر خلیفہ معتد کے پاس چلا گیا اور اس سے ان قم کے لوگوں کے خلاف مدد طلب کی۔ چنانچہ اس نے ان کو حکم دیا کہ وہ خمس کا یہ مال جعفر کے حوالے کر دیں لیکن انہوں نے کہا کہ ہم تاجر لوگ ہیں اور ہم کو تائید کی گئی ہے کہ ہم امامت کی دلیل اور علامت دیکھے بغیر یہ مال کسی کے حوالے نہ کریں، جیسا کہ ہم ان کے بھائی کے زمانہ میں کیا کرتے تھے کیونکہ وہ ہم کو ان دیناروں کی تعداد بتانے کے علاوہ ان لوگوں کے نام بتا دیا کرتے تھے جنہوں نے وہ بھیجے ہوتے تھے۔ پس اگر یہ شخص حامل امامت ہے تو ہمارے سامنے اس مال کی تفصیل اسی طرح بیان کرے جس طرح اسکے بھائی امام حسن عسکریؑ بیان کیا کرتے تھے۔ ورنہ ہم یہ مال واپس لے جا کر اس کے مالکوں کو دے دیں گے۔

اس کے بعد وہ لوگ سامرا سے چل دیے اور جب وہ شہر سے باہر پہنچے تو ایک



جوان شخص نے ان سے ملاقات کی اور کہا: اے فلاں اور اے فلاں! تم اپنے آقا کے بلاوے پر ان کے پاس چلو، چنانچہ وہ وہاں سے پلٹ کر امام مہدیؑ القائمؑ کی خدمت میں آپہنچے۔ آپ نے ان کو مال کی مقدار کے علاوہ یہ بھی بتایا کہ یہ کس کس نے بھیجا ہے تب ان لوگوں نے وہ مال آپ کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے ان کو ہدایت کی کہ آئندہ سے وہ کوئی بھی چیز سامرانہ بھیجیں بلکہ اپنے خط اور مال آپ کے نائبوں کے پاس بغداد بھیجا کریں۔

راوی مزید بیان کرتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد جعفر بن علیؑ نے مال کی ایک بھاری مقدار لے جا کر خلیفہ معتمد کو پیش کی اور اس سے درخواست کی کہ: مجھ کو میرے بھائی کی جگہ پر امامت کا منصب عطا کیا جائے۔ اس نے کہا کہ: تمہارے بھائی کا مرتبہ امامت ہمارے بس میں نہیں تھا بلکہ ہم تو اس کے مٹانے کی کوشش کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ ان کے مرتبہ کو بڑھاتا ہی رہا کیونکہ وہ حسن عمل اور نشر علم اور عبادت میں منہمک رہتے تھے۔ اگر تم ان کے شیعوں کے نزدیک امامت کی منزلت پر ہو تو تم کو ہمارے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہم تم کو کچھ نہیں دے سکتے۔

قطع نظر اس سے کہ یہ روایتیں صحیح ہیں یا نہیں تاہم اس امر میں شک نہیں کہ اہل حکومت اور ان کے عمال نے اپنی انتہائی کوشش کر ڈالی کہ وہ شیعوں کو جعفر بن علیؑ کی طرف مائل کریں۔ کیونکہ وہ ان کے حامیوں میں سے تھا اور ان کے ساتھ ان کے دسترخوان پر اور تاج گانے کی محفلوں میں حاضر رہا کرتا تھا۔ دوسری طرف وہ مشکل تر حالات کہ جو امام مہدیؑ کو گھیرے ہوئے تھے۔ وہ ان لوگوں کے لیے مددگار ثابت ہو رہے تھے کیونکہ آپ کا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہنا بھی ان لوگوں کے لیے یہ دلیل مہیا کرتا تھا کہ جعفر ہی اپنے باپ اور بھائی کا واحد وارث ہے، جبکہ خود جعفر بھی امام القائمؑ کے وجود سے ناواقف نہیں تھا اور اہل حکومت بھی اس امر کو جانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں کی فریب کاریوں پر نظر رکھتا تھا اور اس نے ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ چنانچہ امام القائمؑ کا انکار کرنے والے ناکامی کے رنج میں دانت پیس کر رہ گئے اور کچھ حاصل نہ کر پائے، جبکہ آپ کے آبار کرامؑ کے شیعہ آپ سے وابستہ ہو گئے اور غیبت صغریٰ کے زمانہ میں آپ کے سفیروں اور وکیلوں کے ذریعہ آپ سے رابطہ قائم کیے رہے جیسا کہ دسیوں روایات سے



ظاہر ہوتا ہے۔

امام حسن عسکریؑ کے بھائی جعفر بن علیؑ کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام محسن بن جعفر تھا۔ اس کو دمشق کے نواحی علاقہ میں عربوں کی ایک جماعت نے قتل کر دیا تھا اور دعویٰ کیا کہ اس نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ چنانچہ اس کا سر بغداد لایا گیا اور وہاں پل پر لٹکا دیا گیا، جیسا کہ الکلی واللقاب، قمی میں مذکور ہے۔

جعفر کے دوسرے بیٹے عیسیٰ کے بارے میں قمی کا بیان ہے کہ وہ ایک عالم و فاضل شخص تھے۔ چنانچہ ہارون بن موسیٰ تلکبری نے ان سے حدیثیں سنی ہیں۔ جب اس نے ان سے اجازت روایات طلب کیا تو انہوں نے اس کو اجازت دیدیا اور اس نے یہ اشعار کہے تھے:

اے فرزند ان نبی اکرم! ہم آج تم کو پکارتے ہیں اور امید ہے کہ تم کل (قیامت میں) ہم کو سہارا دو گے۔ تم نے ہم کو علم کے ہزار باب عطا کیے ہیں اور پھر ہر باب سے ہزار ہزار باب نکلے ہیں۔ حکومت تمہاری ہی ہے اور تمہی کو آخری فیصلے کرنے کا اختیار ہے۔

امام مہدیؑ کی غیبتِ صغریٰ اور نوابین اربعہ | راویوں نے امام مہدی القائمؑ کی غیبت اور اس کے اسباب

کے ذیل میں امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی ہے کہ پہلے تو اللہ نے آپؑ کی ولادت کو پوشیدہ رکھا اور پھر آپؑ کو لوگوں کی نظروں سے غائب رکھا تاکہ آپؑ کو کسی شخص کی بیعت کا پابند نہ ہونا پڑے۔ اس طرح امام ابو جعفر محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ امام مہدیؑ بنی عباس کی طرف سے خوف و خطر کی وجہ سے غیبت میں رہیں گے۔

عبداللہ بن فضل ہاشمی سے روایت ہے کہ جب ایک شخص نے امام مہدیؑ کی غیبت کے بارے میں امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ اس غیبت کی مصلحت آپؑ کے ظہور کے بعد ظاہر ہوگی، جس طرح سے حضرت خضرؑ کے کاموں کی مصلحت ان کے حضرت موسیٰؑ سے علیحدہ ہونے کے بعد ظاہر ہوئی تھی۔ آپؑ نے مزید







ہم لوگ آپ کی بجائے کس کی بات مانا کریں اور کس کو آپ کا نمائندہ تصور کریں؟ آپ نے فرمایا: یہ ابو عمرو ہیں کہ جو صاحب اعتماد اور امین ہیں۔ جو کچھ یہ کہیں یہ میری طرف سے ہے اور جو حکم یہ دیں گے وہ میری طرف سے ہوگا۔

عثمان بن سعید العمری | شیخ طوسی نے کتاب الغیبتہ میں علی بن ہلال محمد بن معاویہ بن حکیم اور حسن بن ابوب بن لوح وغیرہ چند

شیعوں سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا امام ابو محمد حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان سے پوچھیں کہ ان کے بعد امام کون ہوگا۔ اس وقت آپ کے حضور میں تقریباً چالیس افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ چنانچہ عثمان بن سعید نے آپ سے عرض کیا کہ: اے فرزند رسول! میں آپ سے ایک ایسی بات پوچھنا چاہتا ہوں جو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عثمان! بیٹھ جاؤ۔ اس پر وہ رنجیدہ ہو کر جانے لگے تو امام نے عثمان بن سعید کو پکارا تو وہ اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ تب امام نے فرمایا: اب میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں کہ جس کے لیے تم سب آئے ہو۔ ہم سب نے کہا: ضرور اے فرزند رسول! آپ نے فرمایا: تم مجھ سے یہ پوچھنے آئے ہو کہ میرے بعد امام کون ہوگا؟ سب نے کہا: جی ہاں! اتنے میں ایک صاحب جزائے گھر کے اندر سے نکل کر ہمارے سامنے آئے کہ جن کا چہرہ چاند کی مانند روشن تھا اور وہ امام ابو محمدؑ سے بہت مشابہ تھے۔ اب امام نے فرمایا: میرے بعد یہ تمہارا امام اور میرا جانشین ہے۔ اس کی اطاعت کرنا اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرنا ورنہ تم دین کے معاملے میں برباد ہو جاؤ گے۔ البتہ آج کے بعد تم اس کو کبھی نہ دیکھ پاؤ گے۔ پس جو کچھ عثمان بن سعید کہیں تم وہ مانتے رہنا، ان کے قول کو قبول کرنا اور ان کے حکم کو معتبر جاننا کیونکہ یہی تمہارے امام کے نائب ہیں اور سارے کام انہی کے سپرد ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ان کا بیٹا محمد بھی میرے بیٹے اور تمہارے امام مہدیؑ کا نائب ہوگا۔ چنانچہ امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد عثمان بن سعید العمری امام مہدیؑ القائمؑ کے نائب کا عہدہ سنبھالے رہے۔ البتہ راولوں نے اس کی مدت نہیں بتائی۔ گویا کہ وہ اپنی وفات تک نائب امام رہے اور



اپنے بعد انہوں نے یہ عہدہ امام الحجتؑ کے حکم سے اپنے بیٹے ابو جعفر محمد بن عثمان عمری کے سپرد کر دیا۔

### محمد بن عثمان عمری

محمد بن ابراہیم بن مہزیار اہوازی سے روایت ہے کہ ابو عمرو عثمان بن سعید العمری کی وفات کے بعد امام القائمؑ نے ایک توثیق نامہ میں فرمایا کہ عثمان کا بیٹا بھی ہمارے نزدیک صاحب اعتماد ہے، اللہ اس سے راضی رہے اور وہ اللہ کو راضی رکھے۔ اللہ اس کے چہرے کو روشن رکھے کہ وہ ہمارے ہی کہنے پر چلتا اور ہمارے ہی کہنے پر رکتا ہے۔ وہ ہمارے حکم کے مطابق احکام جاری کرتا ہے اور خود بھی انہی پر عمل کرتا ہے۔ اس لیے اللہ بھی اس کو دوست رکھتا ہے۔ پس تم اسی کے حکم پر قائم رہو اور یہ بات ہمارے شیعوں کو بھی بتا دو۔

عبید اللہ بن جعفر الحمیری سے روایت ہے کہ: امام حجت القائمؑ نے محمد بن عثمان عمری کو ان کے باپ کے انتقال پر پرسہ دیا تو اس میں تحریر فرمایا: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ تَسْلِیْمًا لَا مَرَدَہٗ وَ رِضًا بِقَضَائِہٖ اَمَّا بَعْدُ۔ تمہارے والد زندگی میں نیک اطوار اور موت کے وقت قابل تعریف تھے۔ اللہ ان پر رحمت نازل کرے اور ان کو اپنے دوستداروں اور خدمت گزاروں میں شامل کرے کیونکہ وہ انہی کے مقاصد کے حصول میں کوشاں تھے اور ایسا عمل کرتے تھے جس سے ان کو اللہ تعالیٰ کا اور اس کے مقربین کا تقرب حاصل ہو جائے۔ پس اللہ ان کے چہرے کو روشن رکھے۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کرے، تمہارے اجر و ثواب میں اضافہ کرے اور تمہارے غم کو قبول فرمائے۔ ان کی وفات تمہارے ساتھ ہمارے لیے بھی باعث غم ہے۔ ان کی جدائی تمہارے ساتھ ہم پر بھی شاق ہے۔ اللہ ان کو اس نئی زندگی میں خوش رکھے۔ یہ ان کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے ان کو غم جیسا فرزند عطا کیا ہے جو ان کے بعد ان کا جانشین ہے، خدا کے حکم سے ان کی جگہ پر متمکن ہوا اور ان کے واسطے رحمت طلب کرتا ہے۔ لوگ تمہاری نیابت پر خوش ہیں اور تمہاری صلاحیتوں اور تمہارے کردار پر مطمئن ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے، تم کو قوت دے، طاقت میں اضافہ کرے اور خیر کی توفیق سے نوازے۔ وہی تمہارا سرپرست نگہبان مالک اور سازگار ہے۔



امام مہدی القائمؑ کے وہ خطوط جو آپ شیعوں کے دینی اور معاشرتی اہم معاملات پر ان کو لکھتے تھے، وہ محمد بن عثمان العمری کے ہاتھوں ان لوگوں تک اسی طرح پہنچا کرتے تھے جس طرح ان کے والد عثمان بن سعید کے زمانہ میں آیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیعوں کے لیے ان کے علاوہ کوئی اور واسطہ نہ تھا کہ جس سے وہ امامؑ سے اپنا تعلق قائم رکھیں! اسلامی فقہ کا مطالعہ کرنے والے شخص کو اس کے ہر باب میں امام مہدی القائمؑ کے ارشادات ملتے ہیں، جو آپ نابینوں کے ذریعہ سے شیعوں کے سوالات کے جواب میں بھیجا کرتے تھے۔ ان میں سے بیشتر جواب غالباً محمد بن عثمان العمری کے ذریعہ سے لوگوں تک پہنچے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چاروں نابینوں میں ان کی نیابت کی مدت سب سے طویل تھی جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد کی وفات پر ۲۶۵ھ میں امام القائمؑ کے نائب بنے اور ۳۲۵ھ تک اس منصب پر قائم رہے۔ اس طرح ان کی نیابت کی مدت چالیس سال ہوتی ہے جبکہ ان کے والد کی نیابت کا زمانہ صرف پانچ سال ہی تھا۔

انہوں نے اپنی وفات سے پہلے ہی اپنے لیے ایک قبر کھدوا لی اور اس پر قرآن کی کچھ آیتیں اور ائمہ کرامؑ کے اسماء مبارکہ لکھوا دیے تھے۔ وہ خود روزانہ وہاں جا کر قرآن کا ایک پارہ تلاوت کیا کرتے تھے۔ ان کی قبر بغداد میں قبر خلائی کے نام سے مشہور ہے۔

**ابوالقاسم حسین بن روح** | محمد بن عثمان العمری نے امام مہدی القائمؑ کے معاملات کے لیے ابوالقاسم حسین بن روح نو بختی کے حق میں وصیت کر دی تھی، بلکہ شیعہ عوام ان کی زندگی کے آخری دنوں ہی میں حسین بن روح سے ہدایات حاصل کرنے لگے تھے۔ جیسا کہ جعفر بن محمد مدائنی بیان کرتے ہیں کہ: میں امامؑ کے لیے خمس کی رقمیں لا کر ابو جعفر محمد بن عثمان العمری کے حوالہ کر دیا کرتا تھا اور دوسرے لوگ بھی اموال خمس کے معاملہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ مدائنی مزید کہتے ہیں کہ ان کے آخری ایام میں ایک مرتبہ میں چار سو دینار خمس لے کر ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا: آپ یہ مال حسین بن روح کو دیدیں۔ اس پر ہم دونوں میں طویل گفت و شنید ہوتی رہی۔ پھر بھی انہوں نے وہ رقم خود نہ لی بلکہ مجھ کو سختی سے کہا: اللہ آپ کو معاف کرے، میرے پاس سے چلے جائیں، کیونکہ میں نے حسین بن روح کو اپنی جگہ بٹھا دیا ہے اور اپنی ذمہ داریاں ان کے



سپرد کر دی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ جب مجھ کو یقین ہو گیا کہ انہوں نے امام ہی کے حکم سے ایسا کیا ہے تو میں نے جا کر وہ رقم ان کو دیدی۔

شیخ طوسی کی روایت میں آیا ہے کہ جب ابو جعفر محمد بن عثمان العمری کی حالت خراب ہوئی تو کچھ ممتاز شیعہ افراد نے ان سے کہا: اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو آپ کی جگہ کون لے گا؟ تب انہوں نے کہا: یہ ابوالقاسم حسین بن روح بن ابی بکر نو بختی ہیں جو میری جگہ پر نائب امام ہوں گے۔ یہ تمہارے اور امامؑ کے درمیان واسطہ ہوں گے اور یہ ان کے صاحب اعتماد وکیل اور امین ہیں۔ تم لوگ اپنے دینی معاملات میں ان سے رابطہ رکھنا اور اپنی مشکلات میں انہی پر بھروسہ کرتا۔ جان رکھو کہ مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے جو میں نے تم تک پہنچا دیا ہے۔

راویوں کا بیان ہے کہ وہ امام القاسمؑ کی نیابت اور وکالت کے معاملات میں نہایت دانشمند ثابت ہوئے تھے۔ اس لیے عوام و خواص سب حلقوں میں ان کی عزت کی جاتی تھی۔ وہ اپنے حسن عمل اور معاملہ فہمی میں اس حد تک یکتا مانے جاتے تھے کہ اگر کوئی ان کو شیعیت سے منسوب کرتا تھا تو لوگ اس کی بات کا یقین نہ کرتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ دو آدمیوں میں بحث چھڑ گئی۔ جن میں سے ایک کا کہنا تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد سب لوگوں سے افضل ابو بکر ہیں۔ ان کے بعد عمر بن خطابؓ، عثمان بن عفان اور پھر علی بن ابی طالبؓ آتے ہیں۔ جبکہ دوسرے کا کہنا تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد ساری مخلوق میں علیؑ سب سے افضل ہیں چنانچہ ان کے سامنے ہی سامنے ان دو آدمیوں کا جھگڑا بڑھ گیا۔ اس وقت وہاں سنی اور شیعہ دونوں کا انبیوہ کثیر موجود تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کو اہل حکومت کی طرف سے خود اپنے لیے اور امامؑ کے لیے خوف لگا رہتا تھا، اس بنا پر ان کو مصلحت سے کام لینے کی عادت ہو گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس جھگڑے کو اپنی دانشمندی سے ختم کر دیا اور کہا: صحابہؓ نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ ابو بکر مقدم ہیں۔ ان کے بعد فاروقؓ، عثمان اور ان کے بعد علیؑ کہ جو وصی پیمبرؐ ہیں۔ صاحبان حدیث بھی اسی کے قائل اور ہمارے نزدیک وہ صحیح کہتے ہیں۔ ان کے اس بیان کو لوگوں نے بہت پسند کیا، عوام نے ان کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔ جو لوگ انکو شیعیت سے منسوب کر رہے تھے ان کو خوب برا بھلا کہا۔ ایک مرتبہ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے دربان نے معاویہؓ پر لعنت کی اور ان کو برا کہا ہے تو انہوں نے اس کو ملازمت سے برطرف



کمرے اور وہاں سے نکال دیے جانے کا حکم دیا اور پھر اس کے حق میں کسی کی سفارش قبول نہیں کی۔<sup>۱</sup>

ابو انقاسم حسین بن روح بن ابوبکر نو بختی تقریباً بیس سال یا اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ تک امام القائمؑ اور کروڑوں شیعوں کے مابین نیابت اور وکالت کے عہدہ پر فائز رہے، جو ان سے اپنے معاملات اور مشکلات میں رجوع کیا کرتے اور وہ امامؑ سے ان کے مسائل کے تحریری جوابات لا کر ان کو دیا کرتے تھے۔ وہ ۳۲۶ھ میں بغداد میں فوت ہوئے، ان کی قبر آج تک موجود ہے اور لوگوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنی وفات کے قریب امامؑ کے حکم سے اپنا منصب علی بن محمد السمری کے سپرد کر دیا۔

**علی بن محمد السمری** | حسین بن روح کی وفات کے بعد علی بن محمد السمری نے نائب امام کی وہ ذمہ داری سنبھالی جو ان کے پیشرو سنبھالے ہوئے تھے۔

ان کی نیابت کا زمانہ تین سال سے زیادہ نہیں رہا۔ کیونکہ غیبت صغریٰ کا وہ زمانہ کہ جس کے دوران یکے بعد دیگرے آپ کے چار نائبوں کے ذریعہ امام القائمؑ سے رابطہ رہا اس کی مبعاد ختم ہو گئی تھی۔

راوی کہتے ہیں کہ اپنی وفات سے پہلے علی بن محمد السمری، لوگوں کے پاس امامؑ کا ایک توفیق نامہ لائے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ ”اے علی بن محمد! خدا کے ہاں تمہارا اور تمہارے ان بھائیوں کا عظیم ترین اجر ہے کہ جو تم سے پہلے ہماری نیابت کرتے رہے۔ پس آگاہ رہو کہ تم آج سے چھ روز کے اندر اندر مرنے والے ہو۔ تم نہ تو اس پر فکر مند ہونا اور نہ اپنے بعد کے لیے کسی کو جانشین بنانا، کیونکہ اب غیبت کبریٰ شروع ہو گئی ہے۔ اب ہمارا ظہور صرف اسی وقت ہو گا جب اللہ تعالیٰ اسکی اجازت دے گا۔ لیکن یہ موقع ایک طویل مدت کے گزرنے اور لوگوں کے دلوں کے سخت ہو جانے کے بعد آئے گا۔ جبکہ یہ زمین ظلم و ستم سے بھر چکی ہوگی۔ اس دوران جو کوئی میرے شیعوں کے پاس آ کر یہ دعویٰ کرے گا کہ اس نے مجھ کو دیکھا ہے وہ جھوٹا اور فریب کار ہوگا۔“



راوی نے مزید بیان کیا ہے کہ چھ روز کے بعد جب ہم ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ حالت احتضار میں ہیں۔ پس ہم نے ان سے دریافت کیا: اپنے بعد آپ نے کس کے حق میں وصیت فرمائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یہ معاملہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور وہ اس کا پورا کرنے والا ہے۔ سمری کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی جبکہ امام مہدیؑ کی عمر ۷۴ سال ہو چکی تھی جس میں سے ساڑھے چار سال آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے اور بقیہ ساڑھے انہتر سال آپ غیبت صغریٰ میں رہے تھے۔ مسعودی نے اثبات الوصیۃ میں کہا ہے کہ غیبت صغریٰ کے ختم ہونے کے وقت آپ کی عمر شریف ۷۶ سال اور اچھپنے تھی۔ جو معتد، معتضد، مقتدر اور راضی کی خلافت میں گزری۔ اگرچہ مورخین کا کہنا ہے کہ ان خلفاء کی خلافت عباسیوں کے تنزل اور پراگندگی کا دور تھا جبکہ خلیفہ کو مہر میں لگانے اور دستخط کرنے کے علاوہ کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔ پھر بھی یہ لوگ امامؑ کے ان سفیروں اور وکیلوں پر کڑی نظر رکھتے تھے جو مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ نیز وہ روایات کہ جن میں امام مہدیؑ کے متعلق ان اہل حکومت کے طرز عمل کا ذکر ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بارہا یہ کوشش کرتے تھے کہ آپ کو گرفتار کر لیں۔

امام مہدیؑ کی سفارت کے جھوٹے مدعی | راویوں کا بیان ہے کہ وہ مال جو امامؑ کے وکیلوں اور سفیروں

کے ذریعہ سے آپ کے پاس آتا تھا، اس کے لالچ میں کچھ فریب کاروں نے آپ کی سفارت کا جھوٹا دعویٰ کر کے شیعوں کو دھوکہ دینا شروع کر دیا تھا، بلکہ بعض دیگر وجوہ کی بنا پر اہل حکومت بھی اس دراندازی سے لاتعلق نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امامؑ نے اپنے خطوں میں شیعوں کو ان لوگوں سے خبردار کیا اور یہ حکم بھی دیا کہ وہ ان مکاروں پر لعنت کریں۔ چنانچہ انہوں نے ان جھوٹ موٹ کے سفیروں پر لعنت کی اور ان سے اظہار بیزاری کیا بلکہ ان کے علاوہ ان سب سے بھی برائت چاہی، جنہوں نے اہل بیتؑ سے دشمنی کی، ان کے مرتبے سے انکار کیا، ان کی حدیثوں میں آمیزش کی اور ان کے متعلق ایسی باتیں کہیں جو خود انہوں نے اپنے بارے میں نہیں کہی تھیں۔ نیز ان کے حق میں رسول اللہؐ کی وصیتوں کو فراموش کر دیا۔ ایسے لوگوں پر تا روز قیامت پھسکا رہتی رہے گی۔



وہ روایتیں کہ جن میں اس قسم کے جھوٹے دعووں کا بیان آیا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کی سفارت کے جھوٹے دعوے کرنے والے لوگ امام القائمؑ کے دوسرے نائب محمد بن عثمان العمری کے زمانہ ہی میں نمودار ہونے لگے تھے جن کی مدت نیابت بیس سال سے زیادہ عرصہ تک رہی تھی۔ ان کے دور میں جن لوگوں نے ایسے دعوے کیے ان میں حسین ابو محمد شریعی، محمد بن نصیر نیری، احمد بن ہلال کرخی، ابو طاہر محمد بن بلال بلالی، اسحاق احمد اور عمری کا اپنا بھتیجا محمد بن احمد بن عثمان عرف بغدادی وغیرہ شامل ہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ اس سے پہلے بڑے پختہ عقیدے کے مالک تھے اور وہ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کا عہد امامت دیکھ چکے تھے، لیکن بعد میں غلط راہ پر چل پڑے اور ایسی باتوں کے قائل ہو گئے جو نظریہ شیعیت اور اصول اسلام کے موافق نہیں تھیں۔ اسی طرح امام القائمؑ کے تیسرے نائب حسین بن روح کے زمانہ میں محمد بن علی شلمغانی العزاقری کو اس کے نفسانی خواہشوں نے گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیا اور اس نے امامؑ کی سفارت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ نیز بعض راوی اور مورخین کہتے ہیں کہ صوفیاء میں سے ایک مشہور فرد یعنی حسین بن منصور حلاج نے بھی اس طرح کا دعویٰ کیا اور قریب تھا کہ وہ اپنے شیعہوں کی بدولت عوام کی عقلوں پر چھا جاتا لیکن ابوسہل بن اسمعیل بن علی نو بختی نے ایک مناظرے میں لوگوں پر اس کی حقیقت واضح کر دی جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا جس میں اس کا منہ بند ہو گیا تھا۔ اس کے مزید حالات آگے چل کر بیان کریں گے۔

**حسین ابو محمد شریعی** | حسین ابو محمد شریعی، امام ابو الحسن علی نقیؑ اور امام ابو محمد حسن عسکریؑ دونوں کا صحابی تھا اور بعد میں گمراہ ہو گیا۔ وہ ان دونوں اماموں کے بارے میں غلو کرتے ہوئے ان سے ایسی باتیں منسوب کرنے لگا جو ایک انسان کا خاصہ نہیں ہیں۔ نیز وہ امام القائمؑ کا سفیر ہونے کے ساتھ ہی اپنی رسالت کا دعویٰ بھی کرنے لگا تھا۔ چنانچہ امام مہدیؑ القائمؑ نے اس کے بارے میں توثیق نامہ جاری فرمایا جس میں اس پر لعنت کرنے اور اس سے اظہار بیزاری کا حکم دیا گیا تھا۔ تب شیعوں نے اس پر لعنت کی اور اس سے اظہار بیزاری کیا۔



## محمد بن نصیر نمیری

محمد بن نصیر نمیری کی بابت ہم پہلے ہی امام حسن عسکریؑ کے عہد میں غالیوں اور گمراہوں کے تذکرے میں بتلا چکے ہیں کہ اس کے تمام اقوال و افعال میں کفر اور الحاد کی علامات ظاہر ہو گئی تھیں کیونکہ وہ تناسخ ارواح اور محرم عورتوں کے مباح ہونے کا قائل ہو گیا تھا۔ چنانچہ امام حسن عسکریؑ نے حسن بن محمد بن بابا قمی اور اسی نمیری کی مذمت میں ایک سخت خط بھی لکھا تھا۔ وہ جن بری باتوں کا قائل تھا، وہ کچھ لوگوں میں رائج ہو گئیں اور پھر ان کو نمیریہ کہا جانے لگا تھا۔ امام حسن عسکریؑ کی شہادت کے بعد اس نے یہ دعویٰ داغ دیا کہ وہ امام القائمؑ کا سفیر ہے اور ان کے اور ان کے شیعوں کے درمیان تعلق کا ذریعہ ہے، جبکہ اس سے قبل وہ نبوت کا دعویٰ کیا کرتا اور کہتا تھا کہ امام علی نقیؑ نے اس کو عوام کی طرف بھیجا ہے۔ جب وہ قریب المرگ تھا تو اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے بعد یہ منصب کس کو ملے گا؟ تب اس نے کمزور سی آواز میں کہا: ”میرے بعد احمد ہے لیکن وہ لوگ سمجھ نہ پائے کہ احمد سے کون مراد ہے اور اس کے بعد ان میں تفرقہ پڑ گیا اور جیسا کہ کتاب الغیبۃ طوسی، الفرق نو بختی اور رجال کشی میں مذکور ہے۔

## احمد بن ہلال کرخی

احمد بن ہلال کرخی، امام علی رضاؑ کے زمانہ سے لیسکر امام القائمؑ کی غیبت صغریٰ کے پہلے سات سال تک زندہ رہا۔ امام حسن عسکریؑ اور امام مہدیؑ القائمؑ دونوں نے ہی اس پر لعنت فرمائی تھی۔ چنانچہ امام القائمؑ نے عراق کے شیعوں کو اس سے خبردار کرنے کے لیے لکھا کہ: ”تم لوگ اس بناوٹی صوفی سے ہوشیار رہو، خدا اس کے گناہوں کو نہ بخشنے اور اس کی خطاؤں کو معاف نہ فرمائے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس سے اور ہر اس شخص سے اظہار بیزاری کرتا ہوں جو اس سے اظہار بیزاری نہیں کرتا۔“

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروع شروع میں کرخی صحیح راستے پر تھا، البتہ امام القائمؑ کے پہلے نائب عثمان بن سعید العمری کی وفات کے بعد اس شخص پر گمراہی سوار ہو گئی۔ چنانچہ اس نے ان کے بیٹے ابو جعفر محمد بن عثمان العمری کی نیابت کو نہیں مانا اور ان کو مال خمس کی رقمیں دینے سے انکار کر دیا جو اس نے امامؑ کے لیے وصول کی تھیں۔ جیسا کہ طوسی نے کتاب الغیبۃ میں بیان کیا ہے۔



## محمد بن بلال

محمد بن بلال بھی امام حسن عسکریؑ کے اصحاب میں سے تھا لیکن آپ کی شہادت کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ میں اب بھی ان کا وکیل ہوں۔ چنانچہ وہ مال جو امامؑ کو پہنچانے کے لیے اس کے پاس آیا تھا وہ اس کو ہڑپ کر کے بیٹھ رہا۔ جب امام القائمؑ کے نائب ابو جعفر العمری نے اس سے اصرار کیا کہ امامؑ کا جو مال تمہارے پاس ہے وہ مجھ کو دیدو تو اس نے ایک نہ مانی۔ اس کے بعد وہ اس کے گھر گئے تو وہاں اس کے حامیوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ ابو جعفر العمری نے اس سے کہا: میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا امام القائمؑ نے تم کو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ جو مال تمہارے پاس ہے وہ میرے حوالہ کر دو۔ اس نے کہا: او خدا یا! امامؑ نے مجھ کو یہ حکم تو دیا ہے۔ اس پر ابو جعفر وہاں سے چل کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کو جیسے سکتہ سا ہو گیا۔ جب وہ کچھ بحال ہوئے تو محمد بن بلال کے بھائی ابو الطیب نے اس سے کہا: تم نے امام القائمؑ کو کہاں دیکھا؟ اس نے جواب میں کہا: ابو جعفر العمری مجھ کو ان کے ایک مکان میں لے گئے تھے۔ تب امام القائمؑ اپنے گھر سے نکل کر میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ کو یہ حکم دیا کہ جو بھی مال میرے پاس ہے میں وہ ابو جعفر العمری کو دیدوں۔

## محمد بن احمد بن عثمان العمری

محمد بن احمد بن عثمان خود ابو جعفر العمری کے بھائی کا بیٹا تھا اور ان کے نزدیک وہ منخرین میں سے تھا۔ چنانچہ وہ اس پر لعنت کرتے، اس سے اظہار بیزاری کرتے اور اپنے ساتھیوں کو اس سے خیردار کرتے رہتے تھے۔ ایک بار کچھ شیعہ راوی اور ممتاز افراد ابو جعفر العمری کے سامنے ائمہ کرامؑ کی حدیثیں بیان کر رہے تھے کہ اتفاق سے محمد بن احمد بن عثمان بھی ان کے پاس آ پہنچا۔ جب ابو جعفر نے اس کو آتے دیکھا تو حاضرین سے کہنے لگے: اب تم چپ ہو جاؤ کیونکہ یہ آنے والا تمہارے ساتھیوں میں سے نہیں ہے۔ مزید یہ کہ وہ ابو دلف محمد بن مظفر کا تب کے پانچ اقوال کو ماننا تھا جن میں ایک یہ تھا کہ: یہ پانچ افراد یعنی سلمان فارسی، ابوذر عفری، مقداد بن اسود، عمار بن یاسر اور عمرو بن امیہ العمری خدا کی طرف سے امور دنیا کو چلانے پر مامور ہیں۔

مسلم فرقوں کے متعلق کتابیں لکھنے والے بعض مؤلفین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے



کہ احمد بن ہلال کرخی کے پیرو کرخیین بھی ان پانچ صحابیوں کے بارے میں اسی نظریہ کے حامل تھے اور ابو دلف محمد بن مظفر نے یہ نظریہ انہی سے لیا تھا۔ چنانچہ مسلم فرقوں پر لکھی گئی کتابوں میں ان کو بھی غالیوں کے مختلف فرقوں میں شمار کیا گیا ہے جو اس دور میں اسلام اور شیعیت سے نکل گئے تھے۔

**محمد بن علی بن شلمفانی** | جیسا کہ شیخ طوسی کی کتاب الغیبتہ میں ہے کہ محمد بن علی شلمفانی عرف ابو العزاقری بھی اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں

صحیح عقیدہ پر رہا اور شیعوں میں اس کا بڑا مقام تھا۔ حتیٰ کہ جب خلیفہ معتمد عباسی نے امام القائمؑ کے تیسرے نائب حسین بن روح کا پیچھا کیا اور وہ روپوش ہو گئے تو انہوں نے اسی کو اپنی بعض ذمہ داریوں کا نگہدار بنایا تھا اور شیعہ اپنے مسائل اور مشکلات میں اسی سے رجوع کیا کرتے تھے۔ نیز امام القائمؑ کی تحریریں بھی حسین بن روح کے ذریعہ سے اس کے پاس آیا کرتی تھیں۔ اس زمانہ میں جبکہ وہ صحیح العقیدہ تھا اس نے کچھ کتابیں بھی لکھیں جن میں سے ایک کتاب التکلیف تھی۔ جب وہ مکمل ہو گئی تو حسین بن روح نے خود وہ کتاب بغور دیکھی اور اس کو ائمہ کرامؑ کی احادیث کے مطابق پایا۔ ابن شلمفانی کی ایک اور تالیف بھی تھی جس کا نام کتاب التاویب تھا۔ حسین بن روح نے اس کی یہ کتاب قم کے شیعہ علماء اور راویان حدیث کے پاس بھیجی تاکہ وہ لوگ اس پر نظر ڈالیں۔ چنانچہ راوی کہتا ہے کہ ان علماء نے ابن روح کو لکھا کہ: یہ کتاب صحیح معلومات کی حامل ہے اور اس میں کوئی چیز خلاف مذہب نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اس نے فطرہ کی مقدار ایک صاع غلہ کی بجائے نصف صاع بتائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسین بن روح ————— اس کی کتابوں پر اس لیے نگاہ رکھا کرتے تھے کہ کہیں وہ ان میں مذہب امامیہ کے خلاف کوئی بات داخل نہ کر دے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شلمفانی ایک ایسی منزل سے گزر رہا تھا کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بالآخر اس کی گمراہی ظاہر ہو کر رہی۔ جیسا کہ تاریخ کامل ابن اثیر کی چھٹی جلد میں مذکور ہے کہ آخر کار اس نے غلو، تناسخ اور حلول کے عقائد اختیار کر لیے تھے۔ اس کے ایک ساتھی ابو علی بن ہمام کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن علی شلمفانی کو یہ کہتے سنا کہ: خدا کی ذات تو ایک ہی ہے لیکن اس کے لباس مختلف ہیں اور وہ ایک دن



سفید میں ظاہر ہوتا ہے تو دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز نیلے رنگ میں جلوہ نما ہوتا ہے۔ تاریخ کامل ابن اثیر نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ: رسول اللہؐ کی روح ابو جعفر بن عثمان العمری میں، امیر المومنین امام علیؑ کی روح ابوالقاسم حسین بن روح میں، اور بنی فاطمہ زہراؑ کی روح ابو جعفر العمری کی بیٹی ام کلثوم میں منتقل ہو گئی ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں جو اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں جن سے اس کا کفر والحاد عیاں ہو جاتا ہے۔

راویوں کا بیان ہے کہ ۳۱۲ھ میں امام القاسم نے ایک توثیق نامہ جاری کیا جس میں فرمایا کہ: محمد بن علی شلمغانی اسلام سے پھر گیا ہے۔ اس نے دین میں الحاد کو داخل کیا ہے اور وہ ایسے دعوے کرتا ہے جو خدا کے حکم کے مقابلے میں کفر پر مبنی ہیں نیز یہ کہ وہ بے اصل اور جھوٹی باتیں گھڑتا ہے، مذہب میں غلط بیانی کرتا ہے اور یوں عظیم گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ پس ہم خدا اور اس کے رسولؐ کے سامنے اس سے اظہار بیزاری کرتے ہیں اور اس پر ظاہر ہیں اور باطن میں علانیہ اور پوشیدہ ہر وقت اور ہر حال میں خدا کی لعنت بھیجتے ہیں نیز ہر اس شخص پر بھی جو اس کی حمایت کرے یا اس کی پیروی کرے اور اس پر بھی کہ جس کو ہمارا یہ حکم پہنچے اور وہ اس کی دوستی پر قائم رہے۔

رفتہ رفتہ جب شلمغانی کا غلو اور الحاد مشہور عام ہو گیا اور اس کے عقائد اور اقوال پھیل گئے تو ۳۱۲ھ میں اس کو خلیفہ معتمد عباسی کے وزیر عبد اللہ بن محمد بن عبید اللہ خاقانی نے اپنے پاس بلوایا، لیکن وہ روپوش ہو کر موصل بھاگ گیا اور وہاں ناصر الدولہ حسین بن عبد اللہ بن حمدان کے ہاں پناہ لے لی۔ چار سال کے قریب وہاں قیام کرنے کے بعد وہ پھر بغداد آگیا اور اہل حکومت سے چھپ چھپا کر اپنے خیالات کی تردید میں لگ گیا۔ یہاں تک کہ ۳۲۲ھ میں خلیفہ راضی کی حکومت قائم ہو گئی اور اس کے وزیر محمد بن علی بن مقلہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس کے گھر چھاپہ مار کر وہاں سے ایسے خطوط اور رقعات برآمد کیے جن میں لوگوں نے اس کو اس طرح خطاب کیا تھا کہ جس طرح ایک انسان دوسرے کو ہرگز خطاب نہیں کرتا لیکن اس نے خلیفہ کے سامنے کفر والحاد کی ان تمام باتوں کا انکار کر دیا جو اس سے منسوب کی جاتی تھیں۔ البتہ اس کے بہت سے ساتھیوں نے گواہی دی کہ یہ شخص



امام القائمؑ کا سفیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور بالآخر خلیفہ راضی کے وزیر ابن مفلہ نے اس کو علماء اور فقہاء کے سامنے پیش کر دیا اور اس کے اقوال ان کو بتائے۔ اس پر انہوں نے اس کے خون کے مباح ہونے کا فتویٰ دیدیا۔ چنانچہ اس کو اور اس کے ایک پیرو ابن ابی عون کو پھانسی دینے کے بعد ان کی لاشوں کو جلا دیا گیا، جیسا کہ تاریخ کامل ابن اثیر وغیرہ میں مذکور ہے۔

### حسین بن منصور حلاج

حسین بن منصور حلاج صوفیوں کے طبقہ میں سے تھا۔

ایک زمانہ میں اس کا مکرو فریب زوروں پر رہا اور اس میں کفر و الحاد کی علامات نمایاں ہو گئیں، چنانچہ اس کا شمار ان ممتاز صوفیوں میں ہونے لگا جو حلول اور کشف کے قائل تھے۔ بعض محدثین اور مستشرقین نے اس کو شیعہ صوفیوں میں شمار کیا ہے کیونکہ وہ تصوف کو علیؑ اور ان کی اولاد میں ہونیوالے ائمہ کرامؑ کی پیروی کرنے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر کامل مصطفیٰ شبیبی کہ جو جامعہ ازہر قاہرہ میں اسلامی فلسفہ کے استاد ہیں انہوں نے تصوف اس کے مصادر اور اس کے سلسلوں کے متعلق الصلۃ بین التصوف و الشیعہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے شیعوں کے ائمہ کرامؑ کو اصول تصوف کے بانی اور صوفیہ کے پیشرو قرار دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ان حضرات سے ایسے اقوال اور احوال منسوب کیے ہیں جو نظریہ تصوف کی تائید کرتے ہیں اور جن پر انہوں نے اپنی کتاب کی بنیاد قائم کی ہے۔ حالانکہ وہ ایسے معاملات ہیں جن کا ان معصومین کی تاریخ حیات سے قریب یا بعید کسی بھی طرح کا تعلق نہیں ہے اور نہ وہ روایات کسی معتمد راوی کے ذریعہ سے آئی ہیں۔ بلکہ ان میں کچھ شبیبی اور شیعوں کے دوسرے دشمنوں کی من گھڑت ہیں اور کچھ منافقوں، غالیوں حتیٰ کہ شیعیت اور اسلام سے منحرف ہو جانے والوں کی گڑھی ہوئی ہیں۔ مزید یہ کہ جن روایتوں میں ائمہ کرامؑ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تصوف سے ملتی جلتی باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے کئی ایک کے وضع کرنے میں داستان گو اشخاص کا بھی خاص دخل رہا ہے۔

مجموعی طور پر یہ کتاب منطق، تحقیق اور صداقت سے دور اور عجیب و غریب باتوں پر



مشکل ہے۔ شبیبی کے وہ بیانات کہ جن میں حقائق کو مسخ کیا گیا ہے اور بعض نظریات اور اطوار میں صوفیوں کو شیعوں کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر ہم اس کتاب سے ان کی مثالیں دینے لگیں تو گفتگو میں طول ہو جائے گا۔ اس لیے ہم نے اس کتاب کی صرف ایک فصل کو ہی پیش نظر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ساری فصلیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر گہری نظر ڈالی جائے۔

اس کتاب کی وہ فصل کہ جس کو میں نے نمونہ کے لیے سامنے رکھا ہے اس کا عنوان الْفَتْوَةُ وَالْمَلَامَةُ ہے۔ مؤلف کے پورے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فتوت (بہادری) کا مصدر قرآن ہے اور اس صفت کا ذکر متعدد آیتوں میں آیا ہے۔ نیز نبی اکرمؐ کی زبان مبارک پر بھی یہ کلمہ جاری ہوا تھا:

لَا فَتَى إِلَّا عَلَى لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ .

صوفیوں نے فتوت کا اطلاق اپنے ممتاز افراد نیز ان لوگوں پر کیا ہے جو اپنی حرص و ہوس پر قابو پالیں۔ ان میں ملامت کا وہی افادہ ہے جو شیعوں میں تقیہ کا ہے۔ چنانچہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کے گروہ کے افراد اپنے زہد، عبادت اور تقویٰ کو ظاہر نہ کریں۔ اس طرح اپنے مقصد کے لحاظ سے ملامت اور تقیہ کی حدیں باہم ملتی ہیں، یعنی راز اور عقیدہ کو ایسا پوشیدہ رکھنا کہ دشمن اس سے آگاہ نہ ہونے پائیں اور کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں۔ ڈاکٹر شبیبی کی اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ملامت اور تقیہ دونوں صفتیں شیعیت سے لی گئی ہیں اس لیے بقول ان کے تصوف اور شیعیت میں گہرا تعلق ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں شیعوں پر اور بھی بہت سے بے بنیاد اور جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں۔

اسی طرح کی غلط فہمیاں کہ جن کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مؤلفین کا ایک بڑا گروہ یہ سمجھتا ہے کہ تصوف ائمہ اہلبیتؑ اور ان کے پیروکاروں سے چلا ہے، حالانکہ شیعیت قول و فعل ہر لحاظ سے تصوف اور صوفیوں سے بہت دور ہے اور ان دونوں سے اس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ البتہ زہد یعنی حرص دنیا کو ترک کرنے کی دعوت کہ جس کا ذکر اہلبیتؑ سے وارد ہونے والی روایات میں ملتا ہے اور جو ان کی صفات میں داخل تھا، اس کے معنی اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہیں کہ انسان محض لذت پرستی ہی کو



اپنا تے نہ رکھے جس سے وہ آخرت کے لیے عمل کرنے سے غافل رہنے لگے کیونکہ ائمہ کرامؑ یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ان قرآنی تعلیمات کی پیروی کریں جو دنیا اور آخرت دونوں کی طرف دعوت دیتا ہے کہ :

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا. (سورۃ قصص - آیت ۷۷)

یعنی جو کچھ اللہ نے تم کو عطا کیا ہے اس کے ذریعے سے آخرت کا توشہ حاصل کرو لیکن دنیا کی لذتوں میں سے اپنا حصہ مت چھوڑو۔

اور کہتا ہے :

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ. قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا.

(سورۃ اعراف - آیت ۳۲)

(اے رسولؐ!) کہیے کہ اللہ نے جو اچھی چیزیں اور پاکیزہ کھانے بندوں کے لیے پیدا کیے ہیں وہ کس نے حرام کر دیے ہیں۔ کہیے کہ وہ تو خاص ان کے لیے ہیں کہ جو ایمان لائے ہیں۔

نیز نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :

مَلْعُونٌ مَنْ تَرَكَ دُنْيَاهُ لِآخِرَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ آخِرَتَهُ لِدُنْيَاهُ.

قابل لعنت ہے وہ شخص کہ جو اپنی آخرت کی خاطر دنیا کو چھوڑ دے اور وہ جو اپنی دنیا کی خاطر آخرت کو چھوڑ دے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے : لوگوں میں سب سے زیادہ پارسا وہ ہے جو شک کے موقع پر رک جائے، سب سے زیادہ عبادت گزار وہ ہے جو فرائض ادا کرے اور سب سے بڑا زاہد وہ ہے جو حرام سے باز رہے۔

ائمہ اہلبیتؑ کی احادیث ایسی باتوں سے بھری پڑی ہیں جو طلب رزق کے لیے سعی و عمل پر ابھارتی ہیں، ان کا ہل لوگوں کی مذمت کرتی ہیں جو زمانہ اور مقام کے تقاضوں



کے مطابق معاشرہ قائم کرنے میں اپنی ہمت صرف نہیں کرتے اور امکان بھر کوشش نہیں کرتے۔ تاہم تصوف کا جو مطلب تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے دوران سمجھا جاتا تھا وہ اپنے کفر اور الحاد کو چھپائے رکھنے کا ایک پردہ اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کا ذریعہ تھا جیسا کہ اس دور کے صوفیوں کے حالات سے عیاں ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علاج، نمیری، شلمفانی اور ایسے ہی دوسرے شیعہ ان جھوٹے الزامات کی بدترین مثالیں ہیں جو شیعوں پر ان کی طویل تاریخ کے دوران بھوپے جاتے رہے ہیں لیکن میں اس مقام پر علاج کی کج روی اور اس کے الحاد کے بارے میں صرف اتنا ہی بیان کروں گا کہ امام مہدی القائمؑ کی سفارت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ چنانچہ الکنتی واللقاب میں خطیب بغدادی سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: حسین بن منصور علاج نے بغداد آکر امام القائمؑ کی سفارت کا دعویٰ کیا اور بہت سے خاص و عام افراد کو دھوکہ دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح شیعوں کی صفوں میں داخل ہو کر ابوسہل بن اسماعیل بن علی نو بختی کو اپنے قابو میں لائے جو ممتاز علماء میں سے تھے اور پھر ان کے نسبی رشتہ سے شیخ حسین ابن روح نو بختی سے فائدہ اٹھائے۔ پھر اس نے ان کے پاس اپنا آدمی بھیجا تاکہ ان کو اپنے جال میں پھانسنے لیکن ابوسہل نہایت عاقل اور زیرک شخص تھے۔ انہوں نے اس کے آدمی سے کہا کہ جو کرامات وہ دکھاتا ہے وہ تو شعبدہ بازی کے سوا کچھ نہیں ہے تاہم میں ایک عیش پرست آدمی ہوں لہذا مجھ کو غورتوں اور ان کی حکومت سے زیادہ کوئی لذت نہیں بھاتی۔ مزید یہ کہ میں گنجا آدمی ہوں اس لیے اپنے سر پر عمامہ کسے رہتا ہوں اور اپنے بڑھاپے کو چھپانے کے لیے خضاب لگاتا ہوں۔ پس اگر وہ کچھ کر سکتا ہے تو میرے سر پر بال اکا دے اور میری داڑھی کو خضاب کے بغیر سیاہ کر دے۔ پھر چاہے وہ امام القائمؑ کا سفیر ہونے یا نبی ہونے بلکہ خدا ہونے ہی کا دعویٰ کیوں نہ کرے، میں اس کے ہر دعوے کو تسلیم کر لوں گا۔ علاج نے جب ان کا یہ جواب سنا تو وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گیا اور ان سے اپنا منہ موڑ لیا۔

راوی کہتے ہیں کہ حسین بن منصور علاج قم بھی گیا تھا جو اس زمانہ میں علماء و محدثین کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ وہاں جا کر اس نے صدوق کے والد علی بن موسیٰ بن بابویہ کو ایک رقعہ



لکھا اور اس میں یہ دعویٰ کیا کہ ”میں امام مہدی القائمؑ کے سفیر اور وکیل کی حیثیت سے آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں“ جب انہوں نے وہ رقعہ پڑھا تو اس کو پھاڑ ڈالا اور علاج کے قاصد سے کہا: ”تم کو ان پہودگیوں کی فرصت کیسے مل گئی“ وہ لوگ جو وہاں موجود تھے جب ان کو اس خط کے مضمون کا علم ہوا تو انہوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا۔ راوی مزید کہتا ہے کہ اس کے بعد ابن بابویہ وہاں سے اٹھ کر اپنے اصحاب اور خدمتکاروں کے ساتھ اپنی دکان پر چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو جو لوگ وہاں موجود تھے وہ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے، البتہ ایک آدمی کھڑا نہ ہوا اور وہ بیٹھا رہا۔ چنانچہ ابن بابویہ جب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو انہوں نے اس سے کھڑے نہ ہونے کی وجہ پوچھی۔ تب اس نے کہا: آپ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں جبکہ میں اس وقت بھی آپ کے پاس موجود تھا اور دیکھ رہا تھا کہ آپ میرا رقعہ پھاڑے ڈال رہے تھے۔ پھر ابن بابویہ نے اس سے کہا: اچھا — تو تم علاج ہوا تمہی وہ ملعون ہو کہ معجزے دکھانے کا دعویٰ کیا کرتے ہو۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے خدمتکاروں کو حکم دیا اور اس کو وہاں سے نکلوا دیا۔ انہوں نے اس کو نہ صرف اپنے یہاں سے نکلوا دیا بلکہ پھر اس کو شہر قم ہی سے نکلوا دیا۔ اس کے بعد وہ کبھی وہاں نہیں گیا۔

ہم علاج اور اس طرح کے دوسرے ملحد اور کج رو افراد کے بارے میں اتنے ہی بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو امام مہدی القائمؑ کے سفیر ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے تاکہ اس طریقہ سے اپنے برے مقاصد حاصل کریں اور لوگوں میں اپنے منافی اسلام اقوال کو پھیلا سکیں لیکن ادھر ائمہ کرامؑ ایسے لوگوں کے کفر والحاد کو آشکارا کرتے اور اپنے اصحاب کو ہدایت فرماتے تھے کہ وہ ان جھوٹے دعویداروں پر لعنت کریں اور ان سے بیزاری اختیار کیے رہیں۔ جیسا کہ ہم اب کتاب کے پچھلے صفحات میں ان واقعات کا ذکر کر گئے ہیں۔

امام مہدی القائمؑ کے حالات پر  
غیبت صغریٰ کے زمانے میں امامؑ کے وکیل

کے زمانہ میں آپ کی نیابت کے عہدہ پر یکے بعد دیگرے چار افراد فائز رہے جن کو آپ نے اس ذمہ داری کے لیے منتخب کیا اور ان کو پابند کیا تھا کہ وہ آپ کے اور تمام شیعوں کے درمیان واسطہ بنے رہیں گے۔ ان کے علاوہ آپ نے کچھ کاموں میں اپنے ان نائبوں



کی مدد کے لیے متعدد شیعہ افراد کو اپنا وکیل بھی مقرر کیا تاکہ ان کی وہ مشکلیں کچھ کم ہو سکیں جو ان کو اہل حکومت اور ان کے اہلکاروں کی طرف سے پیش آتی رہتی تھیں۔ البتہ وکالت کی ذمہ داری نیابت کی ذمہ داریوں کے مقابلہ میں محدود تھی کیونکہ امامؑ کا نائب آپ سے براہ راست ملاقات کر کے تعلیمات اور احکامات حاصل کرتا تھا اور اکثر ذمہ داریوں کو اسی طریقے سے پورا کرتا تھا، جیسا کہ وہ ان کے لیے آپ سے احکام حاصل کرتا تھا۔ جبکہ وکیل کی ذمہ داری زیادہ تر اپنے دائرہ عمل تک محدود ہوتی تھی، جیسے مال خمس وصول کر کے آپ کو پیش کر دینا، احکام کا پہنچانا اور شیعوں کے لیے امام القائمؑ کے نائب سے ملاقات میں آسانی پیدا کرنا تاکہ وہ اپنے مسائل ان تک لیجا سکیں۔

سید محمد صادق صدر نے اپنی کتاب 'موسوعۃ الامام المہدیؑ' میں لکھا ہے کہ شیخ صدوق نے اکمال الدین کے قلمی نسخہ میں۔

### حاجز بن یزید

امام القائمؑ کے بہت سے وکیلوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں حاجز بن یزید بھی ہیں۔

اکمال الدین ہی میں شیخ مفید کے حوالے سے حسن بن عبد الحمید سے روایت ہے کہ: مجھ کو حاجز بن یزید کے معاملہ میں شک تھا، اس لیے میں نے کچھ چیزیں جمع کیں اور سامرا گیا۔ تب ہمارے پاس امامؑ کا جواب آیا کہ: تم لوگوں کو نہ تو ہمارے بارے میں شک ہونا چاہیے اور نہ اس فرد کے بارے میں کوئی شبہ ہونا چاہیے جو ہمارے حکم سے کام کرتا ہو۔ پس تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اپنے دل میں حاجز بن یزید کے بارے میں کوئی بدگمانی رکھو۔

محمد بن علی بن بلال | رجال کشی میں روایت ہے کہ امام القائمؑ نے بعض توثیقات میں جو آپ سے منسوب ہیں ان میں ابو طاہر محمد بن علی

بن بلال البلالی کو قابل اعتماد، صاحب امانت اور اپنے فرائض کا پابند قرار دیا ہے لیکن شیخ طوسی نے ان کو گمراہ اور وکالت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ پھر یہ بات کچھ بعید بھی نہیں ہے کہ ابتدائی دور میں وہ قابل اعتماد افراد میں شامل رہے ہوں اور اس کے بعد منحرف ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ کئی دوسرے افراد گمراہ اور منحرف ہو گئے تھے جو ائمہ کرامؑ کے معتمد اصحاب میں شامل رہ چکے تھے۔



## محمد بن ابراہیم بن ہزیار

ابن طاؤس نے محمد بن ابراہیم بن ہزیار کو سفیر اور باب قرار دیا ہے اور شیعہ سفیر اور باب میں کوئی فرق تصور

نہیں کرتے، جیسا کہ جامع الرواۃ میں آیا ہے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ ان کی سفارت سے مراد وکالت ہی ہوگی کیونکہ شیعہوں کے ہاں متفق علیہ طور پر امام القائمؑ کے سفیروں یعنی نائبوں کی تعداد صرف چار تک مانی جاتی ہے۔

کتاب الغیبۃ شیخ طوسی میں ہے کہ محمد بن ہزیار کہا کرتے تھے کہ: امام محمد حسن عسکریؑ کی شہادت کے وقت میں ان کے جانشین کے معاملہ میں شک میں پڑ گیا۔ اس وقت میرے باپ کے پاس بہت سا مال خمس جمع ہو گیا تھا تب انہوں نے وہ سارا مال اپنے ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو گئے جبکہ میں بھی ان کے ہمراہ جا رہا تھا۔ اثنائے راہ میں ان کو شدید بخار ہو گیا اور وہ کہنے لگے کہ مجھے اپنی موت قریب نظر آرہی ہے اس لیے تم مجھ کو گھر واپس لے چلو۔ پھر مجھ کو وصیت کی کہ اس مال کے معاملہ میں اللہ کا خوف کرنا اس کے ساتھ ہی وہ وفات پا گئے۔

وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ اپنے والد کے کفن و دفن سے فارغ ہو کر میں وہ مال لے کر عراق جا پہنچا۔ وہاں میں نے دریا کے کنارے پر ایک مکان کرایہ پر لیا اور کچھ دن وہیں رہا۔ یہاں تک کہ ایک قاصد میرے پاس ایک خط لیکر آیا جس میں لکھا تھا کہ: اے محمد! تمہارے پاس اس وقت ہمارا اتنا مال ہے جو تمہارے باپ نے چھوڑا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا تھا کہ کیا چیز کتنی کتنی مقدار میں موجود ہے۔

حالانکہ میں خود بھی اس کی تعداد وغیرہ سے واقف نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے وہ سارا مال اس قاصد کے سپرد کر دیا اور پھر وہاں مزید چند روز تک مقیم رہا۔ تب میرے پاس امامؑ کا حکمنامہ آیا جس میں لکھا تھا کہ: ہم نے تم کو تمہارے باپ کی جگہ مقرر کر دیا ہے۔ پس تم اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہو۔

## احمد بن اسحاق اشعری

احمد بن اسحاق بن سعد بن مالک اشعری امام تقی الجوادؑ، امام تقی الہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ

کے دور میں ان کے اور اہل قم کے مابین واسطہ بنے رہے تھے پھر ان کو امام مہدیؑ القائمؑ



کی غیبت کا بھی کچھ زمانہ ملا۔ یہی وہ بزرگ ہیں کہ امام حسن عسکریؑ سے ان کے جانشین کے بارے میں جن کے سوال پر امامؑ نے اپنے فرزند مہدی القائمؑ کو ان کے سامنے کر دیا تھا۔ نیز ان کے کچھ حالات بیان کیے جو ان کی غیبت صغریٰ اور کبریٰ میں پیش آئے تھے۔

محمد بن صالح ہمدانی | رجال کشی میں ہے کہ اسحاق بن اسماعیل کے نام امام القائمؑ کا ایک حکمنامہ آیا جس میں لکھا تھا کہ: جب تم بغداد جاؤ تو

یہ محمد بن صالح بن محمد ہمدانی دہقان کو پڑھ کر سنا دینا، وہ ہمارے وکیل اور معتمد ہیں اور ہمارے پیروکاروں سے خمس وغیرہ کی وصولی کا کام کرتے ہیں۔ جامع الرواة میں کہا گیا ہے کہ اپنے آخری زمانہ میں دہقان غلو کرنے لگے اور امام القائمؑ نے ان پر لعنت فرمائی اور کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے دہقان کے افعال کی وجہ سے ان کے ایمان کو کفر سے بدل دیا ہے اور جلد ہی وہ ان کو عذاب میں گرفتار کرے گا۔ تاہم بعض علمائے رجال کا خیال ہے کہ وہ دہقان جس پر امامؑ نے لعنت کی تھی، وہ عروہ بن یحییٰ دہقان ہے نہ کہ محمد بن صالح ہمدانی دہقان اور یہ بات کچھ بعید بھی نہیں ہے۔

محمد بن جعفر اسدی | نجاشی کا بیان ہے کہ: امام القائمؑ نے محمد بن جعفر اسدی کو صاحب امانت قرار دیا اور مال خمس ان کے سپرد کیے

جانے کا حکم دیا تھا۔ ان کے علاوہ آذربائیجان کے قاسم بن بلار، محمد بن شاذان بن نعیم نیشاپوری، ابراہیم بن مہزیار، حسین بن علی بن سفیان بن زفری اور بہت سے دوسرے افراد بھی ہیں کہ امام القائمؑ نے مسلمانوں کے اہم امور ان کے سپرد کیے اور ان کو خمس وصول کرنے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے کام پر مامور فرمایا تھا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ وکلاء بذریعہ خط و کتابت یا امامؑ کے ان نائبوں کے ذریعہ آپؑ سے رابطہ قائم کرتے تھے جن پر امامؑ کو اعتماد تھا اور آپؑ نے ان کو لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے اور ان کی مشکلیں حل کرنے کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

ان وکیلوں کے حالات کے بارے میں بیان کی گئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام القائمؑ کے بعض نائب اور وکیل تجارت کیا کرتے تھے اور اس کے ذریعے مختلف علاقوں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ اس طرح حکومت اور اس کے عمال جو خود امام کی



اور آپ کے نائبوں اور وکیلوں کی نگرانی کرنا چاہتے تھے وہ انکی پہچان ہی نہ کراتے تھے۔ امام مہدیؑ القائمؑ کی حیات مقدسہ کو بیان کرنے والی روایات بتاتی ہیں کہ آپ اپنی امامت کے ابتدائی زمانہ یعنی غیبت صغریٰ میں جس طرح اپنے چار نائبوں اور جابجا پھیلے ہوئے وکیلوں سے ملا کرتے تھے۔ اسی طرح بعض اوقات اپنے خاص شیعوں کو بھی ملاقات کا موقع دیتے اور ان کی مشکلیں حل فرماتے تھے۔ حالانکہ اہل حکومت انتہائی سختی کے ساتھ آپ کا پیچھا کرتے اور آپ کے نائبوں اور وکیلوں پر بھی کڑی نگاہ رکھتے بلکہ کبھی کبھی تو وہ اپنے اہلکاروں کی مخبری پر آپ کے کسی نہ کسی وکیل کو گرفتار بھی کر لیتے تھے مزید یہ کہ آپ کے چچا جعفر بن امام علی نقیؑ کے اکسانے پر امامؑ کو گرفتار کرنے کے لیے خلیفہ معتد کے حکم سے آپ کے گھر پر بار بار چھاپے بھی مارے گئے لیکن ان کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہ ہوئی، یہاں تک کہ آپ کی عمر انیس سال کی ہو گئی اور معتد کے بعد معتضد کی خلافت کا زمانہ آگیا۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی آپ کو گرفتار کرنے کی بار بار کوشش کی، روز شکر پر لشکر بھیجے جو آپ کے گھر کا محاصرہ کر کے بڑی سختی کے ساتھ تلاشی لیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے بندوں میں سے منتخب کر لیا تھا اور آپ پر اس کا خاص کرم تھا، اس لیے اس کی تدبیر آپ کے اور خلیفہ کے درمیان حائل ہو جاتی تھی۔

اہل حکومت کی ان کوششوں کے باوجود بھی امام القائمؑ اپنے خاص اصحاب اور شیعوں کے ساتھ مل بیٹھتے اور ان کی مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے ان کی مشکلات کو حل فرما دیتے تھے۔ جیسا کہ روایات بتاتی ہیں کہ جب وہ لوگ آپ کے حضور حاضر ہوتے تو ان پر ایک طرح کا کیف و سرور چھا جاتا تھا کہ آپ کی ذات ان کے ذہنوں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔ چنانچہ جب تک آپ ان سے جدا نہ ہو جاتے، ان لوگوں کو یہ خیال ہی نہ آتا تھا کہ آپ ان کے ساتھ موجود ہیں۔ البتہ اگر کبھی مصلحت کا تقاضا ہوتا تو آپ ان لوگوں پر اپنے آپ کو آشکار بھی فرما دیتے تھے۔

عیسیٰ بن ہمدی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا لیکن آپ کی موجودگی سے بے خبر سا ہو گیا تھا۔ تب آپ نے فرمایا کہ: اگر جھٹلانے



والے یہ نہ کہتے کہ امام القائمؑ کہاں ہیں؟ وہ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ ان کو کس نے دیکھا ہے؟ ان کی طرف سے تمہارے پاس کون آیا ہے؟ انہوں نے تم کو کیا خبر دی ہے؟ ان کے معجزے کہاں ظاہر ہوئے ہیں؟ تو تم مجھ کو ہرگز نہ دیکھ پاتے۔ اے عیسیٰ بن مہدی! جاؤ اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے وہ ہمارے دوستوں کو بتا دو، لیکن خبردار یہ باتیں ہمارے دشمنوں کو نہ بتانا۔ راوی مزید کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: اے میرے آقا! دعا کیجیے کہ میں ثابت قدم رہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر اللہ نے تم کو ثابت قدم نہ کیا ہوتا تو تم مجھ کو دیکھ نہ پاتے۔

بحار الانوار میں عیسیٰ بن مہدی سے ایک اور روایت بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے امام القائمؑ کو دیکھا، آپ کے ساتھ رہا اور آپ کے دسترخوان پر کھانا کھایا۔ اسی طرح حسن بن وجہار نصیبی کا بیان ہے کہ میں مکہ میں آپ کے ساتھ تھا جبکہ آپ خانہ کعبہ میں سجدہ کی حالت میں انتہائی رقت سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک کینز نے آکر ان کو بلایا اور آپ اس کے ساتھ چل دیے۔ یہاں تک کہ ام المومنین خدیجہ کے مکان پر جا پہنچے۔ پھر مجھ کو آواز دی کہ: اے حسن! اوپر آ جاؤ۔ چنانچہ میں اوپر جا کر مکان کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا، تب امام القائمؑ نے مجھ سے فرمایا: اے حسن! آیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھ سے پوشیدہ رہے ہو؟ بخدا کہ تمہارے مناسک حج کے دوران کوئی وقت ایسا نہیں کہ جب میں تمہارے ساتھ نہ تھا۔ پھر آپ نے مجھ کو میرے حج کے تمام اوقات بتا دیے، جن کو سن کر میں بہوش ہو گیا۔ جب تک امامؑ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر نہ رکھا میرے حواس بجا نہیں ہوئے۔

کتاب الغیبتہ میں شیخ طوسی نے ایک ازدی شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس نے کہا: کعبہ کا طواف کرتے ہوئے میں نے وہاں ایک جوان کو دیکھا جو بہت باوقار اور خوش رو تھا اور اس کا بدن خوشبو سے مہک رہا تھا۔ تاہم اپنی اس تمکنت اور ہیبت کے باوجود وہ لوگوں میں گھل مل گیا تھا۔ میں نے اس کے کلام سے اچھا کلام اور اس کی زبان سے میٹھی زبان کبھی نہ سنی تھی۔ جب میں نے ایک شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ فرزند رسولؐ ہیں جو سال میں ایک مرتبہ اپنے خاص اصحاب کے سامنے آتے ہیں اور ان سے



ضروری باتیں کرتے اور سنتے ہیں۔ از دی مزید کہتا ہے کہ یہ سن کر میں آپ کے قریب گیا اور ان سے خواہش کی کہ آپ مجھ سے بھی بات کریں۔ چنانچہ آپ نے میرے لیے دعا کی اور فرمایا: ”میں امام القائمؑ ہوں۔“

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ حج کے زمانہ میں مکہ اور مدینہ میں لوگوں کے پاس آیا کرتے تھے، جہاں آپ اپنے خاص شیعوں کو دینی و دنیوی امور کے بارے میں ہدایات دیتے تھے۔ مزید یہ کہ وہاں آپ شیعوں کا مال خمس اپنے نائبوں اور وکیلوں کے ذریعہ یا بذات خود وصول فرماتے تھے لیکن جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اور اس میں شک بھی نہیں ہے کہ اپنے نائبوں، وکیلوں اور خاص شیعوں سے ظاہراً ملاقات سے آپ کو کئی ایک مشکلوں کا سامنا ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ عمل اہل حکومت اور ان کے اہلکاروں یہاں تک کہ عام شیعوں کی نظروں سے بھی دور ہی انجام پاتا تھا۔

اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ان روایات میں سے بعض یا اکثر آپ سے محبت کرنے والوں کی گھڑی ہوئی ہیں اور یہ بات کچھ بعید بھی نہیں ہے تو بھی اس میں شک نہیں ہے کہ آپ کی حیات کا پہلا دور وہ تھا جو آپ کے چوتھے نائب شیخ سمیری کی وفات پر ۲۹ھ میں ختم ہوا جبکہ آپ کی عمر ۷۴ سال تھی جس میں ساڑھے چار سال آپ نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ گزارے تھے۔ اس دور میں آپ لوگوں سے بالکل علیحدہ نہیں رہے بلکہ جب کبھی ضرورت کا تقاضا ہوتا تو آپ پوشیدہ طور پر اپنے خاص اصحاب اور اپنے نائب سے ملاقات کرتے تھے، کیونکہ اہل حکومت کی طرف سے خطرہ لاحق رہتا تھا۔ اگرچہ وہ آپ کے معاملہ میں اللہ کی مشیت کے آگے بے بس ہو جاتے تھے۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ امام القائمؑ کی غیبت صغریٰ

## داستانِ سرداب

آپ کے چوتھے نائب شیخ سمیری کی وفات پر ختم ہو گئی اور

اس وقت سے غیبت کبریٰ شروع ہوئی جس کے متعلق امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ: یہ خدا کا راز اور اس کا ایک پوشیدہ امر ہے کیونکہ غیبت کبریٰ متواتر جاری رہیگی تا اینکہ اللہ تعالیٰ اس کے ختم ہونے کا حکم نہ دے۔ رہی یہ بات کہ امام القائمؑ اپنی حیات کے



پہلے دور یعنی غیبت صغریٰ میں کہاں تھے؟ غیبت کبریٰ کس جگہ سے شروع ہوئی؟ نیز اس کے شروع ہونے سے ختم ہونے تک آپ کہاں رہیں گے۔ اس ضمن میں صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے اور ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ غیبت صغریٰ میں آپ کا قیام اپنے والد امام حسن عسکریؑ کے مکان میں رہا۔ البتہ بعض اوقات آپ اہل حکومت ان کے مددگاروں اور اہل کاروں کی نظروں سے بچنے کے لیے مکان کے ایک حصہ میں سرداب میں روپوش ہو جاتے تھے، جبکہ عراق کے مکانوں میں کل کی طرح آج بھی سرداب کا چلن باقی ہے اور اس کو گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ حکومت جب کبھی آپ کی تلاش میں کچھ زیادہ سرگرمی دکھاتی اور آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا جاتا جیسا کہ کئی مرتبہ ہوا تو آپ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے سایہ میں اپنے گھر سے نکل کر روپوش ہو جاتے تھے۔ البتہ بعض روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر سال آپ دینی اجتماع کے مواقع پر حاضر ہو جاتے، یہاں تک کہ اپنے اصحاب کی محفلوں میں مجلسوں میں بھی تشریف لاتے تھے تاکہ ان لوگوں کی مشکلات حل کر دیں اور انکی حاجات کو پورا کر دیں لیکن اس طرح کہ بعض اوقات چند خاص الخاص اصحاب کے علاوہ کوئی شخص آپ کو پہچان نہ پاتا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ غیبت کبریٰ کی ابتدا آپ کے گھر سے ہوئی اور بلا شک یہیں سے آپ اللہ تعالیٰ کی اس زمین کی وسعتوں میں داخل ہو گئے، جہاں آپ عام لوگوں کے ساتھ اس چیز کا جو انسان کو درپیش ہوتی ہے یعنی بھوک، پریشانی، ایذا اور ظلم وغیرہ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ تاہم حج اور دوسرے اہم موقعوں پر لوگوں کے اجتماعات میں تشریف لاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی اس مشیت اور مصلحت کے تحت کوئی بھی آپ کو پہچانتا نہیں، کیونکہ اس کے راز اور حد کو پیشین گوئی اور قیاس آرائی ہرگز نہیں پاسکتی۔

بہر حال آپ کی زندگی کے اس پہلو پر اور اس کے راز کے متعلق گفتگو کرنا ایک پیچیدہ اور کٹھن مرحلہ ہے اور آپ کے وجود سے انکار کرنے والا شیعیت سے خارج ہے۔ بلکہ اگر اس انکار سے نبی اکرمؐ کو جھٹلانا مقصود ہو تو پھر وہ اسلام ہی سے خارج ہو جائیگا۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے بھی آپ کے متعلق خبر دی ہے۔ رہا یہ سوال کہ آپ کی غیبت کیوں



اور کس لیے ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے لیے یہ کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔ خدا کا سلام ہو یہ کہنے والے پر کہ امام القائمؑ خدا کا ایک راز اور اس کے پوشیدہ امور میں سے ایک پوشیدہ امر ہیں۔

بعض روایات جو امام القائمؑ کی حیات کے مراحل کو بیان کرتی ہیں ان میں کہیں کہیں سرداب کا ذکر بھی آتا ہے اور وہ بتلاتی ہیں کہ شیعہ امام علی نقیؑ اور امام عسکریؑ کے روضوں کی زیارت کرتے ہیں اور اس مکان میں جو امام حسن عسکریؑ سے منسوب ہے نمازیں پڑھتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں۔ ان روایات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے شیعوں کے مخالفین نے اپنی اس عادت کے مطابق کہ جب اور جہاں موقع ملا جو چاہا فقرہ کس دیا، ان پر یہ جھوٹا الزام غائد کر دیا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آپ سرداب میں چلے گئے تھے اور آپ کی ماں آپ کا انتظار کرتی رہیں لیکن آپ ایک طویل مدت تک وہاں سے باہر نہیں آئے چنانچہ ان لوگوں کے ایک شاعر نے بھی اس کے متعلق کہہ ڈالا ہے :

وہ شخص کیسے سرداب سے باہر آئے گا۔ تم تو جہالت کے سبب سمجھ

رہے ہو کہ وہ آنے والا ہے۔ تمہاری عقلوں پر تو پتھر پڑ گئے ہیں کیونکہ

تم عنقا اور دیو کے بعد ایک تیسری مونیوم ہستی کے قائل ہو گئے۔

کنجی اپنی کتاب البیان میں کہتا ہے کہ یہ لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ آپ اللہ کی قدرت سے اس تمام طویل مدت میں سرداب کے اندر بغیر کھاتے پیتے زندہ موجود ہیں۔ اس قسم کی اور جھوٹی باتیں ہیں جن پر اعتماد کرنے کے لیے نہ کوئی معقول بنیاد ہے نہ کوئی قابل قبول صحیح حدیث موجود ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ پہلے دور میں آپ کی زندگی آپ کے والد بزرگوار کے گھر میں اور کبھی کبھی باہر گزری اور یہ کہ آپ اہل حکومت کے خوف سے لوگوں سے پوشیدہ رہتے تھے کیونکہ یہ لوگ آپ کے وجود سے گھبرائے رہتے تھے اور کبھی کبھی آپ سے اور آپ کے سفیروں سے مل بھی جاتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سرداب میں چلے جاتے تھے جو عراق کے ہر گھر میں ہوتا ہے لیکن دوسرے دور میں آپ یقیناً حتمی طور پر وہاں سے نکل کر اللہ کے وسیع علاقہ میں چلے گئے تاکہ دوسرے انسانوں کی مانند زندگی بسر کریں۔



لیکن کیونکر کہاں اور کب آپ اس اہم کام کے انجام دینے کے لیے ظہور فرمائیں گے جس کے لیے اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا ہے، یہ اللہ کو معلوم ہے۔ ہم لوگوں کے لیے مشکل ہے کہ ہم آپ کی غیبت کی حکمت اور اس کے راز کو سمجھ سکیں۔ اس لیے ہم کو چاہیے کہ نبی اکرمؐ کے فرمان کے سامنے سر جھکا دیں کیونکہ آنحضرتؐ اپنی خواہش نفس سے کبھی کچھ نہیں کہتے تھے۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ طویل عمری عقلاً محال نہیں ہے۔ ہمارے سامنے حضرت نوحؑ کی مثال موجود ہے جو ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک زندہ رہے اور جس کی گواہی قرآن کریم نے دی ہے جس میں آگے پیچھے کہیں غلطیات کا گزر ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اس نے حضرت عیسیٰؑ کے زندہ رہنے کو بتلایا ہے اور یہودیوں کے اس قول کو غلط ٹھہرایا ہے کہ انہوں نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے کہ:

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ..... وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا.

ان لوگوں نے نہ انہیں قتل کیا اور نہ ہی سولی دی، مگر ان کے لیے ”ایک دوسرا شخص عیسیٰؑ“ مشابہ کر دیا گیا اور جو لوگ اس سلسلے میں اختلاف کرتے ہیں وہ انکے بارے میں دھوکے میں ہیں۔ ان کو اس واقعہ کی خبر ہی نہیں مگر یہ کہ وہ گمان پر عمل کرتے ہیں اور عیسیٰؑ کو ان لوگوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا اور خدا تو بڑا زبردست تدبیر والا ہے اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو ان پر انکے مرنے سے قبل ایمان نہ لائے اور وہ روز قیامت ان پر گواہ ہونگے۔ (سورہ نسا آیت ۱۵۷-۱۵۸)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ وہ اب تک زندہ ہیں اور اس سے پہلی آیت ثابت کرتی ہے کہ یہودیوں نے ان کو نہ قتل کیا نہ سولی دی بلکہ اللہ نے ان کو اپنی جانب اٹھا لیا۔ البتہ وہ آیت کہ ”إِنِّي مُتَوَقِّئُكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ“..... تو اس میں بھی ان کی موت کا اظہار نہیں ہے بلکہ جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں تمہارا اجر تم کو دوں گا اور تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس آیت میں وفات سے مراد موت ہی ہے تو بھی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ زمانہ ماضی میں واقع ہو گئی تھی کیونکہ یہ ایک مافی ہونی بات ہے کہ واؤ عطف کا اس طرح کا استعمال ترتیب کے معنی نہیں دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم حضرت عیسیٰ بن مریمؑ



کی زندگی کو نظر انداز بھی کر دیں تو حضرت نوحؑ کا اپنی قوم میں طویل عرصے تک زندہ رہنا جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے اس امر کا بہترین ثبوت ہے کہ انسان طویل زمانہ تک زندہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث اور تاریخ سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ لقمان بن عاد کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ زندہ رہا اور اس نے اپنی زندگی میں سات حالتیں بدلیں۔ اعشیٰ نے اس کے متعلق اپنے اشعار میں یوں کہا ہے:

تمہاری جان کی قسم تم نے تو سات زندگیاں پالیں۔ ایک زندگی ختم ہوتی تو دوسری شروع ہو جاتی۔ جب اس کے بال بے رنگ ہو گئے تو اس نے اپنے سب سے آخری دور حیات سے کہا کہ اب تو میں بھی مر چلا اور ابن عاد بھی اور تم کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

راویوں کا کہنا ہے کہ قیس بن ساعدہ ایادی سات سو سال یا بقولے اس سے بھی زیادہ عرصہ زندہ رہا۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ عمر بن ربیعہ بن کعب عرف مستو غر چار سو سال زندہ رہا اور ظہور اسلام سے پہلے مر گیا۔ مورخین کے مطابق اس نے خود یہ اشعار کہے ہیں:

میں اپنی زندگی کے طولانی ہونے سے تنگ آ گیا ہوں کیونکہ اس کا شمار سیکڑوں سال تک ہو گیا ہے۔ دو سو سال پر اور ایک سو سال ہوئے اور پھر مہینوں کے بجائے سال بڑھتے رہے۔ زندگی کا جو دن گزرتا اس سے زیادہ باقی رہتا تھا اور اس طرح دن پردن اور رات پرات گزرتی رہی۔

طویل العمر لوگوں میں سے ایک زہیر بن خیاب ہے جو دو سو بیس سال زندہ رہا۔ جیسا کہ سید مرتضیٰ نے اپنی ”امالی“ میں بیان کیا ہے۔ انہی میں ایک اور نام ذوا صبع عدوانی کا ہے۔ اس کے حالات میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ تین سو سال یا بقولے اس سے کم زندہ رہا۔ اسی طرح تاریخ کا کہنا ہے کہ ربیع بن ضبع نے اپنے متعلق خود بتایا ہے کہ وہ دو سو سال حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں اور ایک سو سال سے زیادہ جاہلیت کے زمانہ میں زندہ رہا۔



اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک زندہ رہا۔ چنانچہ اس کے سامنے اس نے یہ شعر پڑھا:  
جب کوئی دو سو سال تک زندہ رہتا ہے تو سارا لطف اور اطمینان ختم  
ہو جاتا ہے۔

بیشتر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جب وہ عبدالملک سے ملنے آیا اور اسے بتانے  
لگا کہ اس نے اپنی طویل زندگی میں کیا کیا دیکھا اور پچھلے لوگوں کے حالات سنائے تو  
ان دونوں میں بہت طویل اور مزیدار گفتگو ہوتی رہی۔

زیادہ عمر پانے والوں میں عبدالملک بن بقلہ غسانی کا نام بھی آتا ہے۔ لوگوں کا کہنا  
ہے کہ وہ تین سو پچاس سال سے زیادہ مدت تک زندہ رہا۔ اسی طرح محدثوں اور مؤرخوں  
نے دسیوں ایسے طویل العمر لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی عمریں اس حد سے آگے نکل  
گئی تھیں جس سے انسان قدیم زمانے سے لے کر آج تک مانوس رہا ہے۔ نیز سنی  
اور شیعہ دونوں کی کتب حدیث میں موجود بکثرت حدیثیں بتاتی ہیں کہ حضرت خضرؑ  
طویل زمانہ تک زندہ رہے بلکہ ان میں سے بیشتر کا کہنا ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں۔

اگرچہ زیادہ عمر پانے والوں کے متعلق راویوں کا بیان صحیح ہے۔ پھر بھی یہ اس سے مختلف  
ضرور ہے جس سے انسان مانوس رہا ہے اور شیعہ یہ دعویٰ بھی نہیں کرتے کہ امام القاسمؑ کی  
طویل زندگی حسب معمول ہے بلکہ وہ اس کے قائل ہیں کہ یہ مشیت الہی کے مطابق ہے۔ جس  
طرح مشیت الہی یہ تھی کہ نوحؑ ایک ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ زندہ رہیں۔ اسی طرح آپ کا  
عزت میں رہنا آپ کے لیے باعث نقص نہیں ہے کیونکہ یہ بھی مصلحت کا تقاضا ہے جیسا کہ  
بعض انبیاءِ جان کے خوف سے یا دوسری مصلحتوں سے اپنی قوم سے روپوش ہو جاتے  
تھے۔ اس کی ذمہ داری امت کے کاندھوں پر ہے جس نے آپ کو مجبور کیا کہ وہ لوگوں  
سے روپوش ہو جائیں۔ جس طرح آپ سے پہلے کے لوگوں نے آپ کے آبارِ کرامت کو مجبور  
کر دیا تھا کہ وہ ظالموں کے سامنے تقیہ اختیار کریں اور بیشتر اوقات اپنی تبلیغ کو چھپ کر  
انجام دیں۔ آپ کی سیرت کے ان پہلوؤں کا بیان پیچیدہ اور طویل ہے شیعوں نے ان  
کے بارے میں زمانہ قدیم سے لیکر عہدِ حاضر تک متعدد کتابیں لکھی ہیں اور اپنے عقیدہ کا  
جواز منطق اور دلیل سے پیش کیا ہے۔



میں نے طے کیا تھا کہ جہاں تک ہو سکے اختصار سے کام لوں گا اس لیے میں ائمہ کرامؑ کی سیرت کے بیان میں اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں اور اعتراض کرتا ہوں کہ میں ان ذواتِ مقدسہ کو پوری طرح اور ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو جو نیکیوں اور فضیلتوں سے بھرے پڑے ہیں پیش کرنے سے قاصر رہا ہوں۔ میں ان سے معذرت خواہ ہوں اور ان پر ان کے جدا مجد حضرت محمد مصطفیٰؐ پر درود و سلام بھیجتا ہوں جو تمام عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ آمین۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
رَبَّنَا صَلِّ عَلَى أَحْمَدَ خَيْرِ الْمُرْسَلِينَ  
وَعَلَى صَاحِبِ الْخَوْضِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ  
وَعَلَى فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ أُمِّ الطَّيِّبِينَ  
وَعَلَى السَّبْطَيْنِ وَالسَّجَّادِ زَيْنِ الْعَابِدِينَ  
وَعَلَى الْبَاقِرِ وَالصَّادِقِ عِلْمًا وَبِقِيَّتِنَا  
وَعَلَى الْكَاسِمِ مُوسَى وَالرِّضَا فَضلاً وَوَدِينَا  
وَالْتَّقِيِّ الْخَاشِعِ الْبَاسِطِ بِالْجُودِ يَمِينَنَا  
وَعَلَى الْهَادِي الَّذِي أَشْرَقَ كَالشَّمْسِ جَبِينَنَا  
وَالزَّكِيِّ الْعَسْكَرِيِّ الْحَسَنِ الْخُلُقِ أَمِينَنَا  
وَعَلَى الْقَائِمِ بِالْقِسْطِ مُغِيثَنَا وَمُعِينَنَا  
إِلِ يَاسِينَ الْهُدَاةِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ  
رَبَّنَا سَيِّدَنَا صَلِّ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ



















